

مولانا محمد علی کے یورپ کے سفر

(خود اُن کے اپنے قلم سے)

مترجم

پروفیسر محمد سرور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

کتاب خانہ پنجاب لاہور

قیمت - عیر

طبع اول

دسمبر ۱۹۴۱ء

فہرست مضامین

مضمون

صفحہ

- | | |
|----|---|
| ۷ | (۱) ویباچہ |
| ۱۷ | (۲) پہلا اور دوسرا سفر ۱۸۹۸ء و ۱۹۰۲ء |
| ۱۹ | (۳) تیسرا سفر ۱۹۱۳ء |
| ۲۰ | (۱) یکایک روانگی |
| ۲۲ | (۲) عثمانی تار پٹہ و کردزر |
| ۲۴ | (۳) خواجہ کمال الدین اور مشرخاب سے ملاقات |
| ۲۶ | (۴) انگلستان میں وفد کی سرگرمیاں |
| ۲۹ | (۵) برطانی و زراد کا ملنے سے انکار |
| ۳۱ | (۶) لارڈ مارلے کے نام خط |
| ۳۲ | (۷) لارڈ ڈکریو کے نام خط |
| ۳۵ | (۸) ایک الوداعی پنج |
| ۳۶ | (۴) چوتھا سفر ۱۹۲۰ء |
| ۳۸ | (۵) پانچواں سفر ۱۹۲۵ء |
| ۳۹ | عزم سفر |
| ۴۰ | (۱) دہلی سے اجیر سابریتی - بمبئی |
| ۴۹ | (۲) بمبئی سے روانگی - |
| ۵۰ | (۳) مفدونیہ جہاز - |
| ۵۲ | (۴) عدن - |
| ۵۵ | (۵) عدن سے قاہرہ - |

صفحہ

مضمون

۷۱	(۶) قاسم میں ایک دن
۹۵	(۷) مالٹا
۱۰۹	(۸) پیرس میں چند دن -
۱۲۵	(۹) دروولندن
۱۳۰	(۱۰) بیگم صاحبہ کو لندن آنے کی دعوت
۱۳۱	(۱۱) افسردگی و بے چینی
۱۳۹	(۱۲) علاج
۱۴۴	(۱۳) غریبان وطن کا قبرستان
۱۶۲	(۱۴) تہذیبِ یورپ کے چند مناظر
۱۷۱	(۱۵) ایک جلاوطن ہندوستانی سے ملاقات -
۱۷۵	(۱۶) دارالشفافہ تکفیرٹ
۱۹۴	(۱۷) غسلِ میت سے غسلِ صحت -
۲۰۱	(۱۸) مراجعت وطن -
۲۰۳	(۶) آخری سفر -
۲۰۴	عزم سفر -
۲۰۶	(۱) پیرس میں شدید بیماری
۲۱۶	(۲) شاہِ برطانیہ سے ملاقات -
۲۱۹	(۳) زندگی کے آخری دن -
۲۲۵	(۴) زندگی اور موت کی کشمکش
۲۲۳	(۷) خاتمہ یا لخبیر - از مولینا شوکت علی -

دیباچہ

محمد علی مرحوم ۲۷ مئی ۱۸۹۸ء میں پوربھنپور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۷ء میں کی عمر تھی ابھی ابھی کالج سے نکلے تھے۔ سول سروس کے امتحان میں شرکت کا ارادہ کیا۔ اُس زمانہ میں یہ امتحان صرف انگلستان میں ہونے لگے تھا اور کئی سال کی تیاری اور بہت خرچ کرنے کے بعد اس میں کامیابی کی امید ہونستی تھی۔ محض بڑے بھائی مولینا شوکت علی کی غیر معمولی ہمت اور ایثار تھا۔ کہ محمد علی اس کٹھن مہم پر روانہ ہو سکے۔

محمد علی اس مرتبہ ساڑھے تین برس کے قریب انگلستان میں ہے۔ زندگی کی پُرسپیکٹ کی ظاہر ہے۔ وہاں کوئی کمی نہ تھی اور مرحوم طبعیت کے زاہد و شرب بھی نہ تھے۔ جوانی اور تندرستی حسن صورت اور حسن کلام، مزاج آفتاب، دل میں جذبات و اک عطفان اور اس پر دیارِ حسن کی آک دہوا اتنی سازگار و نگہِ عجیب بات یہ ہے کہ مرحوم کے خود اپنے الفاظ میں ”کالج چھوڑا تو ولایت جانا ہوا۔ یہاں البتہ شادمانی صلی کی کمی نہ تھی۔ مگر ذوقِ نظارہ جمالِ لاکھ سہی اور گرہ میں مال بھی سہی۔ تاہم طبعیت کا میلانِ خلافِ دستور عام زہد و تقویٰ کی طرف تھا۔“ معلوم ہوتا ہے کہ طلبِ علم کے شوق کے سامنے دوسرے شوق دب گئے۔ اور ساڑھے تین سال کا یہ زمانہ جو عطفانِ فوج سے کم کیا ہو گا تحصیلِ علم کی سرگرمیوں میں صرف ہوا۔ اتفاق کہنے کے اس کے باوجود محمد علی سول سروس کے امتحان میں ناکام رہے اور آخر گھر والوں کے ارادہ پر وطن واپس لوٹے۔

۱۹۰۲ء میں دوبارہ انگلستان جانا ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ آکسفورڈ میں اپنی تعلیم کو مکمل کریں، مرحوم کا زیادہ تر قیام آکسفورڈ میں رہا اور آخر میں نہایت افتیانہ کے ساتھ بی۔ اے آنرز کی سند لیکر آئے۔

ہندوستان آنے پر کچھ عرصہ تک ریاست بڑودہ میں ایک اعلیٰ عہدہ دار رہے۔ ریاست کی فضا محدود، نوکری کا معاملہ۔ مرحوم کی طبیعت ایک بے کراں سمندر۔ کڑھتے، پگڑتے، کبھی کبھی افسروں سے الجھ پڑتے۔ آخر کب تک ضبط ہونا۔ نوکری چھوڑ دی، کلکتہ سے کامریڈ نکالا اور اسلامی ہند کی سیاست میں بڑے بڑوں سے ٹکرائے گئے۔ حکومت ہند کے وفائز کلکتہ سے دہلی آئے تو یہ بھی "کمریڈ" کو دہلی سے نکالنے لگے اور اس کے ساتھ ایک اردو کاروبار نامہ ہمدرد بھی جاری کر دیا۔

ہندوستان کی اسلامی سیاست کا یہ طوقانی عہد تھا۔ نوجوان پودا انگریزی حکومت کے جوئے کو ناقابل برداشت پارہی تھی۔ بوڑھے سلامت روی پر مصر تھے۔ سیاسی مجالس اور اخبارات کا لہجہ بدل چکا تھا۔ تقریر و تحریر کی گرمی طبعیتوں کو ابھار رہی تھی۔ انہی دنوں کانپور میں ایک سبائے کے معاملہ پر حکومت نے بہتے بے گناہ مسلمانوں پر گولی چلا دی، بس پھر کیا تھا ملک میں ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک کہرام مچ گیا۔

۱۹۱۳ء کا واقعہ ہے، مولینا چپ چلتے ولایت روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ سید وزیر حسن تھے جو اس وقت مسلم لیگ کے سیکرٹری تھے۔ سفر کی غرض یہ تھی کہ کانپور کے حادثے مسلمانان ہند میں جو عام ہزاروں اور ناراضگی پھیل چکی تھی۔ اس سے برطانوی حکومت کے ارباب اقتدار کو باخبر کریں اور نیز ترکوں کے ساتھ جو بے انصافی کی جا رہی تھی اس کے نتائج بہ سے حکومت کو تنبیہ کریں۔ محمد علی نے اس سلسلہ میں برطانوی مدتوں سے ملاقاتیں کیں۔ عام جلسوں میں تقریریں بھی کیں۔ ایک ایک

کہ کے برطانیہ کے بڑے بڑے آدمیوں سے ملے، لیکن سب نے سنی ان سنی کو ہی، اور محمد علی ایک حد تک ناکام واپس آئے۔

۱۸۲۰ء میں چوتھی بار یورپ جانے کا اتفاق ہوا۔ جنگ عظیم ختم ہو چکی تھی۔ ترکی سلطنت کے حصے بخرے کر کے انگریز اور ان کے حلیف آپس میں بانٹ رہے تھے۔ خلیفہ مسلمین اتحادی فوجوں کی حراست میں تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے ان ظالم کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ایک وفد انگلستان بھیجا۔ ۱۲ محمد علی اس وفد کے صدر بنائے گئے۔ یہ وفد تقریباً آٹھ مہینے تک یورپ میں رہا۔ محمد علی نے اپنی آواز سیاست اور حکومت کے بڑے بڑے ایوانوں میں پہنچائی۔ لیکن اتحادی غور فتح میں سرست تھے۔ ظاہر ہے شادی کے شادیوں میں کسی بے کس تم زو کی آہ دردناک کون سنتا ہے محمد علی یورپ کے دل شکستہ لوٹے اور یہ ٹھکان کر لوٹے کہ آئینہ کبھی اس بار گاہ کی طرف سائل کی حیثیت سے رخ نہ کرئیے۔

یورپ سے آئے آٹھ برس گزر گئے۔ اس اثنا میں ہندوستان میں کئی طوفان آئے۔ خلافت کی غریب اٹھی، پھیلی اور پھیل کر پھر سٹھنے لگی۔ ترک موالات کا بڑا ہنگامہ ہوا۔ لیکن آخر یہ بھی سرو پٹ گیا، لیکن سب کے جانکاہ حادثہ یہ تھا کہ ہندو مسلمان ۱۸۲۰ء میں یک دل ایک جان ہو کر پھر آپس میں رٹنے لگے اور حالت یہاں تک پہنچی کہ کوئی شہر ایسا نہ بچا جہاں ہندو مسلم ملے نہ ہوئے ہوں۔ محمد علی ایک شیر دل قائد کی طرح ان سیاسی جھگڑوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ شروع میں اس کے ساتھ ایک جم غفیر تھا۔ لیکن بہتہ آہستہ ساتھیوں کا یہ مجمع چھٹتا چلا گیا۔ وہ چلا تا تھا اور کوئی نہ سنتا تھا۔ مسلمان خفا تھے کہ وہ ہندوؤں کی پاسداری کرتا ہے۔ ہندو ویزا رن تھے کہ محمد علی ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کا نام لاتا ہے۔ یہ اپنی دھن کا پکا جو بات حق سمجھتا تھا۔ بے۔ و رعایت بر ملا کہتا تھا۔ اور کسی کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ آخر ہوا یہ کہ ”ہندو“ کے پڑھنے والے کم ہو

گئے، اور مالی اعتبار سے مرحوم سجد پریشان ہو گئے۔ صحت پہلے ہی کب اچھی تھی، ان تفکرات نے مدافعت کی قوت اور بھی کمزور کر دی، ذیابیطس کا زور ہوا۔ اور جان کے لئے پڑ گئے۔

جون ۱۹۲۵ء کا پانچواں سفر مرحوم کا سفر صحت تھا۔ نومبر تک یورپ میں قیام رہا۔ سیاسی مصروفیت کوئی تھی نہیں اس لئے یورپ کے شہروں میں خوب گھومتے جاتے ہوئے ایک دن کے لئے قاہرہ گئے۔ چند دن پیرس میں ٹھہرے۔ لندن میں رہے۔ اور پھر ممبئی تشریف لے گئے۔ اور اس سیاحت اور علاج معالجہ سے بیماری کا زور کم تو ہوا لیکن واپس ہندوستان آکر پھر سیاست کے بھنور میں پھنس گئے۔ اب کہ معرکہ بہت سخت تھا۔ اپنے بہت سے ساتھی حریت جماعت میں شامل تھے محمد علی کو شکست دینا تو محال تھا۔ لیکن مخالفوں کا سیلاب ایسا نہ تھا کہ کسی کے تھامے تختہ، صحت پھر گری اور ایسی گری کہ محمد علی چند دن کا مہان سمجھا جانے لگا۔

۱۹۲۵ء میں گول میز کانفرنس کا لندن میں انعقاد ہوا۔ کانگریس بڑی سختی سے اس میں شرکت کے خلاف تھی۔ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت بھی اس امر میں کانگریس سے متفق تھی محمد علی شرکت کے حامی تھے۔ دونوں فرقہ زور آزمائی پر تیار تھے۔ محمد علی نے اپنے ہم خیالوں کو سیٹھا، سنبھالا اور اٹھارا اور مرتے مرتے ہر محاذ پر مخالفوں کا مقابلہ کیا گو صحت جواب دے چکی تھی۔ آنکھوں کی بینائی تقریباً ناپید تھی، خون کا دباؤ ہر دم موت کو دشتک دیتا تھا لیکن اس نازک حالت میں بھی وہ لندن روانہ ہو گئے۔

محمد علی کا یہ چھٹا اور آخری سفر یورپ ہے۔ یہ گول میز کانفرنس میں شرکت کی دعوت تھی موت کی دعوت تھی جو کسی جیلے سے نہ ٹلی۔ دوستوں نے روکا عزیزوں

نے سمجھایا۔ لیکن انہیں نہ ماننا تھا نہ مانے۔ بڑی مشکل سے جہاز پر سوار ہوئے۔ ۱۸۱۳ء میں غنیش آتے گئے۔ پیرس پہنچے تو یکبارگی طبیعت یافوظا ہو گئی، دوا دارو ہوا تو موت کے مریض نے سنبھالا لیا، اور مرحوم پیرس سے لندن چل دئے، گول میز کانفرنس ہوئی وہ اس میں شریک بھی ہوئے، تقریر بھی کی اور حوالت کہنی تھی سب کہی۔ اور جب موت کا فرشتہ آیا تو جان مار محمد علی ہندو مسلم سمجھتے۔ کہ متعلق اپنے خیالات قلمبند کرو رہے تھے۔ ان کے جی کو یہ بات لگی ہوئی تھی کہ کس طرح ہندو مسلمانوں میں سمجھوتہ ہو جائے، اور سب مل جل کر متحدہ طور پر برطانیہ کے سامنے آزادی کا مطالبہ پیش کریں۔ آخر وقت تک وہ اس جدوجہد میں منہمک رہے۔ ان کی ہمت اٹل تھی۔ اور ان کا ایمان لازوال۔ ناممکن تھا کہ یہ شعلہ موت سے بجھ سکتا لیکن بدن پر موت کا درجہ مل گیا۔ محمد علی کے عناصر بدن اس کے ایمان اور اس کی ہمت کا سانچہ نہ دے سکے، گو آخری لمحہ تک ہوش و حواس برقرار رہے لیکن دماغ کی خون کی رگیں بھٹ گئیں اور ۱۹ مئی ۱۹۳۱ء کی رات کو محمد علی نے اپنی جان جان آفرین کو سونپی۔

إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

مرحوم چچ بار یورپ گئے اور جب کبھی بھی گئے، یورپ کو خوب آنکھیں کھول کر دیکھا۔ انہوں نے یورپ کی زندگی کے ہر پہلو کو ٹٹولا، سرور و نقص کی محفلوں میں بھی گئے اور علم و سیاست کی بارگاہوں میں بھی بار پایا۔ انگریزی زبان پر اتنا عبور حاصل کیا کہ ان کے قلم و زبان دونوں کو جاہلوں سے لیکر عالموں، گنواروں سے لیکر شہریوں، فقیروں سے لیکر امیروں اور مزدوروں سے لیکر وزیروں تک کے الفاظ و عبارات، ادا کرنے پر یکساں کامل قدرت و مہارت تھی۔ انہوں نے سرور

انہیں یاد تھے، آٹاؤں کی لوریاں انہیں یاد تھیں۔ لیبرک (LAMERICK) انہیں یاد تھیں۔ لندن کے مشرقی حصہ (EAST END) کے آوارہ گرد چھو کرؤں کی پھتیاں انہیں یاد تھیں۔ بل (BULL) انہیں یاد تھے۔ معے اور چیتاں انہیں یاد تھے۔ اس کے ساتھ انگریزی کے متقدمین، متوسطین اور متاخرین شعرا اور مصنفین کے بہترین علمی ادبی جواہر ایسے اُن کی زبان پر یا اُن کی نظریں تھے۔ انجیل کی کتب عتیق و جدید پر اُن کی نگاہ تھی۔ سینکڑوں علمی لطیفے اُن کے نوک زبان تھے۔ لیکن محمد علی نے یورپ کی یہ گراں باہر متاع اپنا کچھ کھو کر حاصل نہ کی تھی، وہ مشرقی تھے، اور اُن کی مشرقیت محبت، تمکین، ہنسی ہوئی تھی۔ انگریزی ادب پر عبور پانے سے قبل وہ اردو کے شعرا کے شیفہ رہ چکے تھے۔ غالب کا کلام اُن کا صبح و شام کا دلچسپ تھا۔ اور معلوم نہیں سینکڑوں بار ہرزنگ میں اُسکے اشعار سے حظ اٹھایا ہو گا۔ انجیل کی کتب عتیق و جدید پر بالخصوص اُن کی نگاہ تھی لیکن جوانی سے مرض الموت تک اُن کا کوئی دن ایسا نہ گزرا ہو گا کہ انہوں نے آخری صحیفہ الہی کو اُس کی اصلی زبان میں نہ پڑھا ہو۔ مانا کہ وہ انگریزی کے ممتاز صاحبِ علم تھے لیکن اردو کے بھی بلند پایا ایوب اور شاعر تھے۔ ایسی ہمہ گیر شخصیت۔ نے یورپ کو جس نظر سے دیکھا اور جو تاثرات اُس کے دل نے یورپ کی تہذیب کے لئے اُن کا مطالعہ و محسوس سے خالی نہیں۔

مولینے یورپ کو بہت دیکھا تھا اور ظاہر ہے انہوں نے یورپ پر بہت بکھا بھی، اُن کے دل و دماغ پر جو کچھ گزرا تھا وہ اُس کے اظہار کئے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔ یہ محسوسات کبھی تو موزوں الفاظ کی شکل میں یا ردِ حسبِ اکی بے تکلف صحبتوں کو گراتے اور کبھی الفاظ کا لطیف جاسمین کر خطوط اور مضامین کی صورت میں جلوہ گر نظر آتے، کسفورڈ اور لنڈن میں جب محمد علی طالبِ علمی کے دن گزار

رہے تھے تو ”اُن کے بڑے بڑے طویل مراسلے علی گڑھ منتقلی میں (OXFORD IDLING) کے عنوان سے کئی کئی نمبروں میں نکلتے رہے۔ ذکر اُن میں زیادہ تر کالج کے کھیل کود، ہم چوبیسوں کی رنگ رلیوں کا اور سب سے بڑھ کر کشتی رانی یا کشتی بانی کا ہوتا۔ ۱۹۱۳ء میں جب محمد علی تبسری بار یورپ گئے تو اپنا اخبار نکلتا تھا۔ آپ نے انگلستان سے بہت سے خط لکھے جو ”کمریڈ“ میں چھپتے رہے، پوچھی بار وفلاقت کے سلسلہ میں گئے تو فرصت کم ملی اور کچھ زیادہ لکھ نہ سکے۔ پانچویں بار ۱۹۲۸ء میں علاج کے لئے یورپ جانا ہوا تو سیاسی مصروفیتیں بالکل نہ تھیں، علاج کے سلسلہ میں سیاحت کا کافی موقع ملا۔ اور اتنی فرصت بھی تھی کہ اپنے سفر کے حالات قلمبند کرتے جلتے، چنانچہ اس زمانہ میں مرحوم نے اپنے دوستوں اور عزیزوں کو بہت خط لکھے۔ یہ خط ”ہمدرد“ میں شائع ہوتے رہے۔

آخری مرتبہ ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس کی شرکت کے لئے تشریف لے گئے تو ”ہمدرد“ تھا کہ اُس کے لئے کچھ لکھتے۔ بیگم صاحبہ، مولینا شوکت علی اور چھوٹی صاحبزادی سفر میں ساتھ تھے۔ بڑی صاحبزادی ہندوستان میں رہی اُن کو کئی ایک خط لکھتے ہیں۔ آخری خط تو انتقالِ سفر تک ایک ہفتہ پہلے کا ہے۔ اس زمانہ میں مولینا بہتر مرض نہیں بلکہ بہتر مرگ پر تھے۔ ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے کی سخت ممانعت کر دی تھی اور ہر وقت اُن پر نرسوں کا پہرہ رہتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ برابر ہندوستان میں اپنے دوستوں کو گول میز کانفرنس کے حالات لکھتے رہے۔ مولینا کا سارا سرمایہ ادب تو کسی طرح سیٹھے سمٹ نہیں سکتا۔ اگر صرف اُن کے مضامین کا ذخیرہ جمع ہو تو کئی جلدوں میں سمائے تقریروں کا پھیلاؤ تو اتنا ہے کہ کسی طرح احاطہ میں نہیں آ سکتا۔ خطوط کیاب میں لیکن سب دستیاب ہوں تو اُن کی احاطہ بھی مشکل ہو جائے۔ سارپ کے اپنے چھ سفروں پر مرحوم نے ”انگریزی

اور اردو میں بہت کچھ لکھا، انگریزی مضامین کی ترتیب اور اُن کی اشاعت اس وقت مقصود نہیں۔ اردو میں جو کچھ مل سکا۔ وہ ناظرین کرام کی خدمت میں حاضر ہے۔ جامعہ کے کتب خانے میں مولینا مرحوم کے ”بانیات صالحات“ کا جو بھی آئانہ موجود ہے۔ اُسی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

زیر نظر کتاب میں ۱۰۰ صفحات آٹھ پانچویں سفر کے ہیں۔ یہ سفر جیسا کہ معلوم ہے علج کے سلسلہ میں کیا گیا تھا۔ مرحوم ۲ جون ۱۹۲۱ء کو سال بند سے رخصت ہوئے تھے، گو صحت معمولاً خراب رہی اور کبھی کبھی لندن اور فرانکفرٹ (جرمنی) میں صاحب فراش بھی رہے لیکن وہ اس حالت میں کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہے۔

کہیں جہان کے ہر ماں سفر کا تعارف ہے قاہرہ میں مصری احباب سے ملاقات ہوتی ہے۔ تو مصر کی سیاسی تاریخ پر تبصرہ کرتے جاتے ہیں، ساتھیوں کے انہوہ و رانہوہ میں اپنے آپ کو تنہا پاتے ہیں تو اہل وطن کی بے مہربانیاں یاد پڑتی ہے اور مرحوم کے قلم سے خون دل کے قطرے پیکے پڑتے ہیں۔ لندن پہنچتے ہیں تو برطانی پارلیمنٹ کے جلسوں میں جاتے ہیں بعض سیاسی مجالس میں خاموش نماشین کی حیثیت میں شریک ہوتے ہیں تو ہندوستان کی غلامی اور اپنی سبکسی اور بے بسی سناتی ہے اور تحریک ترک موالات کا عہدِ شہ بابا یاد آجاتا ہے۔ اور مرحوم کے دل میں اک، ہوک سی اٹھتی ہے اور وہ اپنا درد سنائے بغیر نہیں رہتے کہیں رنگین مناظر دیکھتے ہیں تو اُن کی بھی تصویر کھینچتے ہیں، اس وقت ان کا قلم وہ وہ گلکاریاں کرتا ہے کہ آنکھوں کے سامنے تمام نقائص پھر جاتا ہے، اس بیان میں شوخی ہے، ظرافت ہے، اور لطیف طنز بھی، ہر بات صاف صاف کہہ جاتے ہیں، دل پر جو کچھ گذرتی ہے اُس کو کہتے ہیں ذرا حجاب نہیں۔ یہ صاف گوئی اُن کی تحریر کا خاص جوہر ہے ذرا بھی خیال نہیں کہ تنگ نظر اور ظاہر فریب اہل وطن کیا کہیں گے

مرحوم کی رائے میں اگر کسی چیز کو دیکھنے میں باک نہیں تو اس کے بیان میں کیوں
 جھجک ہو، بہر حال جو کچھ دیکھا لکھ دیا۔ جو محسوس کیا بیان کر دیا۔ لکھنے کا ڈھنگ
 و لادینہ، الفاظ موزوں، برستہ فقرے، کہیں کہیں، شعار کی چاشنی۔ بہر حال یہ سفر نامہ
 ادب اور دو کا ایک مرتعہ ہے کہ اس میں جو بھی تصویر ہے وہ خوش رنگ اور بین،
 اور مصور محض رنگوں اور خطوط کا بادشاہ نہیں بلکہ صاحب دل ہے، طبیعت میں
 سونہ ہے، گمان ہے، وافرنگی ہے اور اس کے علاوہ طبیعت کو ادب کے خاص لگاؤ
 ہے۔ اور آرٹ اور حسن سے شیفگی

چھٹے سفر کے سلسلہ میں صرف چند خطوط ہیں جو مرحوم نے اپنی صاحبزادی کو لکھے
 ان میں گول میز کانفرنس کے حالات ہیں یا اپنی صحت اور بیماری کا ذکر آخر میں ہم
 نے مولانا شوکت علی مرحوم کا ایک خط نقل کر دیا ہے جس میں مولینا محمد علی کی زندگی
 کی آخری شب کے حالات ہیں۔

پہلے دو سفروں کے متعلق کچھ نہ مل سکا۔ تیسرے سفر کے حالات اس وقت مکرطہ
 اور بھر د میں چھپتے تھے، اس کا محض ایک خاکہ کتاب میں شامل ہے، یہ انگریزی
 میں لکھے ہوئے مضامین ہیں اصل انگریزی میں چھپیں تو بات ہے، ترجمہ میں محوم
 کا انما و بیان کہاں، وفد خلافت کے حالات سفر بھی ان کے قلم کے لکھے ہوئے نہ
 ملے۔

مرحوم نے پانچویں سفر کے حالات میں کہیں کہیں پہلے سفروں کا بھی ذکر فرمایا ہے۔
 مرتب نے اس میں سے بعض جہتہ عبارتیں لے لی ہیں گویہ بیان، اکمل سہی بہر حال
 نہ ہونے سے تو بہتر ہے۔ امید ہے زیر نظر مجموعہ شوق سے پڑھا جائے گا۔

آخر میں اپنے محترم بزرگ اور مرحوم کے ”بارغار“ مولینا عبدالمجید صاحب دہلوی باہی
 قبیلہ کاشمیریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مولینا محمد علی کے مضامین، خطوط اور

اور اس مجموعہ کی ترتیب میں موصوف کے اشارات اور ان کے مضامین سے بہت مدد ملی۔ واقعہ ہے کہ مولانا عبدالمجید صاحب کی سعی شکور کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ خاکسار یہ سب کچھ کر سکا۔

محمد سرور

جامعہ ریلیہ دہلی

پہلا اور دوسرا سفر ۱۸۹۸ء-۱۹۰۲ء زمانہ طالب علمی

(۱)

ڈیڑھ بجے ہم ہندوستان کے ساحل سے رخصت ہوئے (۲۱ جون ۱۹۲۵ء) کیا کہوں کہ کن افکار اور کن خیالات کا اس وقت دل میں اور دماغ میں ہجوم تھا۔ پہلا سفر ۱۸۹۸ء کا کن اینگلو اور کن میسروں کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ ایک غریب بھائی کی بے نظیر اور جبریت انگیز ہمت کی بدولت بیکایک افسور ڈھانے کا انتظام ہوا تھا۔ پیسے کا حکم رکھنا تھا۔ سول سروس میں کامیابی کی آرزو تھی۔

دوسرا سفر ۱۹۰۲ء میں ہوا تھا جب کہ سول سروس میں ناکام رہ چکا تھا۔ شوکت صاحب بھی ناکامی کی خبر "یاونیہ" میں پڑھ کر زرد پڑ گئے تھے مگر ایک بڑھیا نے دیکھتے ہی ناٹ لیا تھا کہ کیا ہوا اور پوچھا تھا کہ کیا محمد علی کی امتحان میں ناکامی ہی پر اس قدر مایوس ہوتے ہو، اگر اُس نے چمدی کی ہوتی، یا مزد ہو گیا ہوتا تب تمہاری کیا حالت ہوتی، محمد علی کو لکھو کہ میرا اُسے دیکھئے کوچی جاتا ہے اور اس کی مکینیز بھی تین ساٹھ تین برس سے بیٹھی ہے۔ اب اُسے بلا لو اور اُس کی شادی کر دو۔ میں بلایا گیا تھا۔ شادی بھی ہوئی تھی، رام پور میں محکمہ تعلیم کا افسر بھی مقرر ہو چکا تھا۔ اور اب صرف افسر ڈھکانی اُسے کا امتحان دینے جا رہا تھا۔ رام پور میں جو واقعات غلڈر چکے تھے وہ بید پریشان کن اور بالآخر میرے استغنے کا پیش خیمہ تھے، نہیں کہہ سکتا تھا کہ کیا حشر ہوگا، جو حشر

ہو، وہ آپ کو معلوم ہے۔

(ایک خط مورخہ ۶ ربیع الثانی ۱۹۲۶ء)

(۲)

علی گڑھ کالج میں شاعری تو کچھ کی مگر وہی فرضی محشوق۔ اگر کچھ اہلیت تھی بھی تو آئنی ہی
جتنی ایران کی شاعری کو اور ”سبزہ خط“ وغیرہ کو ایک حد تک یا معنی کہوتی ہے۔ کالج چھوڑا تو
ولایت جانا ہوا۔ یہاں البتہ شاہد ان مہلی کی کمی نہ تھی۔ مگر فوق نظارہ جمال لاکھ سہی اور گروہ میں
مال بھی بہتی ناہم طبیعت کا میلان خلافت دستور عام زہد و تقویٰ کی طرف تھا۔ دو برس کے قریب
تو ہندوستان کے کچے دھاگے نے باندھے رکھا (انگلستان جانے سے پہلے مولینا کی شادی
کمرہ دی گئی تھی) دو برس کسی اور کے خیال نہیں سگریہ آخری خیال باعصمت تھا اور محض حالات
مگر دو پیش اس کے محرک تھے۔

(مولینا عبدالمجید صاحب کے نام ایک خط)

تیسرا سفر ۱۹۱۳ء

برطانیہ کی مسلم ازار حکمت عملی کی خلاف احتجاج

”تیسرا سفر“ سید وزیر حسن صاحب کی معیت میں ۱۹۱۳ء میں چھپ چھپا کر ہوا تھا کہ ہمیں میرے گرم فامیلسٹن صاحب (گورنر صوبہات متحدہ) جن سے دو ہفتے پیشتر ہم سدا رہے تھے، سنتے ہی میری گرفتاری کا وارنٹ نہ نکال دیں۔ ایم۔ علی“ اور ”ڈبلیو۔ جسن“ کے نام کے دہلی سے ٹکٹ خریدے گئے تھے۔ سورج نکلنے سے پیشتر تنوکت صاحب کے ساتھ دہلی کے اسٹیشن سے عید الفطر کے دوسرے دن اس طرح روانہ ہوا تھا کہ گویا شوکت صاحب کو صرف پہنچانے آیا ہوں، گھر میں نہ بچیوں کو خبر تھی نہ نوکروں کو اور سامان بھی یہ کہہ کر نہ دھویا تھا کہ شعلے جا رہا ہوں۔ وہاں سردی پڑتی ہے۔ گرم کپڑے زیادہ رکھنا۔ کانپور کی مسجد شہید پور چلی تھی۔ سو سے زیادہ مسلمان، جن میں پوڑھے بھی تھے اور بچے بھی، اس وقت قید تھے ایڈیا نوبل کے فاتح ترکوں سے ابیکوٹہ صاحب (برطانی وزیر اعظم) اور سر ایڈورڈ کرے (برطانی وزیر خارجہ) سختی کے ساتھ مطالبہ کر رہے تھے۔ ”کریڈ“ کے ایڈیٹر نے پریس ایکیٹ کے خلاف ایک بے نظیر فیصلہ سر لارنس جینکینس کلکتہ، ہائیکورٹ کے چیف جسٹس اور دوسرے سینئر ججوں کا حاصل کر لیا تھا۔ گو ”مقدمہ ونیہ آؤ اور ہمارے مدد کرو“ والا پمفلٹ، جس میں بلقانی بلیفوں کے مظالم کی داستان غم نصاریٰ ہی کو سنائی گئی تھی، پھر بھی واپس نہ مل سکا تھا۔ انگلستان کی لبرل حکومت کے پاس جا کر منت سماجت کرنا تھی۔ اس کا بھی جو حشر ہوا وہ آپ کو معلوم، (ایک خط مورخہ جون ۱۹۲۵ء)

(۱)

یکایک روانگی

وفد کا بیان

”ایسے اہم اور دور اثر واقعات گزشتہ دو تین سال کے اندر ہندوستان اور بیرونی ہندوستان میں جلد جلد واقع ہوئے رہے ہیں جن کا اثر مسلمانوں پر بہت گہرا ہے۔ ہمارے دوستوں کے اور نیز ہمارے نزدیک یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے نقطہ خیال کو صحت کے ساتھ سمجھنا گورنمنٹ اور خود مسلمانوں کے مفاد کے لحاظ سے نہایت ضروری ہے۔ ہمارے دوستوں نے ہم کو مشورہ دیا ہے۔ اور ہم ان کے ساتھ اس بارے میں متفق ہیں کہ موجودہ نازک موقع پر ہمارا انگلستان جانا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ ہند کے مسلمانوں کے صحیح نقطہ خیال کو اور ہندوستان و نیز دیگر ممالک کے مسلمانوں کے سچی حالات کے اہم پہلوؤں کو اخباروں اور دوسرے مناسب ذرائع سے ملک معظم کے وزراء، پارلیمنٹ کے ممبروں اور دوسرے با اثر لوگوں اور کل انگلینڈی قوم کو بالعموم واقف کریں اور حضور ملک معظم کی ذات و تحت کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری کی اہمیت اور ان کے مطالبات کی حق بجانب ہونے کا یقین دلائیں۔

ہمارے دو ہم مذہب یعنی خواجہ کمال الدین صاحب اور سر محمد علی جناح بالفعل الایت میں موجود ہیں اور ہم کو ان سے سچی امداد کی امید ہے۔ ہر ہائٹس سر آغا خاں بھی یوپی میں ہیں اور ہم کو ان سے ہر قسم کی دلجوئی اور مدد کی توقع ہے۔ لیکن ہماری روانگی کی غرض کسی ایک فرقہ یا قوم ہی سے وابستہ نہیں ہے۔ ہمارا پختہ یقین ہے کہ مسلمانوں کی ترقی اور خوش حالی اس ملک کی خوش حالی اور ترقی کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس میں وہ رہتے ہیں۔ زمانہ موجودہ کے بطن میں ہندوستان کے ہر طبقہ کے لئے امنیت

دونوں پوشیدہ ہیں اور نہ صرف بحیثیت ہندوستانی ہونے کے بلکہ بحیثیت مسلمان ہونے کے بھی ہم اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہیں گے، اگر ہم اپنے زمانہ قیام میں خطرات کو امیدوں سے نہ مبدل کر سکے، اور ان امیدوں کو مستحکم نہ کر سکے جن میں ہم اور ہمارے ہم وطن مشترک ہیں۔

آنریبل مسٹر گوگلے بھی اس وقت ولایت میں ہیں اور ہم کو ان کی ہمدردی اور اعانت بھی حاصل ہونے کی امید ہے۔ یہ ہے ہمارا مقصد جس کے لئے ہم آج اس کی اہمیت، نفع اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ کر روانہ ہو رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی ہم کو اپنے مطالبہ کے حق ہونے پر اور انگریزی قوم کی قابلیت اور انصاف پسندی پر بھروسہ اور امید بھی ہے۔ وقت کا ہم کو بہت خیال تھا اور مجبوراً ہم کو یکا یک روانہ ہونا پڑا۔ درحقیقت ایک ہفتہ سے کم کے اندر ہم کو سامان سفر درست کرنا اور علیٰ پہنچ جانا پڑا۔ اور اپنی قوم کو بھی ہم پہلے سے اپنے ارادہ سے نہ مطلع کر سکے۔ لیکن ہم کو اعتماد کلی ہے کہ ہمارا کام خود ہماری قوم سے سفارش کر لیا۔ اور ہم کو ان کا اعتبار حاصل ہو گا۔ ہم بہ کمال عجز ان سے درخواست کرتے ہیں کہ روزمرہ کی نمازوں اور دعاؤں میں وہ ہم کو یاد کریں گے اور اگر خدا نے چاہا تو جس طرح پُر از امید ہم ان کو چھوڑ کر جاتے ہیں اسی طرح کامیاب ان سے آکر ملینگے انشاء اللہ تعالیٰ

داز ہمدرد و ہمتبر ۱۹۱۳ء ایسوسی ایٹڈ پریس نار

(۲)

عثمانی تارپیڈو کروزر

بندر گاہ سویٹزرلینڈ

ہم ابھی مارسیلہ پہنچے ہیں۔ سویٹزرلینڈ پر اترنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ جہاز حمیدیہ تین ہفتہ ہوئے، وہاں سے چلا گیا ہے۔ ہم نے ایک چھوٹے سے بوسیدہ اطالوی ہوٹل میں کھانا کھایا اور پھر عثمانی تارپیڈو کروزر پیک شوکت کو دیکھنے کے لئے چلے گئے، جو اطالوی حملے سے پیشتر مرمت کے لئے یہاں آیا تھا۔ اور اس وقت سے لے کر اب تک یہیں لنگر انداز تھا۔ غالباً وہ جنگ طرابلس کے وقت ترکی ہمنڈوں سے بہت دور تھا۔ اور اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ اسے ہر قسم کے نقصان سے بچانے کے لئے سویٹزرلینڈ میں رکھنا زیادہ مناسب ہے۔ محمد قنصلی کا انڈر ولیسے ہی بااخلاق اور متواضع نیکلے جیبا کہ ہمارے مشن کے بیانات سے معلوم ہوتا تھا۔ انہوں نے ہماری خاطر بہت تکلیف اٹھائی۔ اور ہم سے بہت اخلاق سے پیش آئے۔ اس لئے میں یہ ضرور کہہ دینا کہ کم سے کم جہاں تک عادات و اخلاق کا تعلق ہے، دنیا کی کوئی قوم ان سے سبقت نہیں لے جاسکتی۔ ہم نے تمام کوزر کی سیر کی۔ توپوں کو دیکھا۔ اور اس امر کا بھی مشاہدہ کیا کہ وہ کس طرح سے چلتی ہیں۔ تارپیڈو کشتیاں بھی دیکھیں اور اس مشین کا بھی مشاہدہ کیا جس کے ذریعہ سے اس میں ہوا اپینچا کہ انہیں کام کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ ہم نے مام افسروں کے جھگڑے بھی دیکھے اور تقریباً دو گھنٹے تک کشتی ہی میں قیام کیا۔

ہم پھر ساحل کی طرف واپس چلے گئے اور بڑی وقت کے بعد ملاحوں نے جو جہاز سے ہم آٹھ اشخاص کو بٹھا کر ساحل تک لائے تھے، نصف اشرفی کی اجرت

پر ہمیں جہاز تک لے جانا منظور کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے رہنما نے اس قسم کو کشتی میں پھینک دیا اس لئے کہ ملاحوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سویڈر عملی طور پر ایک یورپین ڈاک گھر ہے۔ کیونکہ ایک تہائی آبادی جس کا کل اندازہ ۲۰ ہزار ہے) یورپین ہے۔ لیکن یورپ کی برائیاں بھی آبادی کے ساتھ ساتھ وڈاں داخل ہو گئیں اور سب سے زیادہ افسوس اس امر کا ہے کہ مصریوں کے بھی اخلاق بہت بگڑ گئے ہیں۔ اس لئے کہ ہم نے ایک دو خاموش بازاروں میں ایک دو عورتوں کو برقعہ میں دیکھا جو باغیچوں اور انگلیوں میں زیور پہنی ہوئی تھیں۔ ان کے بوٹوں کی ایٹیاں بہت اونچی تھیں۔ اور وہ ایسی شتبہ نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھیں جس طرح سے کہ یورپین بازاروں میں سفید پوش عورتیں جن مردوں کو دیکھتی ہیں ان پر حملہ کر دیتی ہیں۔ تقریباً چھ بجے ہم قاہرہ سے ایک غلام گردش گاڑی میں بیٹھ کر رخصت ہو گئے، مگر ہمارے ساتھ چند مصری مسافر بھی تھے جن سے ہم گفتگو کرتے رہے۔ قدرتی طور پر مشن کے متعلق ہی گفتگو ہوئی اور ہم نے انہیں اپنے الیم میں مشن کی تصویریں دکھائیں لیکن اسمعیلیہ میں وہ ہم سے رخصت ہو گئے کیونکہ انہیں پورٹ سعید جانا تھا، اور قاہرہ جانے کے لئے ہم کو بھی ایک تیز چلنے والی اور آرام دہ ٹرین مل گئی۔ کھانے کی گاڑی اعلیٰ درجے کی تھی اور اگرچہ کھانے کے لئے ہمیں نو روپے بارہ آنے فی کس دینے پڑے، تاہم وہ ہمارے ہندوستانی گاڑیوں کے کھانے سے بدرجہا اچھا تھا۔ رات کے گیارہ بجے ہم قاہرہ پہنچ گئے۔ اس کا حال میں آئندہ جیٹھی میں سناؤں گا کیونکہ کل پرسوں یہاں یا پیرس میں مجھے اس کے لکھنے کے لئے کافی وقت مل جائیگا۔ ہم یہاں کے نظارے دیکھنے کے بعد رات کے آٹھ بج کر دس منٹ پر پیرس روانہ ہو جائیگے اور وڈاں تقریباً تین دن تک قیام کریں گے۔ یہیں وڈاں عابدیہ بے اور عثمانی سفیر سے ملنے کی پوری توقع ہے۔

(ہمدرد ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۱ء)

خواجہ کمال الدین اور مسٹر جناح سے ملاقات

لندن۔

مجھے دوبارہ معافی مانگتے ہوئے شرم آتی ہے کہ اس ہفتہ بھی ایک مختصر سی چٹھی کے علاوہ ”کامریڈ“ کے لئے کوئی مضمون نہ بھیج سکا۔ میں نے جمہرات کے دن خط اور مضمون لکھنے کا بندوبست کر لیا تھا، مگر اس خیال سے کہ ہوٹل میں تخیلیہ کی جگہ ملنی ناممکن ہے اور یہ کہ میں اور مسٹرز جین ایک چھوٹے سے کمرہ میں ۱۵ روپے روزانہ کی کس کے حساب سے رہتے ہیں۔ ہم نے نقل مکان کرنے کا فوراً ارادہ کر لیا چنانچہ پڑھ کی شام کو ہم نے ایک اور ہوٹل میں نیچے کا کمرہ لے لیا۔ جمہرات کا آدھا دن خواجہ کمال الدین اور دیگر مسلمانوں سے ملاقات کرنے میں صرف ہو گیا۔ خواجہ صاحب موصوف نے بے ضرورت ہمارے واسطے لنچ کا بندوبست کیا اور اس طرح سے ہمارے بیش قیمت وقت کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا۔ دوسرے لوگ بھی بہت دیر سے آئے۔ یعنی ٹھیک اس وقت جب کہ ہم نماز پڑھنے کے بعد ایس جلنے کی تیاری کر رہے تھے۔ گیارہ بجے کی بجائے تین بج کر سنیٹا لیس منٹ پر ہم نے مسٹر جناح سے ملاقات کی اور میں ابھی ان سے مل کر واپس آ رہا ہوں۔ مسٹرز جین اب مسٹر امیر علی کے پاس گئے ہوئے ہیں۔ بدستوری سے پارلیمنٹ کا اجلاس فروغی میں ہو گا، اور اس لئے کوئی بھی لندن میں موجود نہیں ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ممبروں میں سے صرف چند ہی انتخابی انگلستان میں ہیں تاہم ہم نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ میں نے مسٹر شاہد سہروردی سے درخواست کی ہے کہ

وہ ”ہیومنٹ“ کی ملاقات کے حال کا فرانسیسی سے ترجمہ کر کے آپ کو
 ”کامریٹ کے لئے بھیج دیں اور اصلی مضمون بھی ساتھ ہی منتقل کر دیں۔ میری ملاقات کا
 حال اس نے ٹھیک طور پر درج نہیں کیا۔ میں نے اس شتم کی کوئی بات نہیں
 کہی تھی جس سے کہ یہ معلوم ہو کہ ہمیں ہندوؤں سے حسد ہے۔ بظاہر روسیرو فوٹو گیٹ
 نے اس ملاقات کا حال بہت جلد لکھ دیا۔ اس وجہ سے اس میں غلط فہمیاں پیدا ہو
 گئیں۔ مسٹر رامزے میکڈونلڈ، تاریخ کو لندن آئیگے۔ اور وہ اور مسٹر جناح یہاں
 ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ سرزہری کاٹن اور ان کے داماد اجڑاے آج ہمارے
 پاس آئے اور ہمارا وقت بہت تفریح میں گذرا۔ مسٹر کلک (سابق ایڈیٹر اسٹیٹمنٹ) نے
 اگلے ہفتہ مانچسٹر کا رڈین کے ایڈیٹر سے ملاقات کرنے کا انتظام کیا ہے۔ لارڈ لیمنگٹن
 ۱۱ ماہ حال کو واپس آئیگے۔ آئندہ ہفتہ میں اخبارات کے لئے مضامین لکھنے میں مشغول
 کروں گا۔

(بھرد ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء)

(۴۱) انگلستان میں وفد کی سرگرمیاں

مسٹر جنرل ہسٹرا میر علی، سی کرشنا گپتا اور مسٹر عباس علی میگ اور دیگر ممبروں اور جلیل القدر انگریزوں سے ملاقات ہوئی سب کا خیال ہے کہ پولیس اس قدر کمزور ہو کر بیداری کے ساتھ ہلاک و مجروح نہ کر سکتی تھی بعض سحر میسٹرن کی نیک نیتی، نشاندہی اور تدبیر پر بہت نازاں ہیں اور افتتاح پارلیمنٹ سے قبل کسی تصفیہ کی تہیہ نہیں رکھتے۔ بعض مسلمانوں کے خیال ہیں چند مہتمم با نشان اخبارات کے متعلقین اور اعلیٰ اہل فہم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسجد کے متعلق غلطی ضرور ہوئی ہے۔ لیکن اس کی اصلاح اس طور پر کرنی چاہیے کہ گورنمنٹ کی آن باقی رہے، مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ علماء کی ایک جماعت سے تحقیقات کرائی جائے، اور جب علماء شہید شدہ حصہ کو مسجد کا اصل جز و قرار دیں تو مسجد کو اصل حالت پر سزا دیا جائے، مگر اس طرح کہ حکام کی بات بھی سنی رہے اور مسلمانوں کی شکایت بھی رفع ہو جائے مسلمان گورنمنٹ اور افسروں پر کوئی مقدمہ دیوانی یا فوجداری نہ کریں۔ اور..... باہمی مصالحت ہو جائے۔ ایسے ذی رتبہ اصحاب جو سحر میسٹرن سے کسی صورت میں کم نہیں ہیں، پولیس کی منتش باری کو نا واجب قرار دیتے ہیں۔

ہندوستان اور عمائدین انگلستان

متعد و کئی سال سے ہندوستانی جذبات و محسوسات کے خلاف اعلیٰ طبقوں میں تحریک پھیلانی جا رہی ہے۔ اس لئے کسی ملے میں یہاں کے مقتدر اصحاب کو

ہم خیال اور دروند بنانا کسی قدر مشکل بن گیا ہے، ممبران پارلیمنٹ جو چھ ماہ کام کرتے اور چھ ماہ تعطیل مناتے ہیں، اور اس خدمت کے عوض میں چھ ہزار روپیہ سالانہ کی اجرت پر اپنے ملک کی نیابت کرتے ہیں ہندوستانی امور سے کم واقفیت رکھتے ہیں ہندوستان کو اپنی حکمران قوم کے دل میں جگہ کرنے کی کوئی صورت نہیں، مگر ایک اور صرف ایک، وہ یہ ہے کہ انٹرنس، ذی مقدرت، قابل اور اہل اثر اسے اصحاب اچھی خاصی تعداد میں اگر ہر سال ۳، ۴ ماہ لندن میں رہا کریں۔ اور عام انگریزی رائے کو اپنے خیالات و محسوسات سے آگاہ کریں، اور اپنا دروند بنائیں۔ ہندو برادران اس ذیل میں کچھ کر رہے ہیں، مگر وہ بھی ناکافی ہے۔ لیکن مسلمان اس سلسلہ میں بالکل غافل ہیں، اور ان کو کوئی امید بہتری کی نہ رکھنی چاہیے۔ جب تک کہ وہ وطن سے باہر قدم رکھ کر ان لوگوں کے دلوں پر ہند کا سکھ نہ بٹھائیں گے، جو اپنے وطن سے باہر چل کر ہم پر حکومت کر رہے ہیں +

پریس ایکٹ یا قانون مطابع

پریس ایکٹ کے متعلق مشہور و مستند قانون دانوں سے گفتگو آئی۔ اکثر اس قانون کو ناپسند کرتے ہیں اور ان کی رائے ہے کہ اس میں ضرور ترمیم ہونی چاہیے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کی منسوخی ہی میں چارہ کار ہے۔ بہر نوع بعض جلیل القدر اصحاب نے جو کلم کھلا اس کام میں حصہ نہیں لے سکتے، وعدہ کیا ہے کہ وہ صاحب وزیر ہند کو بزور لکھیں گے اور اکثر موجودہ ذی اثر ہندوستانی لارڈز کو یو کچرست میں اس کے متعلق ایک ڈیپوشن لے جائیں گے +

مسلم یونیورسٹی۔

مسلم یونیورسٹی کے متعلق سرکاری و غیر سرکاری حلقہ میں گفتگو ہوئی، سرکاری حلقہ مسئلہ الحاق کے مخالف تھا۔ مگر سید وزیر حسین اور مسٹر محمد علی کی تقریروں سے

وہ منتر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو اکثر ایسے نقائص کا پتہ چل گیا ہے جن سے وہ بے خبر تھے، اور جو انکار الحاق میں مضمر ہیں۔
مسلمانان ہند اور مالک اسلام۔

مسلمانوں کے مذہبی محسوسات متعلقہ حالت بنائے اسلام بعض ایسے اصحاب سے گفتگو آئی جو اپنی رائے کو پبلک کی رائے بنا سکتے ہیں، لیکن ابھی کوئی خاص صورت پیدا نہیں ہوئی۔
آئندہ پروگرام۔

اس وقت جملہ معاملات بہت آہستگی کے ساتھ گامزن ہیں اس کی زیادہ توجہ ہے کہ ان آیام میں پارلیمنٹ چٹھیاں مناتی ہے اور اعلیٰ طبقہ کے قریب قریب جملہ راکین لندن میں نہیں ہیں۔ اس لئے جب پارلیمنٹ بیرون فریج سے سیر ہو کر فروری میں کام کرنے لگیگی اس وقت تباہ و برباد ہو سکتا ہے، اور کامیابی کی صورت نظر آئے گی۔ بہر کیف اس وقت ہر دو صاحبان طے جلنے، بات چیت کرنے اور اپنی مجوزہ عمارت کی بنیادیں ڈالنے میں رات دن مصروف رہتے ہیں۔ بہت سے امور ایسے ہیں جن کا اظہار سرورست نامناسب ہے۔ ہم صرف قوم کو اتنا یقین دلا سکتے ہیں کہ قوم کے دوسلہ خدمت گزار اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں +

(۱ ہمدرد ۳۱ اکتوبر ۱۹۱۳ء)

(۵)

برطانی وزیراء کا رملنے سے انکار

لندن ۱۳ نومبر۔

مسٹر محمد علی نے جسٹس لاٹس کو ایک تحریر بھیجی جس میں انہوں نے اس بات کا یقین دلایا کہ اُن کی اور وزیر جن کی آمد صرف مسئلہ کانپور سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ اور بہت سے معاملات سے بھی متعلق ہے، جن میں مسلمانان ہند و بھارت کے حقوق اور جسٹس سے درخواست کی کہ اُن کی طرف سے لاٹو کریو کو ملاقات کا پیغام دیں۔ سر و نیم ہوٹل میں نے مسٹر محمد علی اور مسٹر وزیر جن کو لکھا کہ کافی غور کرنے کے بعد لاٹو کریو اس درخواست کی تعمیل سے معذور ہیں۔ لاٹو کریو کوئی سپلا فائدہ اس ملاقات کا نہیں سمجھتے۔ بلکہ یہ بات یقینی ہے کہ اُن کے اس فعل سے آپ کے ان ہم مذہبوں میں غلط فہمی پیدا ہوگی جن سے آپ متفق نہیں ہیں، اور جو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کی نمائندگی کا اتنا ہی عوامی کر سکتے ہیں۔ جتنا کہ آپ ہندوستان کے مسلمانوں کے جذبات اور خواہشات کو صحیح طریقے کی گورنمنٹ کے خیال اور ہمدردی کے منہ سے سنتے ہیں اور لاٹو کریو ان معاملات پر کافی توجہ رکھتے ہیں اور مستند ذرائع سے واقعات کو معلوم کرتے رہتے ہیں۔

مسٹر محمد علی اور مسٹر وزیر جن نے زیادہ تفصیل کے ساتھ ۱۱ نومبر کو جواب دیا اور اس انکار پر دوبارہ غور کرنے پر زور دیا۔ جس کے متعلق انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں اس انکار سے غلط فہمی ہوگی۔

انہوں نے یہ بھی لکھا کہ اُن کے علم میں اب تک قوم کے کسی طبقہ نے جس میں مسٹر

لہ وزیر ہند۔

امیر علی بھی شامل ہیں، ان کے خلاف رائے نہیں ظاہر کی ہے۔ اور لارڈ کرپو سے درخواست کی کہ وہ اس بات کا اندازہ کریں کہ کس حد تک مسٹر محمد علی اور مسٹر وزیر حسن اپنے ہندوستانی ہم مذہبوں کی نمایندگی کرتے ہیں اور یہ کہ لارڈ کرپو اپنی اطلاع کو صرف سرکاری ذریعہ تک محدود نہ رکھتیں۔

سرولیم نے ۱۳ نومبر کو جواب میں لکھا کہ لارڈ کرپو کو پوسے غور کے بعد اس بات کا افسوس ہے کہ وہ درخواست منظور کرنے سے قاصر ہیں۔ مسٹر وزیر حسن اور مسٹر محمد علی نے ۱۳ نومبر کو مسٹر ایسکوٹھ کو بھی اس مضمون کا خط لکھا۔ جس میں انہوں نے مسٹر ایسکوٹھ اور سر ایڈورڈ ٹرنکے کے حال کے بیانات متعلقہ ترکی پر ہندوستان کے مسلمانوں کے خیالات کو ظاہر کرنا بھی اپنا مقصد بیان کیا۔ مسٹر ایسکوٹھ کے سیکریٹری نے آج ایک مختصر جواب لکھا کہ مسٹر ایسکوٹھ افسوس کرتے ہیں کہ وہ ملاقات نہیں کر سکتے۔

(ہمدرد ۱۸ نومبر ۱۹۱۳ء)

۱۰ برطانیہ کے وزیر اعظم ؎

۱۱ برطانیہ کے وزیر خارجہ ؎

لارڈ مارٹے کے نام خط

اپنے انگلستان پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے یورلارڈ شپ کو ایک نیاز نامہ ارسال کرنے کی عزت حاصل ہوئی تھی۔ جس میں میں نے جناب سے چند معاملات کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے جنہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں اضطراب پیدا کر رکھا ہے شرف ملاقات کی درخواست کی تھی۔ اور اس میں نغارت کا خط بھی ملفوف کیا تھا۔ جواز راہ مہربانی آئرلینڈ میں سٹارٹس جنکس چیف جسٹس آف ہنگال نے یورلارڈ شپ کے نام دیا تھا اس کے جواب میں مطلع کیا گیا کہ جناب بہت مصروف ہیں، اس لئے میری درخواست منظور نہیں کر سکتے۔

کیا میں امید کر سکتا ہوں یورلارڈ شپ مجھے اور میرے دوست سید وزیر حسن سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ کو ایک ملاقات کا شرف بخش سکیں گے؟ مجھے ڈر ہے کہ جناب کے دل میں صرف ہماری طرف سے نہیں بلکہ تمام ہندوستان کی مسلمان قوم کی طرف سے بھی آیا کسی قسم کی بُرائی تو نہیں ڈال دی گئی ہے۔ ہم نے بارہا کوششیں کیں لیکن اس بارے میں ناکامیاب رہے اگر کامیابی ہوئی بھی تو بہت قلیل، کہ اپنے جوابات اخبارات میں چھپوائیں۔ اس لئے اور بھی زیادہ ضروری ہوگا کہ ہم کسی بہت زیادہ ہمدرد اور فراخ حوصلہ وزیر کی باربانی حاصل کر کے ان پر اپنے خیالات جو ہندوستان کے مسلمانوں کے خیالات کا انعکاس ہیں ظاہر کر سکیں جو ہندوستان کے مسلمانوں کی بہبودی اور سلطنت کی بہبودی کے لئے بھی ضروری ہیں۔ اس بات سے ہم ناواقف ملے مشہور آزاد خیال وزیر ہند

نہیں ہیں کہ آپکا تعلق ہندوستان کی خدمت سے براہ راست نہیں ہے۔ اور اگر ہم آپ کو بلا ضرورت اس زمرے میں بکلیف دیں تو اس کے معنی ہونگے کہ ہم کو کافی سمجھ نہیں اگر ہم اس کو مفتوی کر سکتے اور کسی دوسرے وزیر سے مل سکتے تو ہم ضرور ایسا کرتے۔ ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ایسی روشنی خیال وزارت کے زمرے میں بھی ہندوستان کے متعلق اتنی کم معلومات رکھی جاتی ہے اور کل انگلستان میں ایک درجن اشخاص بھی ایسے نہیں ہیں۔ جن کی ہندوستان کی بابت معلومات کسی طرح بھی قابل اطمینان تصور کی جاسکیں اور اگر ان سب کی معلومات کو جمع بھی کر دیا جائے۔ تو وہ مجموعہ جناب کی معلومات کے برابر نہیں ہوتا۔ ہم کسی خوشامد کی غرض نہیں کہتے بلکہ دراصل یہی ایک ایسی بات ہے جو ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم آپ سے کسی قویہ تاریخ میں شرف باریابی حاصل کرنے کی مؤثر و بانہ درخواست کریں۔

ہم اپنے خیالات کا اظہار کم از کم ایک گروہ کے سامنے آزاد اخبارات کے ذریعہ سے کر سکتے ہیں جنہوں نے اس کی ہم کو اجازت دیدی ہے۔ مگر چند ایسے معاملات ہیں ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ ان کو بجائے اخبارات یا عوام کے سامنے پیش کرنے کے ان کے متعلق براہ راست اراکین سے گفتگو کرنی چاہیے کیا آپ برائے مہربانی خوشی سے ہم کو شرف باریابی بخشیں گے۔ اور نہ صرف ہم کو ہی بلکہ ہمارے ہندوستانی بھائیوں اور ہم مذہبوں کو بھی شکوریت کا موقعہ دیجئے۔ امید ہے کہ آپ جواب سے جلد شرف فرمائیں گے

ہیں ہوں آپ کا نیا نمند اور تالبعدار

محمد علی ایڈیٹر ہمدرد کامرید

۱۹۱۳ء
۱۶ دسمبر

لارڈ کرپو کے نام خط

یور لارڈ شپ،

اگرچہ میں بہت کچھ افسوس ہے کہ لارڈ لارڈ شپ نے ہمارے التماس کے مطابق شرف ملاقات نہ بخشنے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے۔ تاہم میں اعتماد ہے کہ یور لارڈ شپ ہر مائینس آغا خاں کی اس جھٹی کی نقل پر مناسب توجہ فرمائیں گے جو میں موصول ہوئی ہے ہم یہ تو ظاہر کر چکے ہیں کہ ٹائمز اور دیگر یورپین اخبارات کس طرح سے ہمیں بڑا بھلا کہہ رہے ہیں اور یہ کہ جب ہم نے اپنی صفائی کے لئے خط بھیجے تو انہوں نے یا تو ان کو شائع ہی نہیں کیا یا بہت بڑی طرح کانٹ چھانٹ کر دی یا تنہیص کر دی اور ہم کو سلب و تردید کے متعلق ہر مائینس آغا کی تجویز کی مابین اور عرض کے متعلق غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے جس سے عرفاً ہمارے ساتھ نا انصافی کی گئی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ قابل انتفاع وہ جھلک ہے جو یہ تحریریں نہ صرف ہمارے بلکہ ”بڑھتی ہوئی جماعت“ (جیسا کہ ہر مائینس کہتے ہیں اور مسلمانان ہند جن کے ہم نمائندے ہیں) کے سیاسی رخ اور مزاج پر ڈالتی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہر مائینس آغا خاں کی مراسلت نہ صرف سوسائٹی میں بلکہ سیاسی حلقہ میں بھی ہماری برتیت کرنی ہے۔ اور یہ کہ اخبارات کی غلط انداز تحریر کسی نہج ہمارے خلاف جن کے ہم نمائندے ہیں حضور ملک معظم کی گورنٹ کے دل میں وہ بڑا خیال نہ بھلا دیجئے جس کو آغا خاں لایعنی اور سراسر شرارت آمیز قیاس کرتے ہیں یعنی یہ کہ ہم اور وہ لوگ جن کے ہم نمائندے ہیں۔ مذہب ملک یا سیاسی یا

لے وزیر ہند۔ لے لوکمانیتھ لک ناگرس کے انتہا پسند دھننا۔

اسلامی دیوانوں کے ساتھ کسی نوع ہمنیال یا ہمدرد ہیں۔“ گورنمنٹ سے ہماری عقیدت مندی جیسا کہ اسکا خاں فرماتے ہیں ”بلاشبک و شبہ ہے“ اور جو انتہام ہماری قوم پر رکھتے گئے ہیں۔ وہ عموماً بے بنیاد ہیں یہ ہے وہ نفس الامر جسے ہنر ہائینس صدیق دل سے تسلیم کرتے ہیں اور اپنے مراسلت میں اس امر کو بھی بالکل صاف کرتے ہیں کہ اُن کو ان تباہ کن پیچیدگیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے جو ہنر ہائینس کی روانگی کے بعد پیدا ہو گئی تھیں اور نہ اس اکتوبر کی ٹائمز کی شاعت سے انکا کوئی تعلق ہے ہم اس نامہ و پیام کی پوری نقل ارسال بخیریت کر رہے ہیں جو رائٹ آئر ویل مسٹر امیر علی ہم سے ایک کے ماہین ہوتی ہے۔ تاکہ انڈیا آفس میں ان تباہ کن پیچیدگیوں کا کوئی سرکاری انکار کر دیا جائے۔ ہم یورلار ڈشپ کی اس قدر تصنیع اوقات پر معذرت چاہتے ہیں ۛ

ہم ہیں
یورلار ڈشپ کے کمترین اور نابعدار خادم
محمد علی اور سید وزیر حسن

(ہمدرد ۲۳ ستمبر ۱۹۱۳ء)

ۛ سید امیر علی انگریزی زبان کے مشہور مصنف، اس زمانے میں انگلستان میں پریوی کونسل کے رکن تھے اور مسلم لیگ کی لندن بلوچ کے صدر ۛ

ایک الوداعی لنچ

”۲۷ نومبر (۱۹۱۳ء) کو ہم لوگ خود ایک الوداعی لنچ اپنے دوستوں اور ہمدردوں کو دے رہے ہیں اس لنچ کی حیثیت سیاسی اور نرزامی نہ ہوگی۔ بلکہ اُس کا مقصد یہ ہوگا کہ ہم ہندوستان اور انگلستان اور اسلام اور مسیحیت کے درمیان سفار کا کام دے سکیں اور تاکہ ہم اپنے مخاطب انگریزوں اور انگریزوں دونوں کو بتا دیں کہ وہ ہمارے ملک اور ہمارے مذہب سے ایسے بے تعلق تو نہ رہیں جیسے کہ اب تک رہ چکے ہیں بلکہ ہمارے عزم اور ہمارے مقصد اور ہمارے گلے شکوے خود ہماری زبان سے سنیں میں مشہور افسانہ نگار ایچ جی ویلز سے ملاقات ہو چکی ہے بلکہ اب کی جمعہ کو قرآن میاں بیجوی نے اپنے ہاں رات کے کھانے پر مدعو کر دیا ہے اور وقت بھی میری خاطر سا آٹھ کار کھا ہے۔ کہ میں اس وقت تک ہندوستان کی ڈاک لکھنے سے فاسخ ہو چکا ہوں“ ”ہندوستان اور اسلام کے معاملہ میں ان لوگوں کی بے خبری اور محروم دور کرنے اور انہیں بار بار چونکاتے رہنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے ہنجیال لوگ ہندوستان سے بار بار آتے، اور یہاں کی رائے عامہ کو برابر تیار کرتے رہیں۔ حیثیت مجموعی ہم مایوس نہیں ہیں۔“

کرٹیدہ ۱۶ دسمبر ۱۹۱۳ء، مولینا عبد الماجد کے ایک

(مضمون سے)

چوتھا سفر ۱۹۲۰ء

وفدِ خلافت

دریوزہ خلافت

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو حکامِ حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے اگلی کیسا
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی !
ضررِ دینی نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلمان کو ہے ننگ وہ بادشاہی
”مرا از شکستین چہاں عار ناید“

کہانہ دیگرانِ خواستن مومیائی

اقبال

”خلافت کے لئے مسلمانانِ ہندوستان نے یورپ کو ایک دفعہ بھیجی جس کا سرکردہ
میں تھا۔ تو ڈاکٹر صاحب (علامہ اقبال مرحوم) کو اس قسم کی غیرت آئی۔ اور میں اس غیرت کو بجا
سمجھتا تھا کہ انہوں نے ”دریوزہ خلافت“ نام کا قطعہ لکھا جو اوپر درج ہے !
لیکن جب دریوزہ گزراں خلافت“ خالی کا سہ گدائی لے کر یورپ سے لوٹے مگر اس
کا تہیہ کر کے کویہ انعام جیت تھا۔ اس کے بعد یورپ کے سامنے ہرگز ہاتھ نہ پھیلائیں گے
اگر قوت نہ ہوگی تو ہاتھ پر ہاتھ دھریں بیٹھنا تک پسند کرینگے مگر یورپ کے آگے ہاتھ

جوڑنا پسند نہ کریجئے اور اگر قوت ہوگی کھلا ہفتہ بڑھایا جائے گا۔
 کیا جائے گا۔

(ایک مضمون مؤرخہ ۱۲ اگست ۱۹۲۲ء)
 چوتھا سفر ۱۹۲۲ء میں کیا گیا اور ایک آخری کوشش اس امر کی کی تھی
 کہ خلافتِ عظمیٰ کو برقرار رکھا جائے۔ ترکی سلطنت کی قوت اور اس کے اقتدار کی
 حفاظت کی بجائے اور ترکوں کو اس غلامی سے محفوظ و مصئون رکھا جائے جس میں ہم
 خود ڈیڑھ سو پونے دو سو برس سے گرفتار تھے اور اس قبضہ کو قسطنطنیہ پر سے اڑا
 دیا جائے۔ جو تقریباً چالیس برس سے مصر پر چلا آ رہا تھا۔ گذشتہ تجربوں کی بنا پر جانتے
 تھے کہ کیا حشر ہوگا۔ مگر صراحتاً

رہے نہ دل میں ہو بس آؤ یہ بھی کرو بھیس !

پانچواں سفر ۱۹۲۸ء

سفرِ صحت

”آج حوام کو ”ہمدرد“ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی اس لئے میں اسے بند کرتا ہوں اور ایک بار پھر غالب کے اس شعر کو دہراتا ہوں کہ

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں

روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

..... ”قلعے“ اور ”قدے“ البتہ میں نے جھٹولوں کی طرح ان کی امداد کی اور

فرض میں بُری طرح گرفتار ہو گیا اور صحت کو بھی زبردِ یاد کر چکا۔ ذیابیطس کے مرض کے باعث

پہلے شکریہ آگیا کرتی تھی مگر سالِ چربی (ALLUMINE) بھی آ رہی ہے اور ایسی ٹن

(AGETONE) زہری آ رہا ہے اور اعصابی سوزش (NEVRITIS)

نے رات کی نیند اودھن کا آسمانِ حرام کر دیا۔ اب ”ہمدرد“ کو بند کرتا ہوں اور باہر کی طلب پر کہیں بھی نہ جاسکوں گا۔

مجھے اس کا کبھی گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک ہندو فرمانروا جس سے ماہِ اپریل

سے پشیتہ میں صرف دو ایک بار ہی ملا تھا اور وہ بھی گھنٹے دو گھنٹے سے زیادہ نہیں ان

پر میری خرابی صحت کا یہ اثر پڑ گیا کہ پہلے وہ خود میرا چند ماہ کے لئے فاقوں پر علاج کرنے

پر اصرار کر رہے تھے اور بالآخر خود ہی بلا طلب بلکہ خود بھی کسی چیز سے بیکار بننا شروع ہو کر مجھے آمادہ

فرمائیں گے کہ میں یورپ چلا جاؤں۔“

محمد علی

عزم سفر

”مجھے افسوس ہے کہ مجھے ”ہمدرد“ کے بند کرنے کے سوا چارہ کار نظر نہیں آتا، بہر حال میں توجہ چار ماہ کے لئے تمام کام بند کر کے اپنا علاج کرانے انگلستان جاؤنگا عجیب سے مدد مل گئی اور مشورہ کرنے کے بعد امداد قبول کر لی گئی ہے، سوئے علاج کے کوئی اور غرض اس سفر کی نہیں ہے اور فاقہ کر کے علاج کیا جائے گا۔ کوئی اور کام کروں گا بھی نہیں۔“

۲۹ اپریل ۱۹۲۸ء

(۱)

دہلی سے اجمیر ساہرنی اشہرم - مہدی

۶ جون ۱۸۵۸ء
 پیارے مامد میاں و ظفر الملک صاحب - اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
 ۲۵ کو آپ لوگوں سے خصصت ہو کر ۲۶ مئی کی صبح کو اجمیر شریف پہنچا تاکہ جہانی علاج
 سے پیشتر کچھ روحانی علاج بھی کر سکوں۔ یہ معلوم ظفر الملک صاحب کی ”وہابیت“
 زیارت قبور کو کہاں تک روحانی علاج سمجھے اور کہاں تک خود اسے مرض تصور کرے حقیقتاً
 جو کچھ ان مزارات کے گرد پیش دیکھنے میں آتا ہے وہ مجھے جیسے یدِ عتیقہ کو اس قسم
 صدمہ پہنچاتا ہے کہ عرض نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم ان تمام بدعات میں جو دواں کی جاتی ہیں۔
 احضارِ ہایت بدقیزی سے کی جاتی ہیں۔ میں جب کبھی اجمیر شریف آتا ہوں اور میری نظر
 اس مزار شریف پر پڑتی ہے تو میرا خیال اس زمانے کی طرف جاتا ہے جب سارے
 ہندوستان میں مشکل ہی سے کوئی مسلمان نظر آتا ہوگا، مشکل ہی سے کسی جگہ کوئی
 شخص ایک آن دیکھے خدا کو سجدہ کرتا ہو اور کھائی دیتا ہوگا، اور اذان کی آواز نہ
 یقیناً کہیں بھی نہ آتی ہوگی، اور پھر میں خیال کرتا ہوں کہ ایک ایسے زمانے میں ایک
 سحر کا ہنسنے والا سرکار مدینہ کے حکم سے غریب نوازی کو اپنا شعار بنا کر سلطان الہند
 بننے کے لئے ایک ایسے ملک میں آتا ہے اور کسی گوشہ گوشہ کو اپنے لئے تلاش نہیں کرتا
 بلکہ راجپوتانے کے وسط میں ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ کی مامدہانی میں داخل
 ہوتا ہے اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر اپنی پاک و صاف زندگی کے ذریعے سے اسلام

کا اعلان کرتا ہے۔ مودت جس وقت ساری جنگی اور مادی قوتیں اسلام کے خلاف ہوتی ہیں، اعلائے کلمۃ الحق کرتا ہے۔ مودت ہزاروں لاکھوں کو مشرف بہ اسلام کرتا ہے۔ آج کل جبکہ ہزاروں لاکھوں نام کے مسلمان ہر وقت غیر مسلم اکثریت ہی کا رونا رویا کرتے ہیں، اس مزار پر جا کر اگر ہم اسی سبق کا آموختہ پھیریں کہ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذَا هُم بِتَكْمُكٍ كَثْرَتَكُمْ وَلَمْ تَغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَصَافَتْ عَلَيْكُمْ الْاَرْضُ بِمَا دَحَجَتْ ثُمَّ وَلِيَتْكُمْ مَدْيَنَ۔ تو مجھے یقین ہے کہ ہم پر بھی آج سکینہ نازل ہونے لگے۔ اور ہماری مدد کے لئے جنودِ اہلِ توحہ اتر آئیں۔ جاتے ہی درگاہ شریف پر حاضر ہوا۔ پھر مولانا معین الدین صاحب کے بھائی حکیم نظام الدین صاحب کے ہاں جا کر فروکش ہوا، اپنے آکسفرڈ کے رفیق صاحبزادہ عبدالواحد خاں سے جا کر ملا اور شب کو پھر درگاہ شریف جانے کے بعد رخصت ہوا۔

میرے جن نئے کرم فرمانے مجھے علاج کے لئے اس بار ولایت بھیجا ہے۔ اُن سے دوسرے دن آجوا کر ملا۔ ۸-۲ کو اُن سے بھی رخصت ہوا اور اس بار بھی انہوں نے شکریہ کے الفاظ کو زبان پر آنے سے روک دیا۔ اس لئے اس صحبت کو دعا پر ختم کیا اور بابتہ تروانہ ہوا۔ ۲۸ کی شب کو احمد آباد پہنچا۔ انسوٹیا بہن اپنے بھائی انبالال سارا بھائی اور اُن کے بال بچوں کے ہمراہ ولایت گئی ہوئی ہیں۔ اور شنکر لال بینکر علیل تھے۔ لیکن انہوں نے انسوٹیا بہن کی موٹر روانہ کر دی تھی۔ اور آشرم سے ایک مدراسی نوجوان مجھے لینے آ گئے تھے۔ اسی وقت

ﷲ نے تمہیں بہت سی جنگوں میں کامیابی دی اور خاص طور پر جنگِ حنین میں فتح دی جب کہ تم اپنی کثرت کے گھمنڈ میں آ گئے تھے اور وقت پر وہ کثرت کسی کام نہ آئی اور باوجود کثرت کے تم شکست کھا گئے اور تم پر عرصہ حیات میں ہونے کے باوجود ننگ ہو گیا اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلتے۔

سایر مئی گیا اور غسل کر کے سونے لیٹا۔ مگر نگوں قل بھائی کی جوان موت اور اُن کی پیاری بچی رادھا کے رنج و غم نے نیند کو بھگا دیا۔ تاہم صبح کو خاصی نیند آ گئی۔ نماز فجر کے بعد پہلے رادھا اور اس کی والدہ کے پاس گیا۔ بھر... اور مہنا جی سے ملا اپنے ولایت جانے کا سارا قصہ سنایا اور اُن کو اپنا ہم خیال پایا جو وہ پہر کو جہنلال جی بنار کی فرود گاہ پر آگیا اور شام کو کھانا کھا کر شکر لال بنیکر کے ساتھ اُن کے دران سوئیا بہن کی قیام گاہ پر آگیا۔ نماز مغرب پڑھ کر اسٹیشن کو روانہ ہوا تاکہ گجرات میل ہی میں اُن ہو جاؤں اور نماز عید الضعی سے پہلے ہی بمبئی پہنچ جاؤں۔ بمبئی میں عیدین کی نمازیں سو سچ نکلتے ہی ہو جایا کرتی ہیں، اس لئے ریل ہی میں غسل کر کے اور کپڑے بدل کر اور سامان اسٹیشن ہی پر چھوڑ کر، شوکت صاحب اور مولانا عرفان وغیرہ کے ساتھ ہی دفتر خلافت کے پاس والی چھوٹی مسجد کا رخ کیا۔ جہاں نماز اچھی طرح مل گئی مگر اس قدر مختصر سی جماعت میں یقیناً وہ غرض پوری نہیں ہوئی۔ جو صاحب جامع میں بھی مشکل پوری ہوتی ہے اور جس کے پورا کرنے کے لئے شہر کے باہر عید گاہ بنائی جاتی ہے اور اس عید کی نماز میں اصغہانی صاحب نے آکر بکیر الصوت لگانے سے احتراز کیا اور میرے نزدیک سخت غلطی کی اور کٹ ملاؤں سے ڈر گئے میں اُن کا استفسار ہی پڑھ کر بھانپ گیا تھا کہ ان بزرگ پر ملاؤں کا خوف غالب ہے جو جماعت گریو فون کو باجا کہتی ہے اور اس میں متران کریم کی قرأت سننے کو لہو و لب سمجھتی ہے۔ اس سے "لاؤڈ اسپیکر" کیلئے فتورے طلب کرنا ہی حماقت ہے۔ عید کا دن اور دوسرا دن حاجی اسماعیل صاحب۔ خلافت کے سچے اور بچکے دوست کے ہاں دعوتوں میں گزرا یا مسزنا ٹیڈو کے ہاں کی دعوت میں۔ یکم جون کو کچھ کھدرا اور اُن کی جرابیں کڑاک صاحب کے کارخانے میں جا کر بنوائیں۔ ٹکٹ ۱۳ مئی ہی کو لے لیا تھا۔ ۲ کو سب سامان بٹورا اور باندھا اور کمپنی کے سپرد کیا۔

اور پھر کچھ آم لے کر ادھر کھڑا پھول بٹور کر بند گاہ پر گیا۔ کمپنی کی نوازش سے ہر ملکٹ جہاز پر جا کر رخصت کرنے کے لئے دوستوں کے واسطے مفت مل گئے تھے، حالانکہ فی ملکٹ ستر روپیہ قیمت دینا پڑتی ہے۔ بندر پر ڈاکٹر کو نبض دکھائی۔ انہوں نے پوچھا کہ لپچھے ہو، میں نے کہا کہ اچھا ہوتا تو دلایت ہی کیوں جاتا، بارہ ولی نہ گیا ہوتا مگر ان کا اطمینان کہ دیا کہ میرا مرض متعدی نہیں ہے (ادرا ب تو میری سیاست بھی متعدی نہیں ہے نہ بظاہر میرا مذہب بھی متعدی ہے) ایک پولیس کے انگریز افسر صاحب نے طارق تک سے ملکٹ مانگا، اور شوکت صاحب غصہ کے مارے اُسی وقت اپنے ملکٹ کو پھینک کر واپس جا رہے تھے، مگر ڈاکٹر نے طارق صاحب کو بھی اسی ملکٹ میں شامل ہونے اور جہاز پر جانے کی اجازت دیدی۔ سرد انگلی کا وقت سُنا ہے کہ ایک بچہ ہوتا ہے اس سے پہلے سب رخصت کرنے والے رخصت کر دیئے گئے۔ مگر ڈاکٹر ڈیڑھ بجے تک بار کی جاتی رہی اور ڈیڑھ بجے ہم ہندوستان کے ساحل سے رخصت ہوئے۔

کیا کہوں کہ کن افکار اور کن خیالات کا اس وقت دل میں اور دماغ میں مجھ میں تھا۔ پہلا سفر ۱۹۱۹ء کا کن انگلوں اور کن امیروں کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ ایک غریب بھائی کی بے نظیر اور حیرت انگیز زہمت کی بدولت یکا یک اکسفرڈ جانے کا انتظام ہوا تھا، پیسہ عناق کا حکم رکھتا تھا۔ سول سروس میں کامیابی کی آرزو تھی۔ دوسرا سفر ۱۹۱۹ء میں ہوا تھا جب کہ سول سروس میں ناکام رہ چکا تھا۔ شوکت صاحب بھی ناکامی کی خبر پابینہ میں پڑھ کر زرد پڑ گئے تھے، مگر ایک بڑھیلے دیکھتے ہی تار لیا تھا کہ کیا ہوا اور پوچھا تھا کہ کیا محمد علی کی امتحان میں ناکامی ہی پیاس فدر مایوس ہوتے ہو۔ اگر اس نے چوری کی ہوتی، یا مرند ہو گیا ہوتا تب تہا ہی کیا حالت ہوتی۔ محمد علی کو لکھو کہ میرا اسے دیکھنے کو جی چاہتا ہے اور اس کی منگیت بھی تین ساڑھے

برس سے بیٹھی ہے، اب اُسے بلالو، اور اس کی شادی کر دو میں بلایا گیا تھا، شادی بھی ہوئی تھی، رام پور میں محکمہ تعلیم کا انسپری مقرر ہو چکا تھا۔ اور اب صرف آکسفورڈ کا بی۔ اے کا امتحان دینے جا رہا تھا۔ رام پور میں جو واقعات گذر چکے تھے وہ مجھ پریشان کن اور بالآخر میرے استعفیہ کا پیش خیمہ بنے۔ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کیا حشر مڑا جو حشر مڑا وہ آپ کو معلوم ہے۔ تیسرا سفر سید وزیر حسن صاحب کی معیت میں ۱۹۱۷ء میں چھپ چھپا کر ہوا تھا کہ کہیں میرے کرم فرما میٹن صاحب جن سے دو ہفتے پیشتر ہم سدھار رہے تھے۔ سنتے ہی میری گرفتاری کا وارنٹ نہ نکال دیں، ایم، علی اور ڈبلیو، جن کے نام کے دہلی سے ٹکٹ خریدے گئے تھے۔ سورج نکلنے سے پیشتر شوکت صاحب کے ساتھ دہلی کے اسٹیشن سے عید الفطر کے دوسرے ہی دن اس طرح روانہ ہوا تھا۔ کہ گویا شوکت صاحب کو صرف پہنچانے آیا ہوں۔ مگر میں نہ بچوں کو خبر تھی، نہ نوکر وں کو اور سامان بھی یہ کہہ کر بندھوایا تھا کہ شے جا رہا ہوں وہاں سردی پڑتی ہے، گرم کپڑے زیادہ رکھنا، کانپور کی مسجد شہید ہو چکی تھی، سو سے زیادہ مسلمان جن میں بوڑھے بھی تھے اور بچے بھی، اس وقت قید تھے۔ ایڈریانوئل کے فاتح ترکوں سے ایسکویئر صاحب اور سر ایڈورڈ کرے سختی کے ساتھ مطالبہ فرما رہے تھے، ہڈکریڈ کے ایڈیٹر نے پریس ایکٹ کے خلاف ایک بے نظیر فیصلہ سر لارنس جینکینس کلکتہ ہائیکورٹ کے چیف جسٹس اور دو سب سینیئر ججوں کا حل کر لیا تھا۔ گو ”مقدونیہ آؤ اور ہماری مدد کرو“ والا پیفلٹ، جس میں بلقانی حلیفوں کے مظالم کی داستان غم نصارے ہی کو سنائی گئی تھی، پھر بھی واپس نہ مل سکا تھا۔ انگلستان کی لبرل حکومت کے پاس جا کر منت سماجت کرنا تھی۔ اس کا بھی جو حشر مڑا وہ آپ کو معلوم ہے۔

چوتھا سفر ۱۹۱۷ء میں کیا گیا اور ایک آخری کوشش اس امر کی گئی تھی

کہ خلافت غلطی کو جبراً رد رکھا جائے ترکی سلطنت کی قوت اور اس کے اقتدار کی حفاظت کی جائے اور ترکوں کو اس غلامی سے محفوظ و مصئون رکھا جائے مجسمیں ہم خود ڈیڑھ سو پونے دو سو برس سے گرفتار تھے، اور اس قبضہ کو قسطنطنیہ پر سے اٹھوایا جائے جو تقریباً چالیس برس سے مصر پر چلا آ رہا تھا۔ گزشتہ تجربوں کی بنا پر جانتے تھے کہ کیا حشر ہو گا مگر ص

رہے نہ دل میں ہوس آؤ یہ بھی کر دیکھیں
اس خیال سے احرام سفر باندھا گیا تھا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا بھی کیا ختم ہوا۔
اس سفر کے بعد توبہ کر لی تھی کہ اب آستان بوسی نہ کریں گے، اگر پھر جائیں گے تو اسی لئے کہ انگلستان اور ہندوستان کے درمیان معاہدہ پر دستخط کریں۔ افسوس وہ معاہدہ آج بھی دور نظر آتا ہے مگر الحمد للہ کہ توبہ آج بھی نہیں ٹوٹی۔ برطانیس سے فارن سکریٹری صاحب کو پاسپورٹ کے لئے شملڈیلیفون کیا تو ان کے سوال کے جواب میں صاف کہہ دیا کہ اب نہ مجھے برطانیہ کی کسی سیاسی جماعت پر اعتماد ہے نہ یورپ کی کسی حکومت پر کہ کسی سیاسی کام کی غرض سے یورپ کو جاؤں، اور آج مسٹر واٹسن پولیٹیکل سکریٹری صاحب سے جہاز پر ملاقات ہوئی۔ توان کی غلط فہمی کو بھی دُور کر دیا کہ میں ٹبلر کمیٹی کے سلسلہ میں انگلستان جا رہا ہوں مجھ اپنی صحت کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں، اور اس پر بھی ہنسی آتی ہے کہ ایک فاقہ کش ملک سے ایک متمول ملک کی طرف ایک فاقہ مست بہ صرف کثیر اس لئے سفر کر رہا ہے کہ وہاں جا کر فاقہ کر کے اپنا علاج کر لے۔

ہندوستانی عورتیں اس جہاز پر بھی ہندوستانی لباس میں سفر کر رہی ہیں مگر سوائے سنر مینیٹ کے اخبار نیوانڈیا کے ایڈیٹر ایلٹاٹ کے ایک رکن تھے جو اچکن اور اٹاٹا پا جام پہنے ہوئے ہیں، مردوں میں صرف میں ہی ایشیائی لباس

میں طبوس ہوں۔ ۲۔ جون کا دن اچھا گزرا مگر ۳۔ م اور ۴ کو ہوا تیز رہی اور تیز تر
 ہی ہوتی گئی۔ یہ وہ موسمی ہوا ہے جس کا نام بگاڑ کر وہ مانسون کر لیا گیا ہے، اور
 جو ہندوستان کے لئے بارش لارہی ہے۔ دہلی کی گرمی کا خیال کر کے دماغ کھلتی
 ہے کہ یہ جلد بیٹی پہنچے اور سب طرف جل تھل کر رہے، لیکن جہاز والوں کا خیال
 کہتا ہوں اور بالخصوص عورتوں کا توجہی چاہتا ہے کہ دعا کروں کہ ہوا بند ہو
 جائے اور سمندر کی یہ طغیانی باقی نہ رہے۔ تاہم خلافت توقع میں بالکل اچھا رہا۔
 اور ایک وقت کا کھانا بھی نہ چھوڑنا پڑا، حالانکہ آمد سے زیادہ مسافر اور
 تین چوتھائی سے زیادہ مسافر عورتیں کھانے کے کمرے سے غیر حاضر رہنے لگی
 تھیں۔ البتہ آج صبح کے بعد سے توجہ میں بہت کمی ہو گئی، اور آج شب کے
 ساڑھے آٹھ بجے سے، جب سے یہ خط شروع کیا گیا ہے، جہاز پر مردوں اور
 عورتوں کا دلچ ہو رہا ہے، حالانکہ کل شب کو ان میں سے اکثر خاموش پڑے
 تھے۔ اور ناچ ہو رہا تھا تو سمندر کی موجوں کا ہو رہا تھا۔

علاوہ ہمارا جہاز صاحب الود کے وزیراعظم کے جوہرے ہم سفر ہیں، اور چند
 ہندوستانیوں کے میری کسی سے گفتگو نہیں ہوئی، اب اس فرصت کو غنیمت
 جان کر میں نے یا تو اپنی نیند کا قرضہ جو مدتوں سے چڑھا ہوا تھا وصول کیا، یا کچھ
 فرانسیسی زبان سیکھنے کی کوشش کی۔ مرحوم علی گڑھ کالج کے مرحوم طالب علم سابق
 محمد داؤد صاحب کی نظموں کو ان کے چھوٹے بھائی محمود احمد عباسی پھر شائع
 کر رہے ہیں، اور مجھ سے تقریظ لکھنے کا وعدہ لے چکے ہیں۔ ان کا خط جہاز
 پر بھی ملا، اس لئے مخطوطوں سے بھی پہلے آپ کے نام کا یہ خط شروع کیا اور اب اگر آپ
 اجازت دیں تو اسے ختم کروں۔

ڈبیک پر میرے نزدیک ہی تین انگڑیوں کے بچے، دولہا کیوں اور ایک

درا کا کھلا کرتے ہیں ان سے یا ان کے والدین سے ہی کبھی کبھی دو چار باتیں ہو جایا کرتی تھیں۔ یاد وہاں کے انگریز زمینداروں سے جو نیل تیار کرایا کرتے ہیں۔ لیکن میرے قریب ہی ایک خوش رو، وجیہ اور بلند قامت فوجی افسر بھی ایسے رہتے تھے۔ اور کبھی کبھی ایک دو لفظ بول لیا کرتے تھے آج ایک بچی سے میری دیر تک گفتگو ہوتی رہی جس میں زیادہ تر میری بچیوں کے نام اور ان کی عمر وغیرہ کے متعلق اس کے سوالات اور میرے جوابات تھے۔ یہ بظاہر اُسے سن کر اور کچھ دلچسپ پا کر ان صاحب نے مجھ سے گفتگو کی اور دو گھنٹے تک نہایت آزادی اور صفائی سے مگر پطیف طریقہ پر سیاسی گفتگو رہی، جس کے بعد انہوں نے شکریہ بھی ادا کیا اور داؤتچین بھی دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ بریگیڈیئر جنرل ہیں اور میں نے آخر میں نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ان کے بزرگ میرے دادا کے ۱۵۵۰ء کے دوست تھے۔ اب تک کی ساری داستان میں نے آپ کو سنا دی۔ اب نہ کہیں گا کہ میں نے خاموشی سے کام لیا ہے۔ کل سے انشاء اللہ حدیث شریف بھی شروع ہو جائے گی۔ اور چونکہ حجاج کے جہازوں کی واپسی کا وقت ہے۔ رستہ میں آنکھیں ان کو بھی ڈھونڈیں گی۔ ہائے ۷

نہ ہے سعادت آں بندہ کہ در نزول گئے بہ بیت خدا و گئے بہ بیت رسول مگر خدا بھلا کرے سلطان ابن سعود کا، اب وہاں کا راستہ بھی ہم بد بختوں کے لئے بند ہے۔ جہاز ہی پر خبر پڑھی کہ ہم سے بھی زیادہ بد بخت شامی جنہوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت میں سب سے بڑا حصہ لیا تھا، اور اس کے صلے میں فرانس کی غلامی اور وہ گھٹنے اس کی مسلسل گولہ باری حاصل کی تھی، انہوں نے اب فیصلہ کیا ہے کہ ان کی نجات کے لئے ایک بادشاہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ابن سلطان ابن سعود پر ان کی نظر انتخاب پڑی ہے۔ سچ ہے ملکیت کی

برعت کی ابتدا شام ہی سے ہوئی تھی، اب یزید کی ملکیت کی جگہ نجدیوں کی ملکیت کی طلب ہے۔ اچھا اب رخصت ہوتا ہوں تعجب ہے کہ اعصابی سوزش جہاز پر آتے ہی بند ہو گئی، مگر کل دوپہر کو، اور آج صبح کو تھوڑی دیر تک محسوس ہوئی۔ لیکن یقیناً یہ آموں کا پھل ہے، سو بندرگاہ سعید تک وہ بھی ختم ہو جائینگے۔ اور لندن جاتے ہی فاقہ ہی فاقہ ہے۔

قطب میاں صاحب کو، اور الطاف بھائی کو، سعید کو اور تمام فرنگی محل کو سلام شوق، بالخصوص جمال میاں اور محمد میاں اور نور میاں کو۔ مولانا سلامت اللہ صاحب کی خیریت تحریر فرمائیے۔ دہلی میں جعفری کو پیار اور سب کو سلام شوق بالخصوص مولانا کفایت اللہ صاحب کی خدمت میں آداب۔ مولانا احمد سعید صاحب کو سلام شوق اور ان کی صحت کے متعلق اطلاع دیجئے۔ ڈاکٹر سعید احمد صاحب اور اسرائیلی صاحب، راشد الخیری صاحب کو بھی سلام و شوق۔ آپ کی عالی ہمتی کا قدردان رہا۔ دعا گو آپ کا بھائی

محمد علی

(۲) مکملی سے روانگی

جہاز ”مقدمہ“

۱۹۲۸ء جون

ہوا کی تیزی سے سمندر کا موج اور جہاز پر اپنی خاموش گوشہ نشین زندگی کا حال سب کچھ لکھ چکا ہوں۔ تم کو کیا کیا لکھوں ساری عمر میں ایک بار بھی اس طرح سفر نہیں کیا جس طرح اس بار سفر کر رہا ہوں، دل کی جو کیفیت ہے وہ کن الفاظ میں بیان کر دوں، تم غالباً میری خاموشی کو خوب سمجھ جاؤ گے، میرے لئے دعا کرو۔ جو صدمہ مجھے اس بار گزرا ہے۔ اس کے برابر کبھی کوئی صدمہ نہیں ہوا، لیکن کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتا، خداوند کریم سے دعا ہے کہ میری اس عجیب و غریب اور غیر متوقع ناگہانی مصیبت کو بھی دُور فرمائے۔ سفر بخیر گزر رہا ہے لیکن درو اسی طرح باقی ہے۔ کوئی تہرازا اور شریکِ غم بھی نہیں۔ قید تہائی سے بڑھ کر تہائی ہے۔ بس لا تحزن ان اللہ معنا پر میرا ایمان قائم ہے۔

(عدن پہنچنے پر عدن کے ایک منظر کی تصویر کی پشت پر لکھا ہے)

ابھی عدن ہو کر آیا ہوں، ہندوستان کی غلامی کے لئے یہ بھی غلام ہے۔ جبل الطارق ہی سے ہندوستانی غلامی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ آخری کڑی ہے۔ خدا اس زنجیر کو جلد توڑے۔

لے مولانا محمد عرفان صاحب مرحوم سیکرٹری مرکزی خلافت کے نام ایک خط

(۳)

مقدونیہ جہاز

عدن

۲۶ جون ۱۹۷۱ء

(۱)

میاں طارقؑ

جلد پڑھ لکھ کر جوان ہو جاؤ
اور عدن سے لے جبل الطارق تک
کو آ کر اوکراؤ

تمہارا نانا آبا

محمد علی

لے مولانا مرحوم کے نواسے زاہد صاحب کے فرزند رشید

مقدور بیہواز

خدا تمہیں اور زہرہ اور طارق کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ جہاز کا سفر خاموشی سے گزر رہا ہے۔ ہوا روز بروز تیز ہوتی گئی اور سمندر میں موج بڑھتا گیا۔ مگر میں اچھا رہا، حالانکہ بہت ہی کم عورتیں اور نصف مرد اچھے رہے۔ تاہم کل سے ہوا مٹی پڑی ہے۔ اور موج کم ہوا ہے تو لطف آ رہا ہے۔

میرے پیروں میں بھی سوزش بظاہر غائب تھی۔ مگر پرسوں سہ پہر کو اور کل صبح تھوڑی دیر کو پھر محسوس ہوئی جو یقیناً آسموں کا اثر ہے۔

زہرہ سے کہہ دینا کہ پریشان نہ ہو۔ خدا نے چاہا تو کامل شفا ہو جائے گی۔ بھائی اس کم بخت ججوم پر تقاضا کر کے روپیہ دہلی بھجوا دو۔ مکان کا کرایہ ابھی بہت باقی ہے۔ وہ مل جائے تو ادا کر دیا جائے۔

طارق صاحب کے نام خط نیچے لکھتا ہوں۔ ان کو بھیجے کر کے پڑھوا دینا۔

میرے پیارے طارق صاحب

جب سے تم جہاز پر سے گئے ہو بہت یاد آتے ہو۔ نانا ابا کو مت بھولنا

اللہ میاں سے دعا مانگتے رہنا۔

زہرہ کو پیار۔ سب کو سلام

تم کو بہت سا پیار

تمہارا خیر طلب محمد علی

تمہارے نانا ابا

لے زاہد صاحب مولینا شوکت علی صاحب کے بڑے صاحب انصاف اور مولینا محمد علی صاحب کے
لے مولینا مرحوم کی بڑی صاحب زادی اور نانا صاحب کی زوجہ محترمہ

(۴)

عدن

مقدونیہ جہاز

۱۰ جون ۱۹۲۸ء

خداوندِ کریم تمہیں اونیسیوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ عدن سے ہم لوگ تین
بچے چلنے والے تھے مگر جہاز کا ایک دروازہ ٹوٹ گیا تھا۔ اس لئے مرمت کے لئے
کنارہ پر بھیجا گیا تھا۔ وہ مغرب کے قریب واپس آیا تو جہاز روانہ ہوا تم جانتی ہو کہ
عدن کے آگے بڑھ کر باب المندب میں سے گزرتے ہیں اور پھر جہاز کا رخ بدل جاتا
ہے۔ کیونکہ بحیرہ عرب میں تو بمبئی سے عدن تک مغرب کی سمت جہاز چلا کرتے ہیں۔
اور باب المندب کے بعد بحرِ احمر شروع ہو جاتا ہے اور جہاز کا رخ شمال کی طرف پھر جاتا
ہے۔ اب موسمی ہوا جو ہندوستان میں بارش لاتی ہے نہیں ملتی۔ ہوا بہت کم رہ جاتی
ہے اور افریقہ اور عربین اور حجاز کے ساحل کی گرمی سے سابقہ پڑتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔
سمندر تو بالکل میز کی طرح تھا لنگہ پسینہ بے حد آ رہا تھا۔ میں افریقہ کے ساحل کی طرف
یعنی مغرب کے رخ اپنی کرسی والے بیٹھا رہا کرتا تھا۔ صبح کو تو دوسری طرف سورج ہوتا
تھا اور گرمی ادھر ہوتی تھی۔ ادھر ٹھنڈک رہتی تھی مگر دوپہر کے بعد دھوپ ادھر آ
جاتی تھی اور سورج ڈوبنے تک گرمی رہتی تھی۔ جہاز کا سرچیں طرف ہوتا ہے اس
طرف میری کرسی ہے۔ اس لئے ہوا تو خوب آتی ہے بلکہ اس مرتبہ خلافت معمول ہوا
خاصی تیز تھی اور آج تو صبح کو خوب سرد تھی۔ سہ پہر کو ہم لوگ جدہ کے پاس سے گزرے،
یعنی اسکے مقابل سے۔ ورنہ یہ جہاز تو عرب کے ساحل سے دور دور جاتے ہیں خدا سے
دعا کی کہ ہم سب کو ایک باد پھر اپنے اور اپنے رسول اکرم کے گھر لے جائے اور حج و زیارت
کا ثواب عطا فرمائے۔ پرسوں شام کو ہمیں معلوم ہوا کہ ہم لوگ سویڈن سے موٹروں

لے کر تھریڈنگ صاحبہ۔

میں ملک مصر کی دار السلطنت قاہرہ کو تین گھنٹے میں جاسکتے ہیں اور دن بھر شہر دیکھ کر شام کو چھ بجے کی ریل سے دس بجے رات بندرگاہ سعید پہنچ سکتے ہیں۔ اس وقت جہاز بھی نہر سوئز میں سے ہلکے ہلکے نکل کر بندرگاہ سعید پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے جہاز کے بندرہ بیس آدمی کل علی الصبح یعنی کوئی چھ بجے جہاز سے اتر کر موٹروں میں قاہرہ جائینگے، مجھے تو زیادہ سیر نہیں کرنی ہے۔ ۱۹۱۲ء میں جب سید وزیر حسن صاحب کے ساتھ گیا تھا تو رات کے گیارہ بجے ریل قاہرہ پہنچی تھی لیکن دن کی طرح روشنی ہو رہی تھی اور صبح کے تین بجے تک بازار میں رونق تھی، اسی وقت موٹر لے کر ہم لوگ احصرام یعنی فرعونوں کی قبریں دیکھنے گئے تھے اور صبح کو آٹھ بجے اپنے ہوٹل واپس آئے تھے نہادھو کر ناشتہ کر کے اسٹیشن جاتے ہوئے اخبار الکوا (جس کا نام اس وقت الشعب تھا) کے دفتر بھی گئے تھے۔ اس وقت مسجد جامع الازھر کے دیکھنے اور کسی سے ملنے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ اس لئے کہ ٹرین گیارہ بجے دن کے چلتی تھی اور ۴ بجے شام کے بندر سعید پہنچا دیتی تھی جس کے بعد جہاز روانہ ہوتا تھا، اس بار صرف مسجد الازھر اور مسجد محمد علی وغیرہ دیکھنی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر جا کر فاتحہ پڑھنی ہے، نیز مسجد پاشا زاعلوی کی قبر پر بھی جانا ہے اور صرف چند دوستوں سے ملنا ہے جن سے ۱۹۱۲ء میں سوئزر لینڈ میں ملاقات ہوئی تھی، میں نے اُن کو پرسوں شب ہی تار دے دیا ہے، مگر تعجب ہے کہ اب تک کوئی جواب نہیں آیا جو حالات

۱۔ مسلم لیگ کے سیکریٹری جو بعد میں یو۔ پی کے ہائی کمشنر کے حج بنے:

۲۔ دنیا کی قدیم ترین درسگاہ جو ایک ہزار سال سے برابر قائم ہے۔

۳۔ محمد علی پاشا موجودہ شاہی خاندان کے جد امجد:

۴۔ امام شافعی کی آخری عمر میں گزری، اور یہیں انتقال فرمایا:

۵۔ مصر کے مشہور قوم پیورٹنیم:

ہونگے وہ واپسی پر لکھوں گا۔ مگر غالباً ڈاک میں خط مارسیلز سے یعنی فرانس کے ساحل سے) پہلے نہ ڈال سکوں گا، خط یا تو میں جہاز پر چھوڑ جاؤں گا کہ کل ڈاک میں ڈال دیا جائے یا اپنے ہمراہ قاہرہ لے جا کر وہاں کے ڈاک خانہ سے ڈالوں گا۔ میری خاموشی کی زندگی بدستور جاری ہے، رفتہ رفتہ متعدد انگریزوں نے آ کر بات چیت کی اور اب دس پندرہ کے ساتھ علیک سلیک ہو جاتی ہے مسز برج لال ہرو کے (جو دہلی میں رہتے ہیں) بہن اور بہنوئی سکینڈ کلاس میں ولایت جا رہے ہیں۔ اُن کا لڑکا اچھا نہیں ہے، یونیورسٹی کے امتحان کا زمانہ قریب تھا۔ اور اگست میں سول سروس کے مقابلے کے امتحان میں شریک ہونے والا تھا کہ خبر آئی ہے دماغ پر کچھ اثر پڑا ہے۔ بیچارے ماں باپ بہت پریشان ہیں۔ روز اُن کے پاس جا کر تسلی بخشی کر دیتا ہوں۔ ناگپور کے بیسٹرا اور اسمبلی کے ممبر سر مری سنگھ گور کی لڑکی مندرت بھی سکینڈ کلاس میں سفر کر رہی ہیں، اُن سے بھی ملاقات ہوئی، ہمارے درجہ میں امد کھانے کے کمرے میں میری کرسی کے پاس کی کرسی پر مس تمام سفر کر رہی ہیں، یہ دہلی کے زمانہ طبی کالج (لیڈی ہارڈنگ کالج) میں کیمیا سکھاتی ہیں، ان کے والد امد والدہ ولایت ہی میں ہیں اور ڈاکٹر ہیں وہ آپ — بھی ایک بار مل چکی ہیں۔ اچھا اب رخصت ہوتا ہوں، میری طبیعت بہت اچھی ہے حالانکہ آم خوب کھائے، اب مڑے جاتے ہیں اگر بیچ رہے تو کل شاید مصر لے جاؤں اور وہاں دوستوں کو چکھاؤں۔ چونکہ کچھ زیادہ لکھنے کو نہیں ہے، اس لئے بچوں کو علیحدہ علیحدہ نہیں لکھتا، دونوں کو خوب پیار کر لیتا۔

میں نے عدن سے سفر کے مع الخیر کہاں تک ختم ہونے کا تاثر ”کمرید“ کے پتہ سے دن کے ڈیڑھ بجے دیا تھا، مگر چون کہ وہ کس وقت ملا، ضرور لکھنا۔

تمہارا محمد علی

عدن سے قاہرہ

پیارے ماجد میاں و ظفر الملک۔ السلام و علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ کو خط لکھ کر ڈاک میں مار کر جہاز ہی میں ڈال دیا تھا۔ بارہ بجے کے قریب جہاز سے اتر کر نواب عقیل جنگ بگلرامی کے ساتھ (جو نواب عماد الملک بگلرامی مرحوم کے صاحبزادے اور حیدر آباد میں پبلک ورکس کے منسٹر ہیں اور پتھری نکلوانے ولایت جالے ہیں) عدن گیا۔ ہندوستان کے جو نوٹ بیچ گئے تھے اُن کو ہم دونوں نے کاؤس جی ڈنشا کی مشہور دکان پر جا کر بدلوایا۔ سر کاؤس جی ڈنشا خود عدن میں نہ تھے، انکے صاحبزادے تھے، انہوں نے سنتے ہی مجھے اپنے سکونتی کمرے میں بلایا اور کھانے کی دعوت کی، مگر مجھے ابھی یاسین خاں صاحب جو علی گڑھ کے پرانے طالب علم یا مین خان صاحب ممبر اسمبلی کے بھائی اور مشہور سوپ کپنی "میرٹھ کے ایک رکن ہیں اور یہاں عرصہ سے مجسٹریٹ ہیں، جانا تھا، اس لئے معذرت کر کے چلا آیا۔ یہ کہنا بھول گیا کہ جو نہیں اسٹیم لاینج سے عدن طوائی کے ساحل پر اتر اٹھا، عرب صرافوں، پولیس والوں، قلیوں اور ٹیکسی والوں نے پہچان لیا تھا کہ "یہ محمد علی شوکت علی" ہے اور بعض نے بڑی محبت سے مصافحہ کیا اور ہاتھ چومنا چاہا۔ کاؤس جی ڈنشا کی دکان سے ایک عرب لڑکے کی محبت میں ٹیکسی سے یاسین خان کے دفتر گیا، مگر معلوم ہوا کہ وہ کام ختم کر کے گھر چلے گئے ہیں۔ جب ۱۲؎ میں یورپ سے واپس ہوا تھا تو حیات لہ یورپ جاتے وقت مولانا "ہمدان اخبار" ان دونوں بزرگوں کے سپرد کر گئے تھے۔

جعفری صاحب ایڈیٹر تھے، اور ماجد صاحب اور ظفر الملک صاحب بنگال اور مصر

نے کہا تھا کہ چلو یا حسین خان سے چل کر مل آئیں اور انہی کے ساتھ ان کے ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔ اور عدنان کے مشہور دوست ایم جی وٹھرماتہ *M. J. Vitharam* کی سیر کی تھی، اور شیخ الیصدر وں رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر جا کر فاتحہ پڑھی تھی اور بازار جا کر مین کی بنی ہوئی نہایت خوبصورت چپلیاں خریدی تھیں۔ اس بار دیکھا کہ انہوں نے ایک بنگلہ لے رکھا ہے اور جب ہم پہنچے تو کھانا کھا کر آم کھا رہے تھے۔ غریب کا اکیلا دم، دو مہمانوں کے لئے کھانا اس وقت کہاں، مگر کہا کہ ابھی انڈے وغیرہ تولائے دیتا ہوں۔ کھانا کھالو، لیکن ہم دونوں نے کہا کہ اب جہاز ہی پر جا کر لے چکھائیں گے، آموں کی دعوت سے انکار نہ کیا جاسکا۔ جیسی کے عہدہ مد الفانسور یا ماخر) پھر چکھنے میں آئے، اور گھنٹہ دو گھنٹہ امانتچی، اہم اور تیبی کے خاندان، شیخ سنوسی، سلطان ابن سعود اور جیہ اور حیران پر والیان نجد ویتن کے ققیہ۔ اور بعض قبائل مین کی برطانوی حمایت وغیرہ کے حالات کے متعلق معلومات حاصل کر کے، کوئی سوانحہ رخصت ہوا۔

جہاز کے بہت ہی کم مسافر عدنان آئے تھے، سب گرمی کا خوف ظاہر کرتے تھے لیکن یہاں دوپہر کو بھی وہ گرمی نہ تھی جو چلتے وقت دہلی میں صبح کے آٹھ بجے پڑنے لگی تھی، اس لئے مجھے اس کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ عدنان کی ٹیکسی کلکتہ اور ممبئی کی طرح نو نہ تھی، لیکن دہلی کے ٹیکسیوں سے ہزار ہا درجہ اچھی تھی، اور کلکتہ اور ممبئی کے نرخ سے چلتی تھی۔ چلانے والے عرب تھے، اور بے تحاشا دوڑاتے تھے، اور باوجود دیکر ساحل تلوائی سے عدنان تک جانے کے راستہ میں ایک درہ نہایت تنگ پڑتا ہے اور سڑک بھی زیادہ چوڑی نہیں ہے، ٹیکسی چلانے والے عرب شوفرز کو ایک دوسرے سے موڑ آگے نکالنے میں بڑا مزہ آتا تھا، اور مجھے بار بار ”اصبر! اصبر!“ کہنا پڑتا تھا، ورنہ بظاہر یقیناً دو ایک بار تصادم ہو جاتا۔

یاسین خان کے پاس سے واپس آکر ساحل کے تار گھر سے گھر کو تار دیا کہ اب تک بھری سفر بہت اچھی طرح گزرا، اور اب تو "مانسون" کی جولانگاہ ہی ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے باقی سفر کے متعلق، کم از کم ہندرسید تک تو اطمینان تھا، جہاز پر اگر کچھ کھایا، روانگی کے تین چار گھنٹے انتظار کیا، اس لئے کہ ایک کواڑ جہاز میں کہیں ٹوٹ گیا تھا جسے مرمت کے لئے اسے ساحل پر بھیجا گیا تھا، اور وہ چھپنے کے قریب آیا تو لنگر اٹھایا گیا۔ اس عرصہ میں تاجر (زیادہ تر یہودی) فروخت کے لئے کشتیوں میں سامان لاکر بیچنے لگے۔ حج و زیارت و موخر سے واپسی کے وقت میری بیوی نے انہی لوگوں سے بہت سی جانمازیں خریدی تھیں، اور مجھے ان کا تجربہ تھا کہ جو قیمت مانگتے ہیں اس سے نصف سے کم پر بالآخر اُسے خوشی بخوشی فروخت کر دیتے ہیں۔ میں دس دس روپیہ میں تین تین منجلی جانمازیں خرید چکا تھا جو عام طور پر ہندوستان میں پانچ پانچ، ساڑھے چار چار روپیہ میں ملا کرتی ہیں۔ اس بار دسیوں مصلے خریدے تھے، جی چاہا کہ ایک خوشنما بڑا مصلے خرید لوں تاکہ اگر لندن یا پیرس میں اتنے نمازی مل جائیں کہ نماز جماعت ہو سکے (جس کی زیادہ امید نہیں) تو بجائے چادر کے اسی مصلے پر نماز جماعت پڑھی جاسکے، ورنہ یوں تو قطبے میاں صاحب کا عطاء کیا ہوا ایک ادنیٰ قالین کا مصلے میرے پاس تھا، گو خود تو میں اسی منجلی مصلے پر نماز پڑھا کرتا ہوں جو میرے مرحوم ماموں صاحب اپنے لئے شالہ میں حج سے لائے تھے، اور جسے میں نے ان سے دیر دوستی جمیعین لیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ میاں! یہ چیز تمہارے کس کام کی، یونہی بڑی رہے گی، جس سے مجھے سنتِ خیرت آئی تھی، لیکن الحمد للہ کہ اسلامی ممالک کے مصائب نے مجھے نماز پڑھنا سکھادیا، اور درحقیقت مسلمان بنا دیا۔ اسی مصلے پر نماز شروع ہوئی، اور گو مسجد کا نشان میری

لے بارش لانے والی موسمی ہوا تھی

لے خرنجی مل کے ایک ہندوگ

جبیں پر اب تک نہیں پڑا، لیکن میری ایڑیوں نے اس مصلے پر چھید کر دیئے ہیں۔ یہودی نے اس بڑے مصلے کے تیس روپیہ مانگے تھے۔ میں نے تین دینا چاہے اور بالآخر تیرہ روپیہ آٹھ آنہ یعنی ایک پونڈ پر معاملہ طے ہو گیا۔ یہ بڑا مصلے چھوٹے چار مصلوں کے برابر ہے، اور محراب اور روشنی کا جھاڑ اور ریل وغیرہ نہایت خوشنما ہیں، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ سودا بڑا نہیں ہوا۔ بہر حال وقت خوب کٹ گیا ورنہ عدن کو جو یقیناً جزیرۃ العرب میں شامل ہے، کفار کی زیر حکومت دیکھ کر قلب کی جو کیفیت ہوتی تھی وہ قابل بیان نہیں۔

دوسرے دن، یعنی رات کے وقت معلوم ہوا کہ ٹامس کک کی کمپنی مسافروں کو سویرے قاہرہ موٹر دلوں میں لے جاتی ہے، دن بھر قاہرہ کی سیر کراتی ہے۔ اور اہرام مصر اور اسفٹکس (ابو الہول) وغیرہ دکھاتی ہے، اور شام کے چھبجے کی گاڑی میں سوار کر کے دس ساڑھے دس بجے بندر سعید پر جہاز کی روانگی سے ایک دو گھنٹہ قبل پہنچا دیتی ہے حالانکہ سلاسلہ میں جب سید وزیر جن صاحب اور میں مسجد کانپور، ایڈریانوئل اور ٹکریڈ کے مقدمہ کے سلسلہ میں ولایت گئے ٹامس کک کی کمپنی اس قسم کے EXCURSION کا کوئی انتظام نہیں کیا کرتی تھی، تاہم ہم دونوں اور چند ہندوستانی سٹوڈنٹس سے ریل پر قاہرہ گئے تھے۔ اور بڑے مزے سے آہرام وغیرہ دیکھ کر آئے تھے۔

اس بار فرامتنہ کی قبروں کے دیکھنے کا شوق ہرگز دامنگیر نہ تھا، مگر مصری احباب سے ملنے کو دل تڑپ رہا تھا۔ میں دہلی سے ڈاکٹر احمد فواد اور ڈاکٹر عبد الحمید سعیدی لے قاہرہ سے جینڈیل کے فاصلے پر اہرام مصر کے پاس ہی ابو الہول کا بت ہے۔ اس کا دھڑ شیر کا اور چہرہ آدمی کا ہے۔ بت کیا ہے، ایک پہاڑ کا پہاڑ ہے۔ قدیم مصری ابو الہول کی پرستش کرتے تھے۔ ۷۰ ۷۱ ۷۲ اگلے صفحہ پر دیکھیں

کو خط لکھ چکا تھا جس میں میں نے تحریر کیا تھا کہ بہت جی چاہتا ہے کہ ہفتہ عشرہ مقرر میں قیام کروں، لیکن وہاں کا مطلع نہایت گمراہ و آلود ہے، اور ٹائی کنٹر حساب ہمارے جیلر لارڈ جانسج لائیڈ صاحب ہیں، اس لئے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس وقت اتروں اور مصری بھائیوں کی مشکلات میں کسی اضافہ کا سبب بنوں البتہ اگر چند دوست تکلیف کو ادا فرما سکیں تو بندر سعید پر اتار کر مل لیں، یا سویز سے ہمارے ہی جہاز پر سوار ہو کر بندر سعید تک ساتھ ساتھ چلے چلیں جب تک کہ میں حج بیت اللہ و زیارت روضہ اقدس و موقر عالم اسلام کی شرکت کے لئے بدلتی سے روانہ ہوا تھا تو انہی دونوں صاحبوں کو تار سے اطلاع دے کر حجاز آنے کی دعوت دی تھی۔ یہ غلطی سے سمجھ کر ہم لوگ سویز کے راستہ سے جا رہے ہیں۔ اس لئے ایک بڑی جماعت ہم سے ملنے کے لئے سویز آکر مایوس واپس موٹی تھی۔ میں نے لکھ دیا تھا کہ اس بار غلط فہمی نہ ہوگی۔ انشاء اللہ ۲۷ جون کے جہاز میں سوار ہو کر غالباً ۱۱ جون کو سویز پہنچونگا۔ جب ۸ کو معلوم ہوا کہ میں دن بھر کے لئے سویز سے قاہرہ جاسکتا ہوں تو فوراً اُن کو تار دیئے اگر ممکن ہو تو اپنی ذاتی موٹریں لے کر سویز ہی آجائیں اور تار سے فوراً اطلاع دیں۔ ورنہ گلگ پنی کے موٹروں میں قاہرہ پہنچ کر ان سے ملونگا۔ ان کی موٹریں اس لئے منگائی تھیں۔

پچھلے صفحے سے ۳۵ ڈاکٹر احمد فواد مرحوم مصر کی حزب الوطن کے ایک سرکردہ رکن تھے مرحوم قومی جدوجہد کے سلسلہ میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں جنگ عظیم میں ترکوں کے پہلو پر پہلو شریک رہے، آخر میں مصر میں واپس آگئے تھے مولانا مرحوم سے بہت محبت تھی اندھ میں ہندوستانی طلبہ کی بھی بڑی مدد کرتے تھے۔ ۳۵ حزب الوطن کے نائب صدر یا یہ بھی ڈاکٹر احمد فواد کے ساتھیوں سے تھے۔ آخر میں آپ نے جمعیت شبان المسلمین کی بنا رکھی اور تا عمر اس کے صدر رہے۔ مرحوم کا ابھی کچھ عرصہ ہوا انتقال ہوا ہے + ۳۵ بمبئی کے گورنر رہ چکے تھے۔

کہ تین ساڑھے تین گھنٹہ جو موٹریں کٹنے والے تھے وہ رائیگاں نہ جائیں۔ راستہ بھرائی داستانِ غم انہیں ساڈل اور آن کا درودل ان سے سنول۔ بجر احمر میں گرمی زیادہ ہوتی ہے، اور ہوا کم اسپینوں پر پیسے آیا کرتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ اس مرتبہ بھی ”الاما شاء اللہ“ کا ثبوت ملا، اور نہایت خوشگوار ہوا سارے سفر میں چلتی رہی مگر چونکہ در کے تار کا جواب نہ ۹ کو ملا نہ ۱۰ کو۔ اس لئے سارا لطف گندھیر ہو گیا (نہ معلوم یہ لفظ اردو ہے یا پشتو۔ رامپند میں ضرور استعمال ہوتا ہے اور مطلب کو خوب ادا کرتا ہے) ۹ کی رات کو جہاز والوں نے انتظار کر کے بالآخر کہہ دیا کہ اب ہم کو گت کو تار دینا ہے اس لئے فیصلہ کیجئے کہ ان کے ساتھ جائیگا یا خود اپنا انتظام کیجئے گا۔ مجبور ہو کر گت ہی کے ذریعہ انتظام کرایا، جب ۱۰ کو بھی تار کا جواب نہ آیا تو خیال کیا کہ اچھا ہوا کہ گت کے ذریعہ جانے کا انتظام کر لیا۔ لیکن اب پینٹولیشن شروع ہو گئی کہ کہیں مصر کی سیاسی صورت حالات بد سے بدتر نہیں ہو گئی، اور کہیں ہمارے احاطہ بدی کے سابق گورنر صاحب نے جو میرے جیل سے لکھے ہوئے خطوط کو خود سنسکر کیا کرتے تھے، میرے تار کو تو یہاں بھی سنسکر نہیں کر لیا۔

جہاز پر ایک نہایت خوبصورت، خوب سیرت چھوٹی سی لڑکی ہے جس کی والدہ کی کرسی میری کرسی کے قریب ڈیک پر رہتی ہے۔ اس سے کئی بار باتیں ہو چکی تھیں وہ نو شہرہ آٹھ برس رہ چکی تھی ۷ اور سال ڈیڑھ سال سے پشاور میں رہتی ہے۔ ایک دن اس کی زبان سے یکایک معلوم ہوا کہ اس کے والد افغان ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی، اور اس کی والدہ سے پوچھا۔ تب جا کہ معلوم ہوا کہ وہ ہی میم صاحبہ ہیں جن کا نام مسافروں کی فہرست میں پڑھ کر ہمیں خوب ہنسی آتی تھی۔ اس لئے کہ ان کا اسم گرامی ”مسٹر صاحب“ اس فہرست میں

درج تھا۔ اب معلوم ہوا کہ ان کے شوہر کا نام بدکپتان خان صاحب ہے اور وہ آئی۔ ایم۔ ایس۔ (I.M.S.) میں تھے، مگر انہوں نے ۱۹۴۷ء میں ترک تعاون کیا اور اپنے عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔ اب توجیرت کی انتہا نہ رہی، کیونکہ ایک ایسے شخص سے میرا واقف ہونا سخت تعجب کی بات تھی۔ کل جا کر معلوم ہوا کہ یہ ہمارے عزیز اور محترم دوست عبدالغفار خان اوقمانزئی کے بڑے بھائی تھے، اور مریم دید اس لڑکی کا نام ہے) صرف انہی کی بھتیجی نہیں نکلی، بلکہ میری بھی بھتیجی نکلی۔ اس امید پر کہ میرے دوست موٹر میں ضرور بھیجیں گے۔ میں نے مریم کو بھی قاہرہ چلنے کی دعوت دی تھی مگر اس کی والدہ نے اس سے کہا کہ میرے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے کہ تجھے قاہرہ بھیجوں۔ اگر تار کا جواب آگیا ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ روپیہ مطلق صرف نہ ہوتا۔ صرف قاہرہ سے بندر سیجید تک میں خود اسے نصف ٹکٹ خرید کر لے آتا مگر تار کا جواب نہیں آیا اور ریاست اور کے وزیر اعظم، راولپنڈی کے وحشیانہ حملے نے ساتھ چلنے کا ارادہ فسخ کر دیا اور حقیقت بلکرامی صاحب کی طبیعت بھی ناساز ہو گئی اور دہلی کے لیڈی ہارڈنگ میڈیکل کالج میں کیمرج کی گریجویٹ کیا پڑھانے والی مس رام صاحبہ کے ساتھ جانے والی ڈاکٹر مس گلکرسٹ نے بھی اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ میرے سوا اب صرف مس رام صاحبہ (جن کے والد انگلستان میں معالج ہیں اور جن کی والدہ بھی وہیں ہیں) اور مشہور سالطوں کی فرم بدکپتان اور ویڈ کے وید صاحب اور قاسم علی منجی صاحب جنہیں ہم مسلمانوں کا ”ڈاکٹر مونجے“ کہتے ہیں) رہ گئے، اور ہم سب نے کت کو روپیہ دے کر ٹکٹ خرید لئے۔ اس پر بھی متروک تھا کہ ہمیں متصر کی سیاسی صورت حالات کے باعث میسرے پاسپورٹ کا ”ویزا“ کرنا نامنظور نہ کیا جائے۔

(اسی نکتہ میں ایکادون بھی کاٹا، اور بالآخر اپنا بکھرا ہوا سا ان دوست کیا۔

(اس لئے کہ اب تک صرف میں ہی اس کمرے میں تھا، اب ہنر ہانس نواب صاحب پالن پور کے ہمرکاب دو صاحب پورٹ سید سے سوار ہونے والے تھے) اور کمرے میں ان کے سامان کے لئے جگہ نکالنی مشکل تھی۔ کپڑوں کا ایک جوڑا ایک چھوٹے سے صندوق میں، جس میں کاغذات بھرے تھے، کاغذات کو نکال کر رکھا۔ اور سب کاموں سے فارغ ہو کر نماز عشاء میں مشغول ہوا۔ فرض پڑھ ہی چکا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک اسٹیورڈ (کھڑا سوار)۔ جہاز کا نوکر (ریڈیو گرم (لاسکی) لئے کھڑا تھا۔ ڈاکٹر احمد فواد کا تار (یا بے تار؟) تھا کہ میں موٹریں لے کر خود سوین آ رہا ہوں۔ خدا کا شکر ادا کیا اور اس کے بعد اطمینان قلب کے ساتھ سونے کو لیٹا مگر بے اختیار جی چاہا کہ پاس ہی کمرے میں مریم کی والدہ ہیں انہیں جا کر جگناؤں اور دعوتِ دول کہ مریم سمیت ہمارے ساتھ قاہرہ چلیں۔ بالآخر یہ تو نہیں کیا، مگر راؤ گروہار می نعل صاحب کو جا دو بوجا۔ کہ بھائی اب تو دو موٹریں آ رہی ہیں، اب تو چلو گدا انہیں صبح کے چار بجے اٹھنا ہرگز قبول نہ تھا۔ میں نے بہت ہی اصرار کیا، مگر وہ معذرت ہی کرتے رہے اور آخر کار ارنجے میں بھی جا کر سو رہا مگر صبح ہی کو اٹھنے کی فکر تھی، بیچاری مس رام صاحبہ خالفت نقیب کہ کہیں سوتی ہی نہ رہ جائیں اس لئے میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ کسی نہ کسی کو ان کے کمرے کی طرف بھیج کر ان کو علی الصبح اٹھاؤں گا۔ خدا دیا بطیس کا بھلا کرے، چار بجے سے پہلے ہی آنکھ کھل گئی۔ مگر چونکہ اب تک جہاز لنگر انداز نہ ہوا تھا، اس لئے پلنگ پر لیٹ رہا۔ جب وہ لنگر انداز ہونے کے قریب معلوم ہونے لگا۔ تو حوائجِ ضروری سے فارغ ہو کر غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور نماز فجر پڑھی۔ کچھ بیٹی سے لائے ہوئے آم بیج لیے تھے۔

عرفان صاحب نے اتنے زیادہ خرید دیئے تھے اور بہار کے آغا صاحب نے اتنے محنت فرما دیئے تھے کہ خود ختم نہ کر سکتا تھا۔ کچھ مسزبرج محل نہرو کی ہمشیرہ صاحبہ کو، جو راجہ نریندر ناتھ صاحب کی صاحبزادی ہیں اور اپنے شوہر کے ساتھ اپنے مریض صاحبزادہ کو دیکھنے دلائی جا رہی ہیں اور کچھ سرسری سنگھ گورایم۔ ایل۔ اے کی صاحبزادی مسز دت صاحبہ کو بھیج چکا تھا، کچھ نوکروں کو دیئے تھے اور چونکہ اگر کوئی قیاساً طر جاتے، اس لئے ارادہ تھا کہ چلتے وقت انہیں بھی کسی کو وے دوں لیکن اب تو جی میں بھٹانی کہ انہیں قاہرہ والوں کو چل کر کھلاؤں۔ ڈیک پر آیا تو زینہ پریس رام صاحبہ اپنے بہاؤ (چھتری) اور ایٹھی کیس، اور ہینڈ بیگ سمیت بلیں اور جلد ہی اور ہندوستانی مرد اور عورتیں اور بچے سب آگئے۔ پاسپورٹ پڑ ویزا کرنے والے مصری افسر بھی آگئے۔ گت کا آدمی بھی آگیا اور اس نے تاکید کی کہ جلد اسٹیم لانچ میں سوار ہو جاؤ، میں پاسپورٹوں پر ویزا کر کے ابھی آتا ہوں اور ہم فوراً چلے گئے۔ جہاز والوں نے بھی کہہ دیا تھا کہ جہاز کے رکتے ہی طبعی معائنہ کرنے والے آ جائیں گے اور گھنٹہ بھر بعد جہاز چھوٹ جائے گا۔ ہمیں خود بھی جلدی تھی کہ جتنی جلد یہاں سے روانہ ہونگے اتنی ہی جلد قاہرہ پہنچ جائیں گے اور اتنا ہی زیادہ وقت وہاں کے قیام کے لئے ملیگا۔ ہم پانچ بجے ہی اسٹیم لانچ میں سوار ہو گئے مگر دیر تک ان مسافروں کا سامان لانچ میں سے اترتا رہا جو سونیرے جہاز پر سوار ہوئے تھے۔ جب یہ بھی ہو چکا تو گت کے ”خضر راہ“ کی تلاش شروع ہوئی۔ بڑی مشکل سے ان کا پتہ چلا، مگر وہ لانچ میں آتے ہی پھر جہاز پر چڑھ گئے۔ اس لئے کہ اب تک قاہرہ جانے والے انگریزوں میں سے ایک بھی جہاز پر سے نہ اترتا تھا اور جب اور بھی دیر لگی تو ہم نے قیاس کیا کہ یہ حضرات غالباً ناشتہ تناول فرما رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارے ساتھ کی عورتوں اور بچوں تک نے نہ کچھ کھایا تھا نہ پیا تھا۔ میں نے کھانے کے کمرے

کے اسٹیوڈیو سے رات ہی کو کہہ دیا تھا کہ ہمیں کچھ انڈے اور کچھ روٹی مکھن صبح کی چائے کے ساتھ دے دینا، مگر نہ چائے کا پتہ تھا اور نہ روٹی مکھن کا نہ اسٹیوڈیو کا جی چاہا کہ جہاز پر چڑھ جائیں اور ہم بھی صاحب لوگوں کے ساتھ ناشتہ کر لیں۔ مگر خوف ہوا کہ کہیں لگت کا خضر راہ نہ آجائے اور ہمیں جہاز ہی پر چھوڑ کر خود صاحب لوگوں کے ساتھ ساحل کی طرف روانہ نہ ہو جائے۔ جب سید وزیر حسن صاحب کے ہمراہ میں ۱۹۷۱ء میں اسی طرح سویز سے قاہرہ گیا تو ایک صاحب بہادر، کو جہاز کا لیج اس قدر پسند آیا تھا کہ انہوں نے ڈیڑھ دو بجے تک لانچ میں نزول اجلال نہ فرمایا تھا، حالانکہ ہم بارہ بجے سے آئے ہوئے بھوکے بیٹھے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ہم ساحل پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ریل گاڑی چھوٹ چکی، سیدائے ہوٹل نام کے ایک ہوٹل یا ریسٹوران میں ہم کو موٹروں میں بیٹھ کر لیج کھانے کے لئے کئی میل دور جانا پڑا تھا، اور باوجودیکہ لیج کی قیمت لندن کے مشہور ”سیولٹے ہوٹل“ سے کم نہ تھی، مگر کھانا اتنا کم اور اتنا خراب ملا تھا کہ خدا کی پناہ، جب اس سے فارغ ہوئے تھے تو تین گھنٹہ سویز کی گلیوں اور بازاروں میں گھومنا پڑا تھا، اس لئے کہ اب گاڑی چھ بجے شام سے پہلے چھوٹنے والی نہ تھی۔ بازار میں بیٹھ کر تڑپ کر کھانے شربت پینے اور نرکی ٹوپیاں درست کروانے کے سوائے کوئی کام نہ تھا۔ عبدالرحمن صدیقی، شعیب، اور خلیق وغیرہ۔ چونکہ ڈاکٹر انصاری اور کمریڈ کے طبی وفد کے ممبروں کی حیثیت سے دوران جنگ میں سخت مصروف رہے تھے۔ اور نرکی کی مطلق سیر نہ کر سکے تھے۔ اس لئے جب ہم حوالائی کو ڈاکٹر انصاری صاحب مع دیگر اراکین وفد کے بمبئی واپس آئے تھے تو یہ اصحاب ثلاثہ ہمراہ نہیں آئے تھے، سیر کرنے کے لئے ان کو کچھ دنوں کے لئے قسطنطنیہ ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ مگر اس عرصہ میں بلقانی اتحادیوں میں بھوٹ پڑ گئی تھی، اور خود ان کے درمیان آتش جنگ مشتعل ہو گئی

تھی، جس سے پورا نفع اٹھا کر انور پاشا رحمۃ اللہ علیہ نے ایڈیانوپل فتح کر لیا تھا اور پہلی ہی ریل گاڑی میں یہ اصحاب ثلاثہ اور نہ جا پہنچے ہوئے تھے۔ یہ ہم ستمبر کو واپس آ گئے تھے۔ اور ہم ۱۰ ستمبر کو مبشی سے سوار ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں اطلاع دی تھی کہ حمیدیہ سوزین میں لنگر انداز ہے، وہیں روٹ بک سے نیاز حاصل ہو جائے گا، اس لئے میں طبی وفد کی وردی پہنے جہاز سے اتر اٹھا تاکہ حمیدیہ والے اسے پہچان کر ہمیں جہاز پر آنے دیں، باقی تعارف حمیدیہ پر سوار ہونے کے بعد ہوتا رہیگا۔ سوزین پہنچ کر معلوم ہوا کہ حمیدیہ تو روانہ ہو چکا مگر ایک Gun Boat سوزین میں لنگر انداز ہے۔ ہم کشتی میں سوار ہو کر اس تک گئے تھے، اور وہاں سب ہندوستانیوں کا بڑے تپاک سے استقبال ہوا تھا۔ اور پہلی بار ہندوستانیوں نے ایک جنگی کشتی کی توپیں اور ٹورپیڈو اور گنیں وغیرہ دیکھی تھیں۔ چھ بجے ہماری گاڑی چھوٹی تھی، اور گیارہ بجے قاہرہ پہنچنے والی تھی۔

ہم نے ہندوستان پر سے قیاس کیا کہ بھلا آدمی رات کو قاہرہ میں سولے اندھیرے کے اور کیا ہوگا۔ سب پڑے ہوئے سوتے خراٹے لیٹے ہونگے۔ مگر جب ہم اسٹیشن پر پہنچے تو چراغاں نظر آیا تھا اور بازاروں میں گیارہ بجے رات کے وہ رونق تھی جو کلکتہ اور مبشی تک میں شام کو بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے ہم نے شیپرو ہٹل پہنچے ہی ایک خضر راہ کو ساتھ لیا تھا اور طے مشہور معروف ترکی - میم - جنگ عظیم میں سلطنت ترکیہ کے وزیر جنگ تھے۔ آپ تحریک پان اسلام کے بڑے داعی تھے۔

سے ترکی کے ایک نامور جرنیل۔ مصطفیٰ کمال کے ساتھ یونانیوں سے لڑنے ایک بار جامعہ میں تشریف لائے اور ترکی پر چند تقریریں کیں۔

قاہرہ کی "نائیٹ سائڈ" (Night Side) کی خوب ہی سیر کی تھی، گو اس سلسلہ میں ہوٹل کے ترجمان صاحب کو "خضر راہ" کا لقب دینا ایک گنا عظیم سے کم نہیں معلوم ہوتا۔ صبح کے تین بجے تک بازاروں میں جیل پہل ہی تھی اور ہم سیر کرتے پھرتے تھے۔ ایک جگہ محفل رقص و سرود گرم تھی، اور ایک یویم سٹیم خاتون جو بظاہر قاہرہ کی گوہر جان تھیں ناچ اور گارہی تھیں۔ ہم نے آج تک عربی میں سوائے قرآن کریم کے سنا ہی کیا تھا، جب اس خاتون کے بھرکنے پر بار بار سامعین اور ناظرین کے مجمع میں سے لوگوں نے قلعنی یا سقّی (جس کو اردو میں ہلے جانی مارڈالائی کے جملے سے داکیا جاسکتا ہے کہنا شروع کیا)، تو کم از کم مجھے تو سخت حیرت ہوئی تھی۔ جب ہم تین بجے صبح کے ہوٹل پہنچے، تو مجھے خیال ہوا کہ اگر اسی وقت موٹر مل جائے تو جیزہ جا کر اہرام اور اسفینکس (الہما لہول) بھی دیکھ آئیں، اگر اس وقت سو گئے تو صبح کو اٹھنا محال ہے، تو پھر کون چودہ میل جائیگا اور چودہ میل واپس آئیگا؟ چنانچہ اسی وقت موٹر لیکہ ہم جیزہ گئے تھے اور واقعی اس سے بہتر وقت بھی اس کام کے لئے نہیں ہو سکتا تھا۔ جس وقت ہم نے اسفینکس کو دیکھا تو ایک طرف سو سوچ نکل رہا تھا۔ اور دوسری طرف چودھویں کا چاند ماند جلد ہی پڑنے والا تھا۔ جیزہ سے واپس آکر صرف غسل کرنے اور ناشتہ کرنے کا وقت باقی تھا اور شیشپڑ ہوٹل میں صبح نو بجے سے پہلے نہ ہوتی تھی۔ بڑی مشکل سے ساڑھے نو بجے تن تنہا "حاضری" کھا کر ہم "الشعب" اخبار کے دفتر کو روانہ ہوئے تھے "اللہوا" اس زلطنے میں اس نام سے نکل رہا تھا۔ مساجد اور جامع الآزہر کے دیکھنے تک کا وقت نہ تھا۔ صرف "الشعب" کے ایک انگریزی ماں سب ایڈیٹر سے ملاقات ہو سکی

لے دریاے نیل کے دوسرے کنارے قاہرہ کے مقابل میں یہ بستی آباد ہے۔

تھی اور گیارہ بجے پورٹ سعید کی طرف جانے والی گاڑی میں سوار ہو کر روانہ ہونا پڑا تھا تاکہ ہم بجے شام کے جہاز پر سوار ہو جائیں اور مغرب سے پہلے لنگر آٹھ بجائے اور ہم یورپ کا رخ کریں۔ یہ سب اس وجہ سے ہوا تھا کہ ایک صاحب بہادر کو جہاز کا لانچ بہت عزیز تھا۔ اس بار صاحب لوگوں کو جہاز کی چابو بہت عزیز معلوم ہوتی تھی۔ اور گھنٹہ بھر انتظار کرنے پر بھی ایک صاحب کا پتہ نہ لگتا تھا بار بار لگ کے خزان راہ جہاز پر چڑھتے تھے اور پھر اتر کر لانچ پر آتے تھے۔ آخر بار اترے تو کہا ابھی ایک صاحب بہادر غسل فرما رہے ہیں۔ اب تو ہم سے نہ رہا گیا اور میں نے کچھ کھانے کا مطالبہ کیا۔ کھانے کے کمرے کا میڈکسٹریڈ بہت معقول آدمی ہے دوڑا ہوا گیا اور کچھ نارنگیاں اور کچھ سیب کچھ بسکٹ اور سب کے آخر میں کچھ گوشت کی ”سینڈوچیں“ بھی لے آیا۔ ان سب پر میں نے قیضہ کیا اور بالآخر چھ بجے ہم لوگ لانچ پر ساحل کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک کشتی پر ہر طرف رنگ برنگ کی جھنڈیاں آویزاں تھیں اور باجریج رہا تھا۔ ایک جہاز بھی اسی طرح آراستہ تھا ساحل پر ایک طرف پولیس والے درویاں بیٹھے کسی کے استقبال کے لئے صف بستہ کھڑے تھے۔ معلوم ہوا کہ مارون بے رئیس بلدیہ جج بیت اللہ سے اسی جہاز میں واپس آئے ہیں جو آراستہ کھڑے سے آراستہ کشتی میں لوگ انہیں کو لینے آئے ہیں۔ اس سے پہلے ہمارے ساتھی مسٹر وید نے مذاقاً کہنا شروع کر دیا تھا کہ مولانا یہ سب آپ کا استقبال ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے یہاں کوئی نہیں جانتا، لیکن چند ہی منٹ میں معلوم ہوا کہ نہیں، کچھ لوگ یہاں بھی میرے خط و خال سے واقف ہیں، اس لئے کہ ہمارے اسٹیٹ لائچ کے ایک مصری افسر نے مجھ سے پوچھا کہ آپ شوکت علی محمد علی تو نہیں ہیں۔

اب میں اس طویل طویل خط کو ختم کرتا ہوں۔ انشاء اللہ مارسیلز سے جو خط ڈالاجائیگا اُس میں ڈاکٹر احمد فواد بے سے ساحل سوئیز پر ملاقات اور اُن کے ساتھ قاہرہ تک سوسو اسمیل کے موٹر کے سفر، اور قاہرہ میں سات گھنٹہ قیام، مزار حضرت امام حسینؑ پر جا کر فاتحہ پڑھنے، جامع الازہر جانے اور وہاں کے مکتبہ اور درسگاہوں کی سیر کرنے، ریشل پاشا کمشنر پولیس کے مجھے CONTINENTAL HOTEL میں میرے میزبان ڈاکٹر عبد الحمید سعید بے کے ساتھ دیکھ کر اور پوچھنے پر کہ یہ کون ذاتِ شریف ہیں اور یہ معلوم کرنے پر کہ مولانا محمد علیؒ کی ایک از علی برادران ہوں حیرت زدہ رہ جانے کہ شخص مجھے اطلاع ہوئے بغیر قاہرہ تک آپہنچا۔ عبد الحمید سعید بے کے مکان پر ایک پرکلفت دعوت کھانے اور مصری زعماء سے نیا حاصل کرنے، اپنے رفیق اکسفر ڈ محمد پاشا محمود وزیر مال سے ملاقات کرنے۔ شیخ شاکشیش سے گھنٹہ بھر تک دل کھول کر باتیں کرنے، جمعیت شبان المسلمین کے مرکز میں جانے اور مصری نوجوانوں سے ملنے اور اپنے خیالات ان پر اسی طرح ظاہر کرنے جس طرح زعماء مصر کے سامنے ابوبکر پاشا بیچ بعدالت عالیہ کے ارشاد لے جامع ازہر کے پاس ہی جامع حسینی ہے اس میں حضرت امام حسینؑ کا مزار بتایا جاتا ہے مصر کے فاطمی خلفاء کے عہد میں تبرکاً یہ مزار بنادیا گیا۔

۱۰ مصر کی پولیس کے سب سے بڑے افسر، براؤنگرینز ہیں اور مصری حکومت نے ان کو پاشا کا خطاب دیا، ۱۱ مصر کی لبرل پارٹی کے لیڈر تھے، دوبار وزیر اعظم بھی بنے۔

۱۲ ڈاکٹر فواد، ڈاکٹر عبد الحمید سعید کے ساتھیوں میں سے تھے، عربی زبان کے بے مثل ادیب اور شعلہ بیاں مقرر تھے۔ انور پاشا کے دست راست کی حیثیت سے بٹے بٹے کام کئے۔ آخر عمر مصر میں واپس آگئے تھے اور وہیں انتقال فرمایا۔

فرمانے پر عبدالحمید سعید بے کے مکان پر نظر کر کے تھے، ہندوستانی طلباء نے
الاندر ہر سے ملنے اور ان کے اور الاندر کے ایک بڑے عالم شیخ زنگھونی
کے مجھے اسٹیشن تک رخصت کرنے کے لئے تشریف لائے اور شیخ قاضی ابوالحسن
کے صاحبزادے اور اپنے منہج سفر حج اور ہمارے معزز ترجمان کے ہمارے
استقبال نیز ہماری مشائعت کے لئے ان کے حکم سے تشریف لائے، گلاب کے
پھولوں کے ایک خوشنما اور خوشبودار گلہ رستہ کو ہندوستانی طلبہ کی طرف سے
پانے اور بالآخر قاپڑہ سے ایک عجیب کیفیت کی حالت میں رخصت ہونے
کا حال انشاء اللہ جلد لکھا جائے گا، اس کا انتظار کیجئے اور اپنی صحت اور
ہمدرد کی کامیابی کی دعاء جو مانگ رہا ہوں پامین کہئے۔

پورٹ سعید، اگر ہر بائیس فواب صاحب پالن پور اور ان کے ساتھ ٹھاکر صاحب
لمبیڈی کے صاحبزادے سے ملاقات ہوئی اور جب ایک بجے کے بعد جہاز میڈی
ٹرینین بکیرہ روم، میں اتنی دور چلا آیا کہ راہنما روشنیاں سب پیچھے پرہ گئیں تو
میں اپنے کمرے میں گیا اور نماز عشاء پڑھ کر ہندوستان کی آواز اور تمام دنیا کی
آواز کی دعاء کر کے سونے لیٹ گیا۔

سمندر میں کسی قدر جوش ہے، مگر الحمد للہ کہ سوچ بکل ہوا ہے۔ اور بارش نام
کو نہیں ہے۔ موسم نہایت خوشگوار ہے اب جہاز کے متعدد انگریز مسافر بھی نہایت
تپاک سے ملتے ہیں بعض سے دینک سیاسی مسائل پر گفتگو بھی خوشگوار طریقہ پر ہوتی
ہے۔ ایک صاحب نے جو پنجاب سول سروس میں تھے۔ اور اب بیکانیر میں ہیں اور
آپ کا آزاد خیال ملاؤں سے شمار ہوتا تھا۔ فرائد مجید پر بڑا عبور تھا۔ جو مرحوم شیخ عبیدہ
کے شاگرد تھے،

مصر کے ایک اہل طریقت بزرگ، خلافت کے احیاء کے بڑے داعی تھے،

جن کا نام سٹر Rudkin ہے مصنف LOST DOMINION کی
تازہ ترین تصنیف GARDEN OF ADONIS پڑھنے کو دی ہے جسے
تقریباً ختم کر چکا ہوں۔

اب مالٹا کا ساحل قریب خط بند کرتا ہوں۔ پہلی بار P.O. کے جہاز
Wealth سے سوار ہو کر جا رہا ہوں اس لئے خط کو یہیں سے ڈالنے کا موقعہ
مل گیا۔ پرسوں انشاء اللہ مارسیلینہ پر جہاز ٹکماندا رہو گا میں نے سوائے آپ دو حضرات
کے یہاں سے کسی کو خط نہیں لکھا ہے میرے گھر میں خیریت کہہ دیجئے گا اور نیز شرکت
علی صاحب اور عرفان صاحب کو لکھ دیجئے گا۔

آپ کا دعاگو
محمد علی

قاہرہ میں ایک دن

۵۱۔ کیوڈلش روڈ۔ کلیسیا پریم پارک

لندن۔ ایس۔ ڈبلیو ۱۲۔ ۱۸ جولائی

پیارے ماجد میاں و ظفر الملک و جعفری۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
امید کہ گذشتہ ہفتوں میں بگیم صاحبہ اور مولینا عرفان کے نام کے
خطوط سے آپ کو میرے متعلق کافی اطلاع مل گئی ہوگی۔ آج ایک ماہ اور ایک ہفتہ کے
بعد ارجن کی داستان، جہاں اسے الٹ کے قریبے لکھتے ہوئے خط میں چھوڑا تھا،
پھر شروع کرتا ہوں۔ ابھی ایک عزیز کو مفرنا کا جنہیں بظاہر میری مصروفیتوں کا ابھی تک
مطلق تجربہ نہیں، خط آیا ہے جس میں نہایت اصرار سے درخواست کی گئی ہے کہ جس
طرح میں نے ماجد میاں و ”شکار“ کو بہت دلچسپ اور بہت طویل خط لکھا ہے،
اسی طرح ”ہفتہ میں کم از کم ایک خط“ انہیں بھی لکھا کروں۔ شاعری کی طرح دلچسپ
اور طویل خط لکھنا کاریکاراں است۔ جہاز میں سوائے خط لکھنے کھانے و سونے
کے اور شغل ہی کیا تھا لیکن اب ڈاکٹر سے ہفتہ میں تین بار ملاقات ہوتی ہے، جو گھنٹہ
بھرنے تک رہتی ہے۔ اس لئے یہاں سے تیار ہو کر جانا، ”زمین و فزیرا“ یا ”آمنی بس“
(یعنی سب کے لئے) یا میری اصطلاح میں غریب پرور یا ٹریم کا سفر پھر چوراہہ پر
پھیر کر چیر کر، موٹروں، بسوں اور ٹریکوں سے بچکر ان کے مطب تک پہنچ جانا، قدرے
انتظار کرنا، پھر اسی طرح واپس آنا، بیشغابہ بھی دو گھنٹہ سے کم کا نہیں۔ پھر دندش
وغیرہ الگ ہی۔ اس کے علاوہ جب گھر سے نکل کر سات آٹھ میل کے فاصلہ پر انگو

ملنے کے لئے جایا جائے تو یہ بھی مشکل ہے کہ فوراً ہی واپس آیا جائے کسی نہ کسی اور سے بھی ملنا ہو ہی جاتا ہے۔ یا سبنا یا تھیںڈ میں دل بہلایا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر سے نکلنے کے بعد بانچے چھ گھنٹہ سے کم میں واپسی نہیں ہوتی۔ پھر بالعموم خط لکھنے کے لئے جمعرات ہی کو، جس دن ہفتہ کی ڈاک ہندوستان جاتی ہے بلیجا جاتا ہے اور اکثر ناممکن ہوتا ہے کہ اس دن بھی کسی سے نہ ملا جائے یا کہیں جانا نہ پڑے۔ چند گھنٹوں میں بیوی کو، بچپوں کو، بھائیوں کو، دامادوں کو، مہاراجہ صاحب اور کو، آپ حضرات کو، مولینا عرفان کو اور دوسرے دوست احباب اور اعزہ کو بہت دلچسپ اور بہت طویل خطوں پر اصرار اور وہ بھی ہر ہفتہ کم از کم ایک خط کس طرح لکھا جلتے؟

صاحبو! میں ”ہمدرد“ کی اڈیٹری ہی سے ننگ تھا۔ اگلاڑی بچھاڑی تڑا کر یہاں بھاگ آیا، مگر اب یہ بہت دلچسپ اور بہت طویل خطوں پر اصرار اور وہ بھی ہر ہفتہ کم از کم ایک خط“ پر اصرار تو مجھے یہاں سے بھی مفرد ہونے پر مجبور کر لیگا۔ اور اھون البلیتین کے طور پر ”ہمدرد“ کی اڈیٹری مجھ سے پھر کر واکر چھوڑے گا۔ جن نوجوان عقیدتمند دوست نے جعفری سے میل تپہ پوچھ کر اپنے محبت نامہ میں اس طرح اصرار فرمایا ہے، اور آپ لوگوں پر رشک کا اقبال جرم بھی کیا ہے، وہ ”ہمدرد“ پڑھتے ہی نہیں، بلکہ اس کے لئے کچھ کچھ لکھا بھی کرتے ہیں، اس لئے اگر آپ نے اس خط میں بھی تاذین ”ہمدرد“ کو شریک کر لیا۔ تو یہ عذرت ان کی نظر سے بھی گزرے گی اور امیت سنگھ کہ وہ مجھے محادث فراویں گے۔ لطیف یہ ہے کہ وہ محض ان خوش کمپیوں ہی پر کفایت کرنا نہیں چاہتے جس سے اس قسم کے ”بہت دلچسپ اور بہت طویل“ خط بھرے ہوتے ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ مختلف موضوعات پر لکھچوں کا ایک سلسلہ تیار کر کے بھیجا جائے، جس میں

۱۔ ہر مضمینوں میں سے مکتہ

پہلا موضوع فنِ صحافت ہو میں اپنے جانشین، موجودہ اڈیٹر ”ہمدرد“ کی طرح بار بار ”ہمدرد“ میں شکایت کر چکا ہوں کہ جو مسلمان حضرات (اور یہی حال ہندو حضرات کا بھی ہے) ”ہمدرد“ کی پالیسی کی اس وقت شکایت کیا کرتے ہیں جب خود ان سے اس کی اشاعت کی کمی کی شکایت کی جاتی ہے وہ حقیقتاً ”ہمدرد“ کو پڑھے بغیر ہی اس کی پالیسی پر ناک بھوں چڑھایا کرتے ہیں جس طرح ہندو حضرات اسے منتعصب ملی چمپہ کہتے ہیں اسی طرح مسلمان حضرات اسے ہندو پرست پچہ کہتے ہیں اور

ص :- از مذہب من گبر و مسلمان گلہ دارد

لیکن یہ سب اسی وجہ سے کہ نہ ہندو اسے پڑھتے ہیں اور نہ مسلمان اگر دونوں پڑھیں اور تعصب کی عینک تار کر پڑھیں تو اُسے ایک حق پرست، ملک دوست، ملت پرور پچہ کہیں گے۔ اس طرح بے پڑھے اس کی شکایت کرنے کے لئے میں نے ایک لقب تجویز کیا تھا، جو ”ہمدرد“ کے ایک مقالہ افتتاحیہ کی سرخی تھا، اور وہ ایمان ”بالغیب“ کے جواب میں ”کفر بالغیب“ ہے! افسوس، اپنے ان نوجوان دوست کے متعلق کیا کہوں جو ”ہمدرد“ کے اڈیٹر سے باصرار کہتے ہیں کہ ”ہر مہفتہ کم از کم ایک خط“ اور بہت دلچسپ اور بہت طویل خط لکھا کرو۔ اور فرمائش کرتے ہیں کہ ”فنِ صحافت“ پر ایک لکچر سے اس سلسلہ کی ابتدا کرو۔ ارے بھائی! ”ہمدرد“ کے کم از کم بیس مقالات افتتاحی اسی موضوع پر لکچر تھے، مگر بظاہر دوستوں نے انہیں پڑھا نہیں ان پر توجہ نہیں کی، اور دشمنوں نے جلد سے جلد بلا غسل و کفن و نماز جنازہ انہیں سپرد خاک کر دیا۔ اب پھر لعنت بعد الموت پر کیوں اصرار ہے ہاں عظامِ میم کا خیال ہی نہ کر دو۔ لعلِ حیدر کی طرف متوجہ ہو ”شیطان“ نکالو ”حول“ نکالو۔ میرے دفتر پارینہ کو پڑھنا ”داعیائے سب سے گونا گونا رہ گئے۔ یہ کونسی ڈاکٹری اور کونسی جراحی ہے؟

خبر اب ارجمن کی داستان سنئے۔ غالباً میں نے یہاں تک تو ماتلا والے خط میں عرض کر دیا تھا کہ ہم سوئیز کی بند لگا کر پرائیڈے تو ڈاکٹر احمد فواد بے اور ان کے ایک دوست دوسو ٹریس لئے موجود تھے۔ ڈاکٹر عبدالحمید سعید بے کی زبردستی اور بڑی سو ٹریس تو میں نے مس رام، مسٹر دیداد مسٹر قاسم علی منجی کو جنہیں ہم ڈاکٹر مونیجے کہتے تھے، روانہ کیا، اور خود میں اور ڈاکٹر احمد فواد بے امدان کے دوست ڈاکٹر فواد کی بند سو ٹریس روانہ ہوئے۔ راستہ ۹ میل سے زیادہ ہی ہو گا، اور عجیب بات ہے کہ سوئیز سے لیکر قاہرہ تک سوائے ریلوے میڈان کے سارے راستہ میں کچھ نہیں۔ ایک بستی نظر نہیں آئی۔ سوائے ان چند چوکیوں کے جو راستے میں پانچ جگہ بنا دی گئی ہیں۔ نہ کبھی انسان نظر آتا ہے۔ نہ حیوانات، نہ نباتات۔ ان چوکیوں میں البتہ ایک آدھ پیراگتا نظر آیا اور ایک آدھ آدمی دکھائی دیا۔ میں نے اپنے دو مصری احباب کو صرف اسی لئے سوئیز بلایا تھا کہ راستہ کے تین سائے تین گھنٹے ضائع نہ جائیں، اپنا درودل اُن کو سنا دوں، انکی داستانِ عمن ان سے سُن لوں۔ مگر اسٹہ کی ویرانی نے قوم مدینہ منورہ کا سفر برباد دلا دیا۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھرباد آیا

سنئے میں ڈاکٹر عبدالحمید سعید بے وغیرہ سے روم میں نصرت ہوا تھا۔ اس کے بعد کے تمام واقعات احمد فواد بے کو سنا دئے تاکہ مصری احباب ہندوستان اور اس کے مسلمانوں کے حالات سے پوری طرح واقف ہو جائیں۔ اپنے یورپ بھیجے جانے کا بھی حال سنا دیا، جسے سُن کر ڈاکٹر احمد فواد مبارکہ صاحب اللہ کی فیاضی چشِ عیش کرنے لگے۔ مصر کے بھی تمام حالات سنئے۔ میں نے ان دونوں حضرات کو بخوارہ دیا تھا۔ اس میں کبھدیا تھا کہ میرے آنے کی اطلاع

میرے اکسفورڈ کے رفیق محمد پاشا محمود کو بھی کروینا۔ وہ سعد پاشا ز اغلول کے ساتھ جبرالٹر ہی میں اس وقت روک لئے گئے تھے جبکہ وفد عن کمیشن کی (جو مصر کا سائن کمیشن تھا) ناکامی و نامرادی کے بعد یورپ جا رہا تھا، اور جس طرح میں اس وقت چھٹڈ واٹرہ میں نظر بند تھا۔ وہ جبل الطارق میں نظر بند کر لئے گئے تھے۔ پھر جب ۱۹۱۲ء میں نظر بندی کے بعد وفد خلافت کو لیسکریورپ گیا تھا وہ سعد پاشا ز اغلول اور ان کے شرکاء کے ساتھ یورپ کو گئے تھے، بالخصوص ان کو سعد پاشا نے گفت شنید کے لئے انگلستان بھی جانے دیا تھا کیونکہ وہ انگریزی جانتے تھے، انگریزوں میں مدتوں رہے تھے، اور مقبول بھی تھے۔ سعد پاشا ز اغلول کے متعلق عام طور پر ہندوستان میں یہ غلط فہمی ہے کہ وہ ملک مہاراج کی طرح انگریزوں سے بد دل اور ان کی مصر میں مداخلت سے ہمیشہ سے بیزار تھے۔ لیکن حقیقتاً وہ مصر کے رئیس چند ردت یا سری کرشن گپتا سے زیادہ نہ تھے۔ لارڈ کرآمر کے زمانہ میں محکمہ تعلیمات کے وزیر رہ چکے تھے وہ بڑے معتدل (ماڈریٹ) تھے، ہرگز انتہا پسند (اکسٹرمیٹ) نہ تھے۔ البتہ بڑے عمدہ مقررہ کرنے کی وجہ سے انہوں نے وفد کے سرکردہ ہو کر وہ مقبولیت حاصل کی تھی کہ جس نے بیجاری "حزب الوطن" (اکسٹرمیٹ نیلسٹ پارٹی) کی اس ہردلعزیزی کو مٹا دیا تھا، حالانکہ وہی پارٹی مصر میں ملک مہاراج کی انقلابی پارٹی کا جواب تھی اور مرحوم مصطفیٰ کامل پاشا اور ان کے جانشین مرحوم فرید بے لومکائیہ ملک کا مصر میں جواب تھے چونکہ محمد پاشا محمود انگریزوں میں سعد پاشا ز اغلول سے بھی زیادہ مقبول تھے اور جب کانپور کے قضیہ کے بعد میں ۱۹۱۳ء میں ولایت آیا تھا۔ تو وہ پورٹ سعید کے گورنر تھے اور جہاں تک میر انبیال ہے لارڈ کچنر سے ان کے تعلقات بھی بہت اچھے تھے، اور وفد کی شرکت میں جبرالٹر میں نظر بند

ہونے کے بعد غالباً ۱۹۲۲ء میں جبکہ مصر کی نام نہاد "آزادی" کے خلاف سعد پاشا زافعول نے شورش کی تھی وہ وفد کی پارٹی سے الگ ہو گئے تھے۔ اس لئے میرا خیال تھا کہ موجودہ مشترکہ اتحادی حکومت میں جس میں وفد کی پارٹی اور ان کی پارٹی نے اتحاد GOALITION کر لی تھی، وہ "گرم" نہ ہونگے، بلکہ "نرم" ہونگے لیکن مجھے ڈاکٹر احمد فواز نے سے معلوم کر کے سید خوشی ہوئی کہ وفد والوں سے کچھ زیادہ اُنکی "گرمی" رہی "حزب الوطن" کو آج کل ان پر اعتماد ہے۔ وفد والوں پر سعد پاشا زافعول ہی کے زمانے میں "حزب الوطن" کو (جسے اب نوجینجر NO CHANGER کہتے) زیادہ اعتماد نہ تھا، اور اب تو مصطفیٰ پاشا انخاس کی قطعی سرپرستی اور زیادہ تر محض زبانی جمع خرچ نے اس رہے ہے اعتماد کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔

قاصرہ سے چلتے وقت میں نے اسٹیشن پر سے چند عربی اخبارات خرید لئے تھے انہیں پڑھا تو معلوم ہوا کہ بہت سے برصری مصطفیٰ پاشا وزیر اعظم (سابق) پر اعتراض کر رہے ہیں کہ کیوں لارڈ جارچ لائٹ صاحبؒ روز روز جا کر ملاقاتیں کیا کرتے ہیں اور قبطیوں کے سردار ولیم مکر م صاحب پر کیوں اس طرح لٹو ہیں کہ وہ جو چاہتے ہیں اُن سے کر لیتے ہیں۔ مجھے یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ حکم مال ہیں سینکڑوں عہدہ داروں میں سولے چند کے باقی سب قبطی یعنی عیسائی ہیں۔ ہمارے ہندو بھائی، جو کسی مسلمان کے تقریر پر اس طرح ناک بھوں چڑھایا کرتے ہیں۔ مصر آ کر دیکھیں تو انہیں معلوم ہو کہ مسلمانوں کی اکثریت نے جو مصر میں اس قدر رہے جس قدر صوبہ سرحدی میں ہے، عیسائی اقلیت کے ساتھ قنٹی رعایت کی ہے میں نے حقیقی مالت دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ قبطی عیسائی یوں تو مصری مسلمانوں کے ساتھ قوم پروری اور ملک دوستی اور عربیت طلبی کا بڑے زور شور سے دعوے کیا کرتے ہیں، مگر حقیقت وہ انگریزوں سے بھی ملے ہوئے ہیں اور دونوں

طرف سے خوب اپنا الوسیدھا کرتے رہتے ہیں اگر یہ حالات مجھے معلوم نہ ہوتے تو میں اپنے دوست محمد پاشا محمود کے متعلق بدگمانی سے کام لیتا وہ پہلے مواصلات COMMUNICATIONS کے وزیر تھے اور اب وزیر مال تھے اور انہوں نے استعفا پیش کر کے وفد والوں کی حکومت کا خاتمہ کرا دیا۔ اگر میں چند گھنٹے کے لئے قاہرہ رجون گیا ہوتا تو ڈر تھا کہ یہ سمجھنا کہ محمد پاشا محمود لاڈ جارج لارڈ سے مل گئے اور سعد پاشا زاعول کی پارٹی کو حکومت سے خارج کرا دیا۔ مگر حزب الوطن بھی اس معاملہ میں مصطفیٰ پاشا الخاس کے خلاف ہے اور ان کی وزارت کا اخلراج مصر کے حقیقی وطن پروروں کی مرضی کی خلاف نہیں ہوا۔ میں قاصرہ میں محمود پاشا محمود صلی کے مکان پر کارڈ چھوڑ آیا تھا۔ لیکن جب اس کے بعد ڈاکٹر عبد الحمید سعید بے حرب اور کے گھر کھانا کھانے کے لئے واپس آیا تو ہمارے اکسفورڈ کے دوست محمود مجھ سے ملنے آئے ہوئے تھے۔ افسوس ہے کہ ان کی ایک عزیزہ کا اسی دن انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے شرکت نماز جنازہ و تجہیز و تکفین کے لئے مجھ سے معذرت کر کے چلے گئے، کھانے میں جس پر وہ بھی مدعو تھے، شریک نہ ہو سکے۔ مجھے خوشی ہے کہ ان کے متعلق مصر کے قوم پروروں کے خیالات بہت اچھے ہیں۔ جنگ کے دوران میں وہ ضرور ترکوں کے طرفدار نہ تھے، لیکن وہ مصر کو انگریزوں کی غلامی میں رکھنے کے بھی قائل نہیں ہیں اور کبھی خود غرضی کے باعث انگریزوں کی خوشامد نہیں کرتے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ انگریزی استعمار کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ بھی کر سکیں گے یا نہیں بظاہر اُنکے پاس اس مقابلے کے لئے کوئی آلات نہیں۔ میر خیال ہے کہ مصر کی حالت بھی ہندوستان ہی کی طرح ہے نفاظی بہت زیادہ ہے اور عمل کم اور خود غرضیاں تن آسانیاں بھی ہیں جو لوگ خود غرض نہیں ہیں وہ بھی تن آسانیاں پسند کرتے ہیں دونوں مجہد حیرت کے اس شہر کو دشمن کرانے

کی ضرورت ہے۔

وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں
آرزوں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں

سعد پاشا ز اغلول کی لفاظی اور عمل میں اعتدال پسندی نے اُسی طرح
مصر والوں کو حزب الوطن سے توڑ لیا جس طرح ہمارے سورا جیوں کی لفاظی نے
ہندوستانیوں کو نوچیچ (No change) اور نان کو آپریشن پارٹی
کی طرف کھینچ لیا تھا۔ لیکن جس طرح اب سر نیواس آئنگر جیسے ایماندار سورا جی
اس کے قائل ہوتے جلتے ہیں کہ ان کی کونسل بازی بیکار بلکہ مضرفٹے ہے اسی
طرح مصر کے لوگ بھی اب وفد والوں کی لفاظی سے مایوس ہو رہے ہیں اور غالباً
جلد حزب الوطن کی طرف پھر رخ کریں بظاہر ایک بہت والے جوش والے اور کام
کرنے والے قائد کی ضرورت ہے۔ میں حافظ بے رمضان سے جو حزب الوطن کے
چار پانچ ارکان پارلیمنٹ کے صدر ہیں ملا، نہایت خوش شخص ہیں اور خوش گو
بھی معلوم ہوتے ہیں مگر مصطفیٰ کامل پاشا کی سی بات نہیں، حالانکہ ضرورت اسی
کی ہے۔ عمر کوئی ۵۳ یا ۵۴ سال کی ہوگی۔ ڈاکٹر عبد الحمید سعید بے جو غالباً اس
پارٹی کے نائب صدر ہیں وہ نہایت قوی الجثہ اور بلند قامت ہیں اور انہیں
بین مصری شوکت، کہا کرتا ہوں وہ نہایت پرجوش ہیں اور صاحب ثروت بھی ہیں۔
ادرجے دوم (Rome) ہی میں یسٹنگر تعجب ہوا تھا کہ ان کو قانون پر ایک
تحقیقاتی مقالہ (Thesis) لکھنے میں پیرس کی یونیورسٹی نے ڈاکٹر کی
ڈگری دی تھی۔ نہایت پرجوش مقرر ہیں جنگ کے زمانہ میں جب جمال پاشا کی فوج
مصر پر حملہ کرنے کے بہانہ سے اس طرف بڑھی تھی کہ سر امین ہلٹن (Sir
ion Hamilton) کی فوج گیلی لولی یا بوقاز پر فوراً اس وقت حملہ نہ کرے

جبکہ ترک مدافعت کے لئے تیار نہ تھے تو ڈاکٹر عبد الحمید سعید بے ترکی فوج اور عرب
 رعایا کے درمیان واسطہ کے افسر (Amson Officer) تھے تاکہ سیاسی
 مقامی حالات سے فوج کو واقف اور آگاہ رکھیں مجھے سینکڑوں افسوس ہوا کہ حزب الوطن
 کے ایک پرانے روح رواں سے اُن سے حال میں کسی قدر ناچاقی ہو گئی ہے مگر میں
 اس کا زیادہ ذکر نہیں کرتا اس لئے امید ہے کہ یہ جلد دور ہو جائے گی الحمد للہ کہ
 یہ اور ان کے ساتھی ہا جو اس کے کہان کی پارٹی کا نام حزب الوطن ہے وطنیت کی
 بت پرستی میں گرفتار نہیں شاید آپ نے سنا نہ ہو میں نے عربی میں بھی (Epi-
 erasmus) بنا نا شروع کر دئے ہیں چنانچہ دو سال ہوئے ہیں نے حجاز میں ارباب
 مؤثر کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ”الوطنیت ہی الوطنیت“ (وطنیت - وثیت یعنی
 بت پرستی ہے) جب ڈاکٹر عبد الحمید سعید بے سے روم میں ملا تھا تو اس شوکت بصر
 کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا بھی رہا کرتا تھا جس کی موٹھ سونے کی تھی جس پر ہرام مقصر کی تصویر
 اور یہ الفاظ کندہ تھے المصم للمصمین مصر مصر والوں کے لئے ہے، میں اس
 زمانہ میں بھی اس پر اعتراض کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اس پر کرہ ارض کی تصویر ہونی
 چاہیے اور یہ الفاظ کندہ ہونے چاہئیں ”المخلوقات الخالق“ یاد رکھو الفاظ میں
 العالم بلامسلاہ الحمد للہ کہ ڈاکٹر صاحب نے جمعیت شبان المسلمین ”عیسائیوں
 کے Y. M. C. A. کے جواب پر قائم کی ہے اس کے نوجوان ارکان کو وطن پرست
 اور حریت پسندی کے ساتھ ساتھ اسلام یا با صطلح یورپ (PAN
 ISLAMISM) کا بھی سبق سکھایا جاتا ہے اور اسٹیشن جاتے جاتے واپسی
 پر میں جمعیت شبان المسلمین کی دعوت پر ان کے نئے صدر مقام کی زیارت بھی کر آیا
 ہوں وہاں جہنا سٹاک جنین اور بیپرڈا وکوسیتی کے علاوہ نماز باجماعت کا بھی
 لے ظرافت آمیز لکھ

انتظام ہے اور وضو کرنے کی تمام سہولتیں ہیں۔

مجھے رخصت کرنے پر ڈاکٹر عبدالحمید سعید نے ایک زبردست تقریر میں کہا کہ مسلمانان ہندوستان کے لیڈروں کو اسلامی ممالک میں بھی جانا چاہیے ورنہ یورپ کی سبیران کے لئے کافی نہیں جس کے جواب میں میں نے اسی وقت عرض کر دیا کہ باوجودیکہ ہندوستان اس وقت مرفلس اور مضر نسبنا اس قدر متحول ہے۔ ہم لوگ اسلامی ممالک میں جلتے رہتے ہیں اور وہاں کے حالات سے باخبر ہیں۔ لیکن مصر کے قائدین ہندوستان نہیں آتے نہ ہمارے حالات سے باخبر نہ ہماری اس قدر مدد کرتے ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں کرتے کہ خود آتے ہیں بلکہ اپنے تجربہ کار گورنروں کو آپ کی خدمت کے لئے بھیج دیا کرتے ہیں، چنانچہ ہمارے مجلس کے افسر علی لارڈ جارج لائیڈ اب آپ کے مجلس کے افسر اعظم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابھی اور ممالک اسلامی کسی قدر سوسہ ہیں اور اسلام کو صحیح معنوں میں سمجھنے میں ان کا عالم بیداری شروع نہیں ہوا۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ ہم سے کم سمجھ رہیں بلکہ ان کو خدا کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ ان کی بیداری دیر میں ہوگی۔ اس لئے کہ وہ خواب غفلت میں بھی بہت دیر میں گرفتار ہوئے، نیچے صبح ہوتے ہی بیدار ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے بزرگ دیر میں سوکر اٹھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کو سلا بھی جلدی دیا جاتا ہے۔ ہم ہندوستان والے بدبختی سے سب سے اول سوئے تھے۔ حکومت سب سے پہلے ہم نے کھوئی ہے اس لئے ہم صرکوں اور ترکوں اور برابریوں اور شاہیوں وغیرہ سے پہلے بیدار ہو گئے آپ کی حکومت کو گئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے اور الحمد للہ ترکوں اور برابریوں کی حکومت جلتے جلتے بج گئی۔ یورپ کی وطنیت کا فیشن اب وہاں چل چلا اور یہ ہے لیکن اسلامی ممالک اب جا کر اس کو اختیار کر رہے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد وہ بھی اس بہت پرستی سے باز آجائیں گے اور اس خدا پرستی کی طرف

پھر آئیے جس کا نام اسلام یا بین اسلامزم ہے۔ میں نے اقبال کی فارسی کی نظم جو طابق پر انہوں نے کہی تھی ترجمہ کردے کے سنائی اور ان سے بھی اس لازوال اصول کی داو تحمین حاصل کی۔

ص: ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

اسی سلسلہ میں اشارۃً اور کنایۃً میں نے خطہ سیکن کے فیشن الحاد اور عبد الازق کے فیشن ”نفریق بین سیاست و الدین“ کی خوب منسی اڑائی اور عرض کیا کہ ہمارے بعض ترک شامی۔ مصری بھائی کہتے ہیں کہ آج متدن و نیل کے رہنے والے اس طرز معاشرت پر یکبر کے فقیر کی طرح کیسے جھے رہ سکتے ہیں جو آج سے تیرہ سو برس پہلے ایک بدوی عرب نے عرب کے عیستان میں اختیار کیا تھا۔ لیکن ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ آج آپ کا اس سورج کی روشنی ہی پر کیوں انحصار ہے جو ۱۲ ہزار برس سے بھی زیادہ پرانی ہے حقیقت یہ ہے کہ جس طرح وہ قوانین قدرت جن کو ہم نظام شمسی میں صدیوں سے رائج دیکھتے ہیں، آج بھی نافذ و یکجہ ہیں اسی طرح اخلاقی قوانین بھی ہمیشہ سے نافذ ہیں۔ اور آج بھی انہیں رائج ہونا چاہیئے اور انہیں کا نام نظام اسلام ہے، اسلام کہتے ہیں یہ تیرہ سو برس سے نافذ نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے نافذ ہے اور ہمیشہ نافذ رہے گا۔

”فطرۃ اللہ اللہی فطر الناس علیہا لا تبدل لخلق اللہ“ اس سارے

سلسلہ مصر کا مشہور اندھا ویب ڈاکٹر طحسین، آپ جامعہ مصر کے کلیہ آداب کے پرنسپل ہیں

اور اپنی اس ادنیٰ کی وجہ سے بہت بدنام ہیں؛

خطہ سیکن عبد الازق محمد و قاف کے وڈیو تھے، اسلام کے نظام سیاست پر ایک کتاب لکھنے کے جرم میں مستوب ہوتے، وزارت سے برطرف کر دئے گئے اور اندھ کی ڈگری عین لی گئی۔ آپ سیاست اور مذہب میں نفریق کے بڑے داعی تھے؛

مجمع میں کیا دو شخصوں کی بھی شکل ایک ہی سی ہے اور اسی مجمع پر کیا منحصر ہے۔ کیا سارے عالم میں دو شخص بھیاں صورت کے ہیں لیکن بد صورت سے بد صورت انسان کو بھی انسان سمجھا جاتا ہے گوئی اُس پر جانور ہونے کا شبہ نہیں کرتا مختلف اقطاع عالم کے انسانوں کی صورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں لیکن مراقشی ہو یا چینی قطب شمالی کے قریب کارہنے والا ہو یا قطب جنوبی کا کسی کی شکل ایسی نہیں کہ ہم اس کو منس انسان سے خارج سمجھیں بھیاں اور افکار کا بھی یہی حال ہے، لیکن یکسانیت بھی یکساں ہے۔ اور جس طرح فرق مکانی کے باوجود یکسانیت ہے اسی طرح فرق زمانی کے باوجود بھی صورتوں اور افکار میں یکسانیت ہے۔ لائن بدل دھنک اللہ پھر اس تمام مخلوق کے خالق سے زیادہ صحیح ہدایات ہمارے طرز معاشرت کے لئے ہمیں کون دے سکتا ہے۔ انہیں ہدایات کا نام اسلام ہے اور قرآن کریم ہی تمام افکار عالم اور تمام زمانہ کے انسانوں کے لئے نظام نامہ ہے اور رسول اکرم ہی کی زندگی ہر مکان اور ہر زبان کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ اس استدلال سے تمام جمیعتِ شانِ مسلمین حبیہ محفوظ ہوئی۔ اور انہوں نے بڑے زور سے تالیاں بجاہیں۔

خیر یہ تو رخصت کے وقت کے حالات ہیں میں نے آمد کا ذکر ابھی شروع بھی نہیں کیا ہے چنانچہ اب اس پر آتا ہوں ہماری موٹر سٹرک کے ایک پتھر سے چوٹ کھا کر کچھ بڑبڑسی گئی۔ اور اُس کی اصلاح میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ بیٹری ٹوٹ گئی اور اگر کچھ پیچھے سے ٹامس کلک کی دو موٹریں نہ آتی ہوتیں تو مشکل ہو جاتی ان میں ایک کے پاس سے بالآخر ایک بٹری حاصل کی اور پونے گیارہ بجے عبدالحمید سعید بے کے گھر آکر اترے سب سے پہلے برطانوی استعمار کا نظارہ کیا یعنی افواج برائے قبضہ

(OCCUPATION ARMY) کا ہوائی اسٹیشن (AERODROME)

جہاں ہیلیوپلس (HELIOPLIS) کے قریب برطانوی ہوائی جہاز نظر آیا

اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مصر کو اب تک ایک ہوائی جہاز بھی عبور نہیں آیا۔ مگر
 برطانوی طیاروں کا مرکز موجود ہے۔ ہیملیوپولس (HELIOPOLIS) کو قاہرہ کی نئی
 دہلی سمجھئے مگر نہایت ہی خوبصورت ہے اس لئے کہ تعمیر مراکش سے ایک ہندو مند
 بھی نظر آیا مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ ایک فرانسیسی کاسکونتی مکان ہے۔ شاہ
 محل کے قریب فوجی بارکس بھی دیکھیں اور معلوم ہوا کہ ہر مصری جمہنٹ کے ساتھ ایک
 برطانوی جمہنٹ بھی قیام فرما ہے عبدالحمید سعید کے مکان پر پہنچتے ہی قاضی ابوالعزائم
 کی طرف سے ایک وفد استقبال کے لئے آیا ان کا نواز شہنشاہ بھی ملا وزیر بھی اس
 وفد میں ان کے صاحبزادے اور ہمارے مکہ معظمہ کے سب سے پہلے نرجان بھی تھے جو یہاں
 وکیل ہیں انکے بعد موتر کے آخری اجلاسوں کے قائم مقام سیکرٹری جنہوں نے توفیق
 شریف کی کابلی اور سازش نوازی کے لازمی نتیجے سے بچا کر موتر کی روداد کا ایک مکمل غلام
 آخری جلسہ ختم ہوتے وقت ہیں سنایا تھا اور جو سعود ابن عبدالعزیز و لیبید نجدی کے
 جہاز میں مصر جاتے وقت ہیں بیروت میں ملے تھے۔ یہ علی حسن الاخبار کی طرف سے
 انٹرویو لینے آئے۔ اخبار السبائسنہ میں کراچی کے محمد خاں کا تار چھاپا تھا۔ جس میں
 بتایا گیا تھا کہ ابن سعود کے قتل کے لئے شوکت صاحب امام سنجی کے ساتھ
 سازش کیے ہیں اور اس کے متعلق ایک شخص کے پاس سے ابن سعود کو خطوط ملے
 ہیں جن میں شوکت صاحب کا بھی ایک خط ہے۔ ”ہمدرد“ اور ”خلافت“ میں اس
 ”سازش کے انکشاف“ کی اچھی طرح دھجیاں اڑادی گئی ہیں اور میں جانتا تھا
 کہ مصر کے ایک صاحب طریقت بزرگ تھے۔ خلافت اسلامیہ کے احیاء کے بڑے مہتمم
 تھے۔ ہندوستان کے حالات سے بڑی دلچسپی تھی۔
 ۱۵ ایک شاہی نوجوان تھے۔ ہندوستان بھی آئے تھے سلطان ابن سعود کے حامیوں میں
 سے تھے۔ بعد میں ان سے بھی اختلاف ہو گیا،

کہ آپ لوگ اس کام کو اچھی طرح انجام دیجئے۔ لیکن میں خوش ہوا کہ اس "سائنس" اور اس کے "انکشاف" نے مجھے ابن سعود کی ملکیت اور اس کے مرکز اسلام میں مذہبی جبر و اکراہ کے خلاف اپنے خیالات ظاہر کرنے کا اچھا موقعہ مل گیا اور میں نے ایک مربوط مدلل اور مبسوط بیان میں ان خیالات کا اچھی طرح اظہار کر دیا جس سے آپ لوگ اور قارئین "بہمد" اچھی طرح واقف ہیں۔ نہ معلوم علی حسن صاحب نے "الانخبار" کی کچھ کاپیاں آپ کو اور "خلافت" کو بھیجیں یا نہیں، میں ان سے کہہ آیا تھا کہ ایک ورجن کاپیاں میرے نام ٹامس گک کے پاس لندن بھیج دیجئے گا مگر افسوس یا تو انہوں نے بھیجی نہیں یا وہ پہنچی نہیں۔ صرف ایک کاپی ایک ہندوستانی بھائی کی بھیجی ہوئی جن کی کمینٹ ابوالنصر ہے مجھے ٹامس گک کی معرفت ملی اور میں نے ملتے ہی اسکے ابتدائی حصہ پر ایک سرسری نظر ڈال لی مگر افسوس کہ اس کے دوبارہ مطالعہ سے پہلے ہی ضائع ہو گئی اور یہ میری سستی کا نتیجہ ہے کہ اب تک میں نے مقرر سے اور کوئی کاپی نہیں منگوائی۔ انشاء اللہ آج مقرر بلکھوں گا کہ اس پرچہ کی چند کاپیاں مجھے اور آپ کو ارسال کر دی جائیں۔ اور "الانخبار" کے لئے "خلافت" اور "بہمد" اگر جاری نہیں ہیں تو جاری کر دئے جائیں۔

اس تمام ملاقات میں ڈاکٹر احمد فواد بے میر سے ترجمان تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ عجاج سے بھی بہتر ترجمان ہونگے۔

جامعہ اندھری کی زیارت کی سبیکڈوں طلباء مسجد میں کھڑے بیٹھے اور بیٹھے ہوئے

۱۰ بھوپال کے ایک طالب علم جو کافی عرصہ سے مصر میں مقیم ہیں، موصوف عربی زبان میں بڑا ملکہ رکھتے ہیں۔ اور اکثر مصری اخبارات اور رسائل میں مضامین لکھتے رہتے ہیں۔

۱۱ فلسطین کے ایک نوجوان دیبا نگار بینی زبان پر بڑا عبور ہے عربی کے مشہور انشا پرداز ہیں آپ نے اپنی مصنف کی جسد بدنیہ نے اسلام کا عربی میں ترجمہ کیا اور عربی سے اردو میں ترجمہ ہوا ہے۔

تھے، کچھ کھانا کھا رہے تھے۔ کچھ کتابوں کا مطالعہ کر رہے تھے کیتب خانہ دیکھا، چند نادر کتابیں دیکھیں۔ چند علماء کے مزارات پر فاتحہ پڑھی اور مسجد میں داخل ہونے کا تجویز دو رکعات نماز پڑھی۔ طالب علم ساری دنیا اسلام سے آئے ہوئے ہیں اور تقریباً سب کے سب غریب اور مفلس معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے خدا سے دعا مانگی کہ اُن کو علما سو کے پیچھے سے نکال کر اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرماوے اور اُن کو صحابہ کرام علیہ السلام بنادے تاکہ پہلے مسلمان ہو جائیں اور پھر صحیح اسلام کے نور کا جھنڈا چار دانگ عالم میں پھیلائیں۔ ان کے بعد اتنا وقت نہ تھا کہ امام شافعی کے مزار تک جاتا اس لئے کہ وہ دور تھا۔ محمد علی پاشا کی مسجد کی سبیر کی، واپسی میں محمد یاشاعمو کے گھر جا کر کارڈ بھجوڑا اور پھر ڈاکٹر عبدالحمید عید کے گھر واپس آیا، یہاں مصر کے بہت سے زعماء جن میں سیاست بن شحراہ جریدہ نگار مؤرخ اور چند بڑے عہدار شامل تھے جمع تھے۔ سب سے ملاقات کی اور اس کے بعد کھانے کے کمرہ میں گیا، کھانا دو لمبی میزوں پر تیار ہوا تھا جو معمولی میزوں سے زیادہ اونچی اور بونے (کھلم کھلم) کی میزوں کی طرح تھیں جہاں کھڑے ہو کر کھایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی کھڑے ہو کر کھانا کھایا۔ کھانا مصری تھا جو تقریباً یورپین کہا جاسکتا ہے مگر اس کی مقدار بالکل ایشیائی تھی اسلئے کہ تیس آدمیوں کے خوب پیٹ بھر کر کھانے کے بعد کوئی ڈیڑھ سو کے لئے کافی کھانا بچا تھا۔ گوشت کے ٹکڑوں کو اس خوبصورت طریقہ سے جمع کیا گیا تھا کہ بالکل ایک بالشتیہ اونٹ معلوم ہوتا تھا۔ عمر بھر میں شاید ڈوٹ کر میں نے کبھی کھانا کھایا ہو گا اور میری کیفیت بالکل اُن بزرگ کی سی تھی جو کسی دعوت میں جاتے تھے تو پیچھے تو خوب کھل کھلا کر ہنستے تھے پھر رفتہ رفتہ ہنسی بند ہو جاتی تھی اور بالکل خاموش ہو جاتے تھے اور آخر میں رو پڑتے تھے یہاں تک کہ جنہیں مارنے لگتے اور جب پوچھا جاتا تھا کہ حضرت یہ کیا ماجرا ہے تو فرمایا کرتے تھے کہ تنہائی جب اتنا لذیذ

اس لئے کہ مصنوعی طور پر تو اکثر دنیا دار وین دار بنتے ہیں اور اکثر دین دار بدترین قسم کے دنیا دار ہوتے ہیں۔

اس تقریر کے بعد بہت سی تصویریں کھینچی گئیں اور بالآخر مجھ کو فرصت ملی کہ گھنٹہ بھر کے لئے اس شخص سے بھی جا کر مل آؤں جو برسوں سے میرا محبوب ہے۔ اور جو غالباً آج دنیا کا سب سے بہتر مسلم عالم ہے چنانچہ میں ڈاکٹر احمد فواد کے ہمراہ شیخ شادیش کے مکان پر گیا اور ایک گھنٹہ ان کی صحبت میں گزارا اور ان کی امامت میں عصر کی نماز پڑھی اور ان کے بچوں کے ساتھ کھیلتا رہا اور برسوں کے رنج و غم اور کلفت کو دور کرتا رہا۔ شیخ شادیش انگریزی خوب پڑھتے تھے اور میں دل کھول کر ان سے باتیں کر سکا وہ یہی وہ شخص تھا جو ترک ان اتحاد و ترقی کی روح رواں اور سر کی حزب الوطن کا جان تھا اور جو آج مصطفیٰ کمالی پاشا اور سعد پاشا زاعلک دونوں کے اسلام سے تغافل بلکہ اس کی مخالفت سے مایوس ہو کر ایک گوشہ میں اپنی زندگی کے دن گزار رہا ہے لیکن یہ نہ سمجھے کہ وہ کابل ہے وہ بھی ہماری طرح یہی اعتقاد رکھتا ہے کہ پہلا کام صحیح تعلیم کے ذریعہ سے افکار اور ذہنیاتوں کی اصلاح کرنا ہے چنانچہ وہ محکمہ تعلیم میں مصر کی ابتدائی تعلیم اور ان پڑھ عمر رسیدہ لوگوں کی تعلیم کا بندوبست کر رہا ہے اور دن بدن اچھے تعلیم یافتہ بچوں اور نوجوانوں اور بوڑھوں کی تعداد بڑھ رہا ہے مجھے اس سچے اور سچے مسلمان عالم کے گھر میں بہت سی تصویریں نظر آئیں اور باجہ بھی نظر آیا اور میرا جی چاہا کہ اپنے بعض علماء کو یہاں لانا تاکہ وہ بجائے میرے اس عالم وین سے بحث کرتے کہ یہ چیزیں اسلام میں ممنوع ہیں یا نہیں۔ ایک تصویر تو بہت کچھ عریاں تھی اور شہر پس کی ایک رفاصہ کی تھی جو ان کے جینے یا بھانجے کی کھینچی ہوئی تھی مگر یہ اس لئے نہیں کھینچی تھی کہ اسے عریاں رفاصہ سے عشق تھا بلکہ حقیقتاً یورپ کی تہذیب عریاں کا مذاق

اڑانا مقصود تھا۔ افسوس کہ یورپ کی یہ تہذیب وفد والوں کی سیاست کی طرح مصر میں بھی بہت زور پکڑ چکی ہے اور مصری عورتوں کے لباس یوں کہیے کہ بے لباسی ہیں نمایاں ہے جسم عریاں کے ہر نگہ جرایں اور گھاگہ کی طرح اونچا سا (SKIRT) یہاں بھی استعمال ہو رہا ہے اور جو عورتیں اب تک برقعہ پوش ہیں انکی نقاب بھی اتنی باریک ہے اور اس کے جانی کے پھندے اتنے دُور دُور ہیں کہ سارا چہرہ نظر آتا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حسن کو دو بالا کر دیتا ہے۔ اور جانی کے پھندے خشتاق کو گرفتار کرنے میں اچھی طرح کام دے سکتے ہیں۔ میں ابھی اس کا قائل نہیں ہوں کہ اسلام نے چہرے کو بے نقاب کرنے کی اجازت نہیں دی مجھے حدیث شریف پر عبور نہیں لیکن قرآن کریم میں جو کچھ پردہ کے بارہ میں ہے اسے دیکھ کر میرا یہ خیال ہے کہ جس طرح پرانے فیشن کی ہندو عورتیں صوبجات متحدہ میں سفید چادر اوڑھ کر اور گھونٹ کا ٹھنڈا عزیز واقارب کے یہاں جانے کے لئے سڑکوں پر سے گزرتی ہیں وہ صحیح اسلامی حجاب ہے اور اس سے زیادہ افراط و تفریط ہے لیکن بجائے اس کے کہ یورپ کا سیلاب بے حیائی ہمیں غرق کر دے بہتر ہو کہ علماء اور زعماء ایک بار غور و جھٹکیں اور قرآن کریم اور حدیث شریف کو سامنے رکھیں اور اس کا فیصلہ کریں کہ اسلامی پردہ ہے کیا اور اس کو کس طرح قائم رکھا جاوے اگر یہ نہیں کیا گیا اور شرفاء کی عورتوں کو چار دیواری کے اندر محبوس رکھنے پر اصرار کیا گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ پردہ اور حجاب ہی خست نہیں ہو گا بلکہ شرم و حیا کا بھی قائم ہو جائے گا۔ ترکوں کے ارباب حکومت کی بے دینی ایک بڑی حزن انگ تنگی علماء کی تنگ دلی اور تنگ عملی کے خلاف رد عمل سے ہو رہا ہے کہ ہمارے کسی پردہ کی سختی کا رد عمل بے حیائی کی صورت میں نمودار نہ ہو۔

میں ڈاکٹر عبد الحمید سعید بے کے ہمراہ کنٹیننٹل ہوٹل (CONTINENTAL)

گیا تھا تاکہ وہاں سے اپنا ایک بیگ جس میں کچھ کپڑے تھے اور آموں کا پارسل لے
آؤں جو ان کی موٹر میں مس رامس ویدا وے سٹریٹ کے ہمراہ آیا تھا اور اس ہوٹل میں
خفلی سے اندر لیا گیا تھا وہاں اور لوگوں کی طرح ایک انگریز فسر کی جوتز کی ٹوپی اور
کھڑے تھے، میرے عجیب و غریب کھدر کے لباس اور ہلالی ٹوپی پر نظر پڑی۔
تو انہوں نے عبد الحمید سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ
ہندوستان کے زعم مولانا محمد علی ہیں جو ابھی مجھ سے ملنے تشریف لائے ہیں پھر انہوں نے
سمت متعجب ہوئے اور فرمایا کہ عجیب بات ہے، اب تک میرے محکمے نے مجھے اُن کے
آنے کی اطلاع نہیں دی۔ انگریز رسل RUSSEL نامی ایک انگریز ہیں جو
یہاں کے محکمہ پولیس کے انسپر اعلیٰ ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ یہ آدمی بے حد تشریف

ہیں اور اعلیٰ خاندان کے ہیں۔
خصت کے وقت انٹینشن پرہیت سے ہندوستان جن سے اپنے میزبان کے
مکان پر اور لاٹھریس ملا تھا اور جن میں سے چند کے ساتھ تصویریں بھی بھجوائی گئی تھیں
اور مصری احباب اور عالم الاذہریں زنگونی اور شیخ شادیش وغیرہ تشریف لائے تھے،
ہندوستانی طلباء نے ایک نہایت خوبصورت اور بڑا گلدستہ عطا کیا جسے میں نے اسی
وقت بس رام کو دے دیا۔ یہ وہی کے زمانہ طیبہ کالج میں کمیٹیڑھاتی ہیں، رات کے ساڑھے
دس بجے ہم بندرگاہ سعید پہنچے جہاز پر نواب صاحب پالسی پور سے نیاز حاصل ہوئے آپ
ہم سے ایک ہفتہ پیشتر بدلی ہوئے تھے مصر میں اتر پڑے اور آج ہی صبح سے ہمارے جہاز
میں روانہ ہو رہے تھے آپ کے سیکرٹری اور آپ کے مہمان ٹھاکر صاحب لمبیڈی کے
صاحبزادہ میری بی بی میں سفر کر رہے تھے اور نواب صاحب کے پاس وہ کمرہ
CABIN تھا جسے مہاراجہ آوڑ نے احتیاطاً چند ماہ پیشتر ہی سے اپنے لئے مخصوص
RESERVE) کر لیا تھا کہ کہیں اسی سال شکرکیشی کے لئے ولایت نہ جانا پڑے۔

اس کے بعد ایک بورڈ نہ صورت صاحب جو ہمارے ہم سفر تھے مگر جن سے آج تک کبھی ملیک سلیک کی بھی توفیق نہیں آئی تھی بیک ایک ہم کلام ہوئے فرمایا کہ ہوا صبرہ و کچھ آئے اہرام مصر کیسے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اہرام مصر دیکھنے نہیں گیا تھا انہیں اس سے پیشتر دیکھ چکا ہوں۔ فرمایا کسی بزنس دکارو ہمارے لئے گئے تھے ایہ سب کچھ نہایت ظریفانہ انداز کے ساتھ (میں نے کہا کہ نہیں! میں چند احباب سے ملنے گیا تھا۔ اس پر فرمایا کہ کہو مصر کی سیاسی صورت حال کیسی ہے، ہماری تم پر ہر وقت نظر رہی ہے۔ ہمیں سب کچھ معلوم ہے کہ تم کیا کرتے ہو میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ مصر کی سیاسی صورت حالات کیسی ہے۔ میرا کام تو اسی قدر ہے کہ ہندوستان کی سیاسی صورت حالات جھٹنا ہو سکے آپ لوگوں کے لئے خراب کرنا رہوں بجز اللہ تعالیٰ بھی بہت سے لوگ موجود ہیں جو یہاں کی صورت حال کو بھی آپ کے لئے خراب کر رہے ہیں اس پر بہت جھینپے۔ مگر بھلا یہ کیوں بند ہونے لگے۔ کہنے کہ تم صرف اپنے ملک کا انتظام کرتے ہو۔ ہماری سامنے ملکوں پر نظر رہتی ہے۔ میں نے کہا آپ اسی قوم کے تو ہیں جس کے متعلق لارڈ ساسبری نے فرمایا تھا کہ ان کا ہمیشہ حرا رہتا ہے کہ فوراً چاند کو فتح کر لیا جائے اور اسکے لئے یہ دلیل پیش فرماتے ہیں کہ اگر ہم نے اسے اپنے سامراج میں ملتی نہ کر لیا تو مزخ والے اسے ملتی نہ کر لیں۔ آخر اس پر شرما کر خاموش ہو گئے اور اس کے بعد پھر مارسیلز پہنچنے تک کبھی مجھ سے ہم کلام نہیں ہوئے۔

اچھا، اب اس ۱۸ جولائی کے خط کو ۱۹ جولائی کے دوپہر کے روز ۱۱ جون کو پورٹ سعید سے روانگی ختم کرتا ہوں اور اگلے خط میں انشاء اللہ لندن پہنچ کر کونسل کلب اور پھر مبلٹن میں ٹینس کے ٹورنامنٹ دیکھنے کے حالات سناؤں گا۔ نیرسٹنٹن جا کر فوجی طباعوں کی نمائش اور امر کی فیلڈ میں اکسفورڈ کیمبرج کی کرکٹ میچ وغیرہ بھی یہاں کے سینماؤں اور ایک ٹھیٹر کی اپنی پرانی معشوقہ اور اس کے خاندانی ملاقات

اور اُن کے گھر جا کر چائے پیئے اور کھانا کھانے کے اور دیگر اشخاص سے ملاقاتوں کے اور نیز اس پُرکٹف اور مشکل جستجو کے گماڑہ ظہر کلب و میلٹن اور لارڈس میں کہاں پڑھی جاوے اور نماز عصر و مغرب بنما اور تقریریں کس جگہ اور کی جلتے وغیرہ وغیرہ۔ اپنے پہلے فاقہ کے حالات بیگم صاحبہ کے خط میں لکھوں گا جو اُن سے لیکر پڑھ لیجئے گا بلکہ اس حصہ کو اور مضامینوں کے لئے نشانہ بھی کر دیجئے گا۔

گذشتہ مہینہ میں میری ایک تصویر لارڈس LORDS کے میدان کے دروازہ پر ایک مصوّر نے کھینچ کر شائع کر دی تھی۔ مگر آکسفورڈ کی مجبہ لکسٹ لکھ گیا تھا۔ محمد علی پاشا اور لکسٹ میں تعلق بھی فرسی ہے (محمد علی اور آکسفورڈ میں اب تو تعلق بھی بعید ہو گیا اب "آکسن" کو کون تار باؤ بیٹل والا سمجھے گا) اس بار اسٹریٹنڈ ڈرامیٹک نیوز (Illustrated Dramatic News) کا ایک پرچہ ارسال کرتا ہوں۔ پرچہ ارسال کرنے کا اب وقت نکل گیا۔ صرف چند اوراق اسی خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں جس میں ایک مصوّر نے میری تصویر و میلٹن میں لیکر شائع کر دی تھی۔ جامعہ ملیہ کے سابق طالب علم مقبول علی صاحب نے اُسے دیکھ کر جانا کہ ان کا تفتیق اور بوڑھا استاد انگلستان پہنچ گیا اور جب وہ ملے تو اس کا ذکر مجھ سے کیا۔ کل اخبار والوں نے اس کا بلاک بھی مجھے بھیج دیا۔ اجازت لیکر انشاء اللہ آئندہ آپ کو ارسال کروں گا تاکہ "ہمدرد" اور "خلافت" میں بھی تذکار بین کر ام کیا جاسکے چونکہ مفت کا مال ہے اس لئے حلال ہے۔ ورنہ مجھے اپنی تصویر شائع کرنا حرام معلوم ہوتا ہے۔ بیگم صاحبہ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ کو میرا عدین کا تار نہیں ملا۔ براہ کرم تار والوں سے دریافت

۱۔ ممبر کا ایک شہر الفقیر۔

۲۔ ممبر کے موجودہ شاہی خاندان کا جدِ اعلیٰ

۳۔ جامعہ کے پرنسپل طالب علم عرصہ و نماز سے انگلستان میں قیام نہ رہیں۔

کیجئے ہیں بھی عدل طوائی والوں سے دریافت کروں گا عجیب بات ہے کہ اتنے دام دے کر تار دوں اور آپ کو نہ ملے تار کا پتہ "کمریڈ وھی" لکھا تھا جس تپ سے اب تک تار ملتے آئے ہیں۔

آج ہی صبح کو ۹ مارچ سے ۳۰ جون تک کے "ہمدرد" اور "خلافت" کے پرچے ملے۔ تعجب ہے کہ سوئٹزر سے ارسال کیا ہوا آپ کے نام کا خط کسی میں شائع نہیں ہوا۔ اس نیا دہ تعجب یہ ہے کہ شوکت صاحب کو ابھی میرا عدل کا خط نہیں ملا اس وقت سسکلات والا کی دعوت پر دارالعوام میں چاء نوشی کے لئے جا رہا ہوں ان کی زوجہ ممتاز نے چند مسلمان خواتین کو چاء پر وہاں بلا لیا ہے، ممکن ہوا تو کل جا کر پولیس کی اس تحقیقات پر مباحثہ سنوں گا یوں سیوج اور سرکٹمنجی کے مقدمہ کے سلسلہ میں ہوتی تھی جس طرح مس سیوج سے بیان حاصل کرنے پر پولیس پرجن طعن کی بوچھاڑ پڑی ہے اور سب نے اس کا اعتراف کیا کہ پولیس کسی کو مجبور نہیں کر سکتی کہ کسی سوال کا جواب دے اس کے بعد تو میرا بھی جی چاہا کہ جب ڈوور ہیں (Dover) مجھ سے سوالات بار بار کئے گئے کہ کیا آپ پارلمینٹری کانفرنس میں شریک ہونگے، آپ کس لئے آئے ہیں یہاں کہاں قیام فرمائیں گے وغیرہ وغیرہ، اور محاصل بحری وصول کرنے کے بنانے میرے سامان کو ہر طرف سے الٹ پلٹ کر اور بالخصوص میرے کاغذات اور جب (Seizable Articles) قابل حصول اشیاء، ان اشیاء کی فہرست دیکھ کر جن پر محصول واجب الادا تھا میں نے عرض کیا کہ ان میں صرف SACCHARIN (مصنوعی شکر) کی پیندرہ بیس چھوٹی ٹچھوٹی ٹگولیاں میرے پاس ہیں اور کچھ نہیں ایک افسر نے کہا کہ وہ دکھاؤ کہاں ہیں اور دو سکے نے جھڑک کر کہا سیکرٹن کو جانے بھی دو،

اس صبح اور ان کے ساتھی ہائیڈ پارک میں مشتبہ حالت میں دیکھے گئے، سکاٹ بینڈ یارڈ (لنڈن پولیس) نے سوال چرا کے دوران میں سختی کی، اس پر پارلمینٹ میں پولیس پر بڑی بے فہمی ہوئی اور ملک میں اس پر پڑا شور شرابا۔

اسے کیا دیکھنا (یعنی دیکھنا اصل DUTIABLE ARTICLES کا نہ تھا بلکہ میرے کاغذات دیکھنا تھے) میرے اختیار پر چاہا کہ کہوں کہ مس سجویج اور سیرمونی کے مقدمہ کے بعد بھی مجھ سے سوالات کرنے کا آپ کو حق ہے۔ I am more ^{Severe} ^{Money} Savidge than she, but I have no money with me

جب بار بار پارلیمنٹری کانفرنس کی شرکت کے متعلق سوال کیا تو میں نے کہا کہ (مجھے آپ کی پارلیمنٹ کی کانفرنس کی شرکت سے گھن آتی ہے) (ریڈیز میکڈانلڈ صاحب ایک نام نہاد Common Wealth Conference منعقد فرما رہے تھے) جس سے چمن لال اور اینڈریوز وغیرہ بالآخر ان کے استبداد سے تنگ آ کر چلے آئے) جب اس پر اظہار تعجب فرمایا گیا تو میں نے اتنا اور بڑھا دیا کہ Because I detect your Parliament

(ہے) میں نے ان کے اور سوالات کے جواب میں کہا کہ آپ میرے پاسپورٹ کو دو تین بار دیکھ چکے ہیں کیا وہ کافی نہیں ہے وہ تو آپ ہی کی گورنمنٹ کا عطا فرمودہ ہے اس کا کچھ جواب نہ ملا۔ پھر فرمایا کہ آپ کہاں رہتے ہیں کلکتہ میں تب تو میں نے عرض کیا کہ کم از کم انگلستان کی خفیہ پولیس کو اس کی تو اطلاع ہونی چاہیے کہ علی بردران کہاں رہتے ہیں کہا کہ ہاں۔ آپ لوگ تو ہندوستان میں بہت مشہور ہیں میں نے کہا ایک زمانے میں یہاں بھی بہت مشہور تھے چلتے وقت میں نے عرض کیا کہ آپ نے ناحق میرا اندازت ضائع کیا۔ اب چل کر ریل میں جگہ دلوائیے تو شرم کر فرمایا آپ کو ضرور جگہ مل جائیگی۔ خدا خدا کہ کے جگہ ملی اور مقررہ وقت سے کوئی آدھ گھنٹہ بلکہ چرن گھنٹہ بعد ہم ڈور سے روانہ ہوئے اچھا اب واقعی فرصت -

خیر طلب اور آپ کا دورا قنودہ دعا گو اور آپ کی دعا کا طلب گار

محمد علی

(۷)

مالٹا

ندن یکم اگست ۱۹۲۸ء

پیارے ماجد میاں و ظفر الملک صاحب جعفری
میں اپنے گزشتہ خط میں جو آج سے دو ہفتہ پیشتر لکھا تھا۔ اپنی ارجون کی تمام
کارگزاری لکھ چکا ہوں جو قاصرہ میں واقع ہوئی تھی۔ اور اس ڈاک سے مصری اخبارات
”الانخبار“ اور ”الفتح“ کے وہ پرچے بھی بھیج رہا ہوں جس میں محمد علی حسن صاحب نمائندہ الاخبار
سے میری گفتگو شائع ہوئی ہے اور جمعیتہ شبان المسلمین میں جو تقریریں نے کی تھی اس کی
تائید میں ایک مضمون ہے۔ یہ پرچے آج سے ایک مہینہ پیشتر ہی بھیج دیئے گئے ہوتے مگر غلطی
سے میرے ایک پُرانے شاگرد جو یہاں میرے رفیق اور ایڈی کا نگ اور اس وقت میرے
کاتب بھی ہیں، بھولے سے انہیں ریاست آئر کے وزیر اعظم صاحب کے کمرہ میں ہانڈ پارک
ہوٹل میں چھوڑ آئے تھے اور سارے کمرے میں تلاش ہو رہی تھی اور نہ ملنے پر تعجب تھا۔
دو دن ہوئے کہ راؤگر دھاری لعل نے فرمایا کہ تم کچھ کاغذات میرے یہاں چھوڑ گئے ہو اور
معاذی خیال ہوا کہ وہی پرچے ہونگے جن کی میں اور میرے رفیق اس سرگرمی سے تلاش کر رہے
تھے۔ براہ کرم ان پرچوں کو مولانا عرفان کے نام دفتر خلافت میں بھی بھیج دیجئے گا۔ تاکہ وہ بھی
پڑھ لیں اور اخبار خلافت میں بھی یہ چیزیں شائع ہو جائیں۔

آج ہی صبح ۱۳ جولائی ۱۹۲۸ء کو ”بہار دہکے پرچے“ ملے، جس سے معلوم ہوا کہ
دشمن میں سلطان ابن سعود کے نمائندہ نے اس سازش کی پوری تردید فرمادی، جسے
کراچی والے محمد قاسم صاحب نے بظاہر گھڑا تھا۔ نہ معلوم بارش میں بھی پنجاب کے پانچ

وریادوں میں آنا پانی ہوگا کہ میر صاحب اس میں ڈوب مریں۔ پہلے میں نے عزیزی پاشا مصری جنرل سے ابن سعود کے قتل کی سازش کی تھی۔ شاید اب آپ کے ذوالفقار بھائی کی بارگاہی اب تو بیچاری بہن بھی نہیں رہی کہ ذوالفقار صاحب کے بعد اس کا نمبر آئے۔ لیکن کیا ٹرودوں میں کوئی انقلاب نہیں ہو سکتا کہ وہ بھی سازش کریں تاکہ اس بار میرے دو مرحوم بھائیوں اور ایک بہن اور والدین کا نمبر بھی آجائے۔ مرزے کی بات تو یہ ہے کہ ”ہمدرد“ ہی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک صاحب کو اس کی شکایت ہے کہ ”ہمدرد“ نے اس بار میں کیوں قلم اٹھایا۔ بالکل صحیح فرمایا۔ غالباً غالب کے اصلی دیوان میں ان کا مشہور شعر اس طرح تھا کہ

لکھنے پر وہ ہاتھ کرتے ہیں قلم
وہ لکھیں اور پڑھا کرے کوئی

مجھے یہاں آئے ہوئے اب چالیس دن ہو گئے اور وقت آ گیا۔ جے کہ کچھ یہاں کے حالات بھی آپ کو لکھ بھیجوں، لیکن ابھی میرے سفر کا ایک ٹکڑہ باقی ہے اور وہ ۴۵ مارچ کی تاریخ ۱۱ بجے دن کے مانگہ پہنچتا ہے۔ اس سے پیشتر مارسیلز سے پیرس کے ۴۵ دن کے قیام اور پیرس سے لندن تک کے سفر کے حالات گذشتہ خط میں آپ کو لکھ چکا ہوں۔ مجھے یہ دیکھ کر مسترت ہوئی کہ میری چھوٹی بچی گلنار نہایت شوق سے اپنے بوڑھے باپ کے حالات اخبارات میں پڑھا کرتی ہے۔ اس کے پچھلے خط میں درج تھا کہ اخبارات سے معلوم ہوا کہ آپ کا سامان ڈوور میں خوب الٹ پلٹ کر دیکھا۔ لیکن چونکہ آپ کے خط میں اس کا کچھ ذکر نہ تھا اسلئے غالباً خبر غلط ہوگی۔ کلیر سول غالباً آپ کو میرا پچھلا خط عجیب گنا اور گلنار کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ خبر صحیح تھی۔ چونکہ اس تجسس اور نفیث کی پہلے ہی سے توقع تھی، اسلئے مجھ پر اس کا معلق اثر نہیں ہوا تھا، اور اگر یہاں کے ایک ہندوستانی نامہ نگار نے اس کے متعلق ہندوستان کو تار نہ دیا ہوتا تو میں اس کا ذکر ہی نہ کرتا۔ گلنار بھی ۱۹۱۹ء میں بہت ہی چھوٹی

لے مولنا کی سب سے چھوٹی صاحبزادی

تھیں۔ ان کو اب کیا یاد رہا ہوگا کہ نو برس پیشتر رمضان المبارک میں ہرجون ۱۹۱۹ء کی صبح کو سحری کے بعد ہمارے چھند واڑہ کے بنگلہ کا جب محاصرہ کیا جا چکا اور ہم کو گرفتار کر کے مسلح پولیس کی معیت میں موٹر دل میں ہینول حیل روانہ کیا جا چکا تو کرنل پلاوٹن صاحب ڈپٹی کمشنر کے حکم اور حکومت کی منظوری سے ہمارے گھر کی تلاشی لی گئی تھی۔ لیکن باوجود سخت جستجو کے جس میں احاطہ کی زمین تک کھودی گئی تھی، اور باورچی خانہ کی راکھ کی ہنڈیاں تک الٹ کر، باوجود غالب کے پہلے ہی سے کہہ دینے کے کہ سہ

جلاتے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کھدیتے ہو جواب راکھ جستجو کیا ہے

بہت سی راکھ کھدی گئی تھی، بے چاروں کو کچھ نہ ملا تھا، البتہ خود گلنا ریگیم کی گڈیوں میں ایک خالی کارٹوس مل گیا تھا، جسے وہ مالک مکان کے سکونتی مکان میں سے اٹھ کر لائی تھیں، جہاں چار عیسائی ڈالٹھیٹرز جو بڑے پکے شکاری تھے، اور شیر اور ہرن مار کر لایا کرتے تھے، رہا کرتے تھے۔ اس چھوٹے ہوتے کارٹوس کو ان غریبوں نے نہایت احتیاط سے محفوظ کر کے اس پر اپنی مہر ثبت فرمائی تھی۔ لیکن وہ جیپی (ہوٹنیزر HOWITZER) گن جن کے ملنے کی اُمید تھی، کسی جگہ دستیاب نہ ہو سکی تھیں، حالانکہ یقین کیجئے کہ ہم پورا سامان حرب تیار کر چکے تھے، اس واقعہ کے متعلق میں نے نواب یوسف علی خاں مرحوم، متخلص بہ ناظم کا ایک شعر ہینول سے اپنے خط میں مندر صاحب کو دکھا کر کسی دوست کو لکھ بھیجا تھا، اور وہ

کی تلاش و جستجو کے بھی اس شعر کو دھرتا ہوں سہ

فی محنتی خاتہ تلاشی تو کیا ہو

نکلا سبوترے کہنے میں سرکہ بھرا ہو

خیر اب چلتے چلاتے ماٹا پہنچنے کا حال بھی سن لیتے۔ ۴۴ جون کو ان کے ہمارا جہاز

ماٹا پہنچا تھا اور یہ پی ایئر فیلڈ کی کا غالب پہلا جہاز تھا جو جنگ کے بعد سے واپس گیا تھا۔

ہمارے استقبال کیلئے ہر طرف سے ہوائی جہاز اڑا کر کر رہے تھے اور چیلوں کی طرح یا یوں کہتے کہ سی گلز SEA GULLS کی طرح، جو سمندر کے لئے زیادہ موزوں پسند کا نام ہے، جہاز کے ارد گرد منڈلا رہے تھے بعض طیاروں نے تو خوب ہی کڑب کڑا دیا اور جو لطف ہینڈلن کی طیارہ گاہ جاکر ۲۰ جن کو حاصل ہوا تھا وہ جہاز پر ایک حد تک ۱۴ جن کو حاصل ہو گیا۔ جہازوں پر سے بھی گولہ باری کی مشق ہو رہی تھی اور اسی طرح ہماری سلامی دی جا رہی تھی۔

مالٹا بالکل دیران سا اور تقریباً غیر آباد جزیرہ ہے لیکن ابروں بلکہ کھربوں روپیہ اس پر صرف کیا جا چکا ہے اور ایک ایک جہاز کو ڈروں کی لاگت کا دیاں لنگر انداز رہتا ہے۔ تو میں بھی ہیں اور فرج بھی اور طیارے بھی، پانی میں سرنگیں بھی ضرور لگی ہوں گی، زرہ بکتر سے بھی قلعہ محفوظ ہو گا۔

مال و زر، محنت، دفاعی قابلیت اور ہر طرح کی قربانیاں کو فنی چیز ہے جو اس دیران جزیرہ پر شمار نہیں کی جا چکی۔ لیکن کس لئے؟ نہ اس لئے کہ انسانوں کو زندہ رکھا جائے یا ان کی مادی یا روحانی اصلاح کی جائے بلکہ صرف اس لئے کہ انسانوں کو انسان زیادہ تیزی کے ساتھ ہلاک کر سکے۔ سائنس کے تازہ سے تازہ انکشافات اسی ایک جہلک مقصد کی نذر ہوتے رہتے ہیں اور اس کا نام تہذیب اور امن ہے، میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کا میرے دل پر کتنا اثر ہوا اور نہ صرف دو گھنٹے ہم نے مالٹا کے ساحل کے پاس گزرا ہے بلکہ وہ سا مارا دن اور دراصل کم سے کم مارسیلز پہنچنے تک سا مارا وقت اسی میں گزرا کہ کیا اسی کا نام انتقال ہے اور کیا ساری دنیا کو ایسی تہذیب کی تعلیم کرنا ہوگی۔ اس کے بعد بار بار اقبال کے وہ شعر یاد آتے تھے کہ

اے فروغ دیدہ امکاں بیبا	اے سوار شہب دوراں بیبا
درواد دیدہ آما و شو،	دروغ ہنگامہ ایجا و شو،
نغمہ خود را بہشت گوش کن	شورش اقوام را خاموش کن
حام صہبا ئے محبت باز دہ	غیر و قانون الموت ساد دہ

باز در عالم بسیار ایام صلح ، جنگجویاں مابعدہ پیمان صلح
 ذرع انسان مزدور و تو حاصلی کاروان زندگی را منسملی
 ریخت از جوہر خزاں برگ و شجر چوں بہاراں بر ریاض ما گذار
 سجدہ ہائے ظفلک و بزمناؤ پیر از جبین شرمسار با بگیسر
 از وجود تو سرافرازیم ما پس یہ سوزاں جہاں سازیم ہا

دیکھئے سبل السلام تک دنیا کب اور کس طرح پہنچتی ہے۔ ابھی تو "ہمدرد" میں جواہر لعل
 نہرو کے اس مضمون کا ترجمہ پڑھا ہے جو کانگریس کے آئینوالے اجلاس کے صدر (غدا نہ کرے
 کہ صدر کے بیٹے) نے شاہ امان اللہ خان کے کابل پہنچنے پر لکھا ہے اور جس میں ظاہر کیا گیا ہے
 کہ ہندوستان کی ہر صد ہر جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ دو تین روز بچے کہ میں نے ایک نہایت
 عمدہ نامک دیکھا جس کا نام THE ENEMY یا غنیم تھا جس میں گذشتہ جنگ چھڑنے
 جاری رہنے، صلح ہونے اور صلح ہو جانے کے بعد کے حالات کا نقشہ دکھایا گیا ہے اور بتایا
 گیا ہے کہ جنگ حقیقتاً کسی غیر فیصلہ کن چیز ہے اور فاتح اور مغتور دونوں کو کس طرح تباہ کرتی
 ہے اور غنیم حقیقتاً کوئی دوسری قوم یا ملک نہیں ہوتا بلکہ خود ہمارا بغض، کینہ، حسد، ضد اور
 ہٹ دھرمی ہی ہر جنگ میں غنیم ہوا کرتی ہے۔ سب سے آخری سین باوجود گذشتہ جنگ کے اس
 سبق کے یہ تھا کہ جن غمخواروں کے بڑے گذشتہ جنگ میں مارے گئے یا بے دست دیا ہو کر یا
 مضبوط الحواس بن کر پھر گھر آئے اور زنان شہینہ تک کے لئے متمان ہوئے۔ انہی کے بچے
 سپاہیوں کی دروی پہنتے، کھلونوں کے ہتھیار سے مسلح فوجی بلکل اور ڈرم بجاتے کھیلنے پھرتے
 ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا اس جنگ کے سبق کو بھی بہت جلد بھول گئی اور اسے
 بار بار آموختہ پڑھنے کی ضرورت ہے۔

ایک اور خیال ماشا کو دیکھ کر دل میں بار بار آتا تھا اور وہ شیخ الہند مرحوم کی قید کا خیال
 تھا جس کے دوران میں وہ اپنی صحت اسی جزیرہ میں کھو چکے تھے۔ اب سفر کے آخری دن تھے۔

فرانس کے ساحل پر اکثر مسافروں کو اتنا ماتھا۔ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ رفتہ رفتہ بہت سے انگریزوں سے مجھ سے علیک سلیک کے مراسم پیدا ہو چکے تھے۔ اور چند مجھ سے تفصیل کیسا تھہ گفتگو اور دوستانہ طریقہ پر ریاست کے متعلق بحث بھی کر چکے تھے۔ اسی دن ایک معقول فوجی افسر نے مجھ سے پوچھا کہ آپ جو یہ خلافت کا عقیدہ گلے میں ڈالے ہوئے ہیں یہ کس لئے ہے اب خلافت کیسی۔ اب تو نزدیک اس کو منسوخ کر چکے۔ چونکہ وہ میرے خیالات سننا چاہتے تھے۔ اسلئے میں نے انی جاعل فی الارض خلیفہ کی تفصیل کیسا تھہ اس کی تفسیر سنائی اور بتایا کہ اسلام کن عقائد کا نام ہے جو سارے عالم میں پھیلا نا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور خلافت کس طرح ان عقائد کی استحکام و تبلیغ کے لئے ایک ادارہ ہے۔ ان کو ان خیالات کو سن کر سخت حیرت ہوئی اور کہنے لگے کہ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ آپ دونوں بھائی صرف انگریز کے خون کے پیاسے ہواور ہندوستان میں قتل و غارت کے متمنی، مگر جس فلسفہ کی آپ نے تشریح کی وہ تو لاکھ آہ فی الدین پر مبنی ہے اور دنیا میں اتحاد و اخوت پھیلانے کا فلسفہ ہے۔ گو میں نہیں کہہ سکتا کہ قابل عمل ہے یا نہیں اور بانی اسلام نے اس کی تعلیم دی تھی یا نہیں۔ اس کے بعد پوچھا کہ یہ لباس جو آپ پہنے ہوئے ہیں، یہ بھی مذہبی لباس ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ مذہب کو لباس کے فیض سے کیا واسطہ وہ کوئی RITUALS مناسک کی OLD CURIOSITY SHOP

ازمنہ ماضیہ میں رائج انوکھی اشیاء کی دوکان تو ہے نہیں وہ تو اس دنیا کو صحیح طور پر پرستنے کے طریقہ کا نام ہے۔ اور اس میں صرف وہی اصول بتائے گئے ہیں جو انہی اور ابدی ہیں اور پھر میں نے متنبہ کر کہا کہ البتہ میرا مذہب مجھے اس کا ضرور حکم دیتا ہے کہ میں بھی مات سے گھٹنے تک اپنے جسم کو چھپائے رکھوں اور یہ مردوں کے لئے بھی ستر عورت ہے، اس لئے میں وہ لباس نہیں پہن سکتا جو چند میمیں ہر روز صبح کو پہن کر گرجے کے اس موضع میں تیرا کرتی تھیں جس میں نیچے کے کھلے تن پر ہر صبح بھردیا جاتا تھا اور جہاں وہ بلا تکلف رانیں کھول کر مردوں کے ساتھ تیسرا کرتی تھیں۔ اسے بھائی! ہمدرد میں دیکھتا ہوں کہ ملک ثریا کے واپس آنے پر بشرعی پردہ کی

بحث چھڑی ہوئی ہے۔ قرآن کریم کی آیات کی تفسیر کی جا رہی ہیں۔ میں اپنے مہذب
نئے ققہا سے پوچھتا ہوں کہ پیرس اور لندن کی سڑکوں پر غصّ بصر کس طرح کروں۔ اگر آنکھیں
نیچی کرتا ہوں تو دس بار عورتوں اور مردوں سے سڑک پر تصادم ہوتا ہے اور سڑک کے اس پار
جہاں پہنتا ہوں تو موٹر وں، ٹریکوں اور بسوں کے نیچے کچلا جاتا ہوں اور نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں تو

۵ ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کر شمره دامن دل مے کشد کہ جای نجات

ایک ہمارے دل فگار شاعر نے لکھا تھا کہ

تن ہمد وا خدا ر شند پنبہ کجا کجا نہسم

اس غریب کو کیا خبر تھی کہ دل فگار کرنے والی حسینیں اس سے زیادہ مشکل میں مبتلا
ہوں گی۔ اگرچہ تن پر ایک داغ بھی نہ ہوگا اور تن عریاں چھپانے میں مشکل پیش آئے گی کہ پنبہ
کجا کجا نہسم۔ مارسیلز سے چلتے وقت میں نے ریل میں پڑھنے کے لئے یہاں بہت سے
انگریزی اخبار لئے تھے وہاں فرانسیسی سینے کی غرض سے ایک فرانسیسی کا مصور رسالہ
بھی اٹھا لیا تھا۔ ریل میں بیٹھ کر دیکھا تو مشہور و معروف

LA VIE PARISIENNE

پیرس کی زندگی ہے، اس کے نیچ کے وصفوں پر ایک تصویر تھی جس کا عنوان پیرس کے
اسٹیشن پر ارنیجے گاڑی تھا اس وقت غالباً تمام دوکانوں کی ملازمتیں اور خرید کرنے والیاں
ادھر ادھر سے آتی ہونگی۔ لیکن تصویر میں تھا کیا، خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کوئی تین چار ہزار برہنہ
ٹانگیں تھیں۔ برہنہ نما اس لئے کہ حقیقتاً موزوں سے مستور تھیں لیکن موزوں کی رنگت ساق
سیمیں کی رنگت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ برہنہ نہیں۔ برہنہ نا ہوتی ہیں۔ غالب صاحب تو فرما
چکے ہیں کہ

ہے پرے، سرحد اور اک سے اپنا مسجود

قبلہ کو اہل نظر، قبلہ نما کہتے ہیں،

لیکن آپ ہی بتائیے کہ یورپ کے اہل نظر، ان برہنہ نمائندگوں کو برہنہ نہیں سمجھتے تو کیا۔
 اگر برہنہ تصور نہیں کرتے تو پھر عورتیں ہی کیوں اس رنگ کی جرابیں پہنتی ہیں، اور مرد کیوں
 سیاہ اور آسمانی اور اور رنگ کے موزوں سے، اور بالعموم کہیں زیادہ میگزین موزوں سے
 اپنے پیروں کو ڈھانکتے ہیں اور اس پر بھی اس گرمی کے زمانہ میں جبکہ بقول اخبارات کے گرمی
 کی شدت سے سال گھاس کے پولوں تک میں آگ لگ گئی رہے پورے بھی گورے پولے ہیں
 ورنہ ہندوستان کے کالے پولے میں کبھی آج تک آگ نہیں لگی، فلائین اور ٹیمرہ کی پتلینیں چڑھنے
 ہوتے ہیں۔

اب میرے سفر کو بھول جائیے اور سمجھ لیجئے کہ لندن آگیا اور میرے شاگرد رشید جنہیں
 جامعہ چھوڑ کر نام نہاد مسلم یونیورسٹی چلے جانے کے بعد سے مرتد کہا کرتا ہوں (یاد رکھئے میرے
 مذہب میں قتل مرتد جائز نہیں صرف قتل مفسد جائز ہے) اشرف صاحب اور نضر عمر صاحب
 (نبیل چیمبری) کے صاحبزادہ شوکت عمر صاحب اور جو ناگڈھ کے سابق جج اور علیگڈھ کالج کے
 اولڈ بوائے امین فقیہ صاحب کے صاحبزادہ خالد، اور عبدالغنی صاحب شن بچ کے صاحبزادہ
 اور حیات صاحب کے سالا رجب "ٹلی" صاحب مجھے لینے و کٹو یہ اسٹیشن پر آگئے ہیں اور
 مع میرے سامان کے ٹلی صاحب کی موٹر میں لاکچر میں اور عبدالرحمن صاحب صدیقی کے
 رفیق کار حیدر اور سعید الدین احمد صاحب پرتاپ گڈھ کے وکیل جو اپنے صاحبزادہ فیاض
 صاحب کو دیکھنے آتے ہیں (جو فیقتا یخز جالحی من البیت کی مثال ہے، کئی گھنٹہ کی

ARTIFICIAL RESPIRATION اب ڈاکٹر سعید احمد صاحب اس کا
 ترجمہ کریں، میری رائے میں استقاس ہونا چاہئے) کے ذریعے نبض ساقط ہونے کے کئی
 گھنٹے بعد مر کر جئے تھے) کیسا اتھا اس کے پیچھے ٹیکسی میں تشریف لارہے ہیں۔ اشرف اور
 شوکت صاحب کی دعوت پر انہیں کے گھر قیام کیا جاتا ہے اور دوسرے دن ڈاکٹر سے کچھ
 کہ اسی مکان کو اپنی فروگاہ بنایا جاتا ہے۔ لیکن باوجودیکہ گھڑی رات کے ۹ بج رہی ہے۔

یہاں ابھی مغرب کا وقت بھی نہیں ہوا ہے (یاد رکھئے کہ وسطا پرل سے یورپ میں
 SUMMER TIME ہے گھڑیاں سورج سے ایک گھنٹہ آگے ہیں اور درحقیقت
 یہاں ۱۲ بجے ہیں) اس لئے اسی وقت فیصلہ کیا جاتا ہے کہ ویسٹ اینڈ (مغربی حصہ) جو
 یہاں کے متول طبقہ کے رہنے اور خرید و فروخت اور عیش و عشرت و تفریح وغیرہ کا مرکز ہے
 چل کر شفیع نامی RESTAURANT ریسٹوران میں ہندوستانی کھانا اڑایا
 جائے۔ ہم جانتے ہیں کہ زندگی کے یہ آخری لمحے ہیں۔ کل بارہ بجے ڈاکٹر سے ملاقات ہوگی اور
 ۲۱ دن کا فائدہ شروع ہو جائے گا۔ جتنی بد پرہیزی ہو سکے آج ہی کر لی جائے، چنانچہ پلاؤ،
 کوفتے، مچھلی، قلیہ، شامی اور سیخ کے کباب پر اٹھوی سمیت اور گلاب جامن اور رس گلے اور
 جلیبی اور ربڑی سب زہر مار کی جاتی ہے اور اس سے فارغ ہو کر تقریباً رات کے بارہ بجے
 ہوٹل GECIL سیسل جا کر بچا رہے سرنواس انگلو کر سوتے سے جگا کر خود اپنے آنے
 کی اطلاع دیکھ جاتی ہے، لیکن باآخراں پر رحم کھا کر گھر واپس آیا جاتا ہے۔ دوسرے دن بارہ
 بجے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کا وقت حیدر صاحب مقرر کر چکے ہیں، اس لئے ان کی خدمت
 میں حاضر ہوا۔ انہوں نے میری علالت کی ساری سرگزشت سنی، میرا وزن کیا، میری کمر ناپی،
 اور ایک آلے میں مجھے چھنکوا کر میری سانس تک کی پیمائش کی، اور دوسرے دن میرے قازو
 کا امتحان کر لیا پھر اس طریقہ علاج کی تشریح کی جس کو۔ NATURO THEROPENY
 کہتے ہیں۔ اور جس کے متعلق میں اس سے پیشتر جعفری صاحب کے ذلیعہ ڈاکٹر سعید صاحب کو
 اپنے معالج کرنل اسٹن R.A.M.C. (رائل آرمی میڈیکل کور) کی تحریر و تقریر کی
 ایک مطبوعہ نقل ”ہمدرد“ میں شائع کرانے کے لئے بھیج چکا ہوں۔ آج ہی میں نے بیگم صاحبہ
 کو پوری تفصیل کیساتھ اس طریقہ کی تشریح لکھ بھیجی ہے جس کے مطابق میرا علاج ہونا ہے
 اور اب تک جو حیرت انگیز نتائج حاصل ہوئے ہیں ان کی بھی تصریح کر دی گئی ہے۔ اس لئے
 یہاں میں کچھ زیادہ لکھنا ضروری نہیں سمجھتا۔

ڈاکٹر صاحب سے کھانے اور ورزش کے متعلق ہدایات لیکر میں الور کے وزیر اعظم راء کو ہماری لعل صاحب سے ملنے ہانڈ پارک ہوٹل گیا اور انہیں کے ساتھ کونٹنس کلب میں جا کر لبریر کے ٹینس کھیلنے والوں ٹیڈن، ہنٹر اور پیج کو پین COHEIN اور جرمنی کی کچی ڈرالاٹن اسم FRAULINE ASSIM کو ٹینس کھیلنے اور جیتنے دیکھا۔ چونکہ اس کے بعد ڈیبلڈن کا مشہور ٹورنامنٹ بھی ہوا جسے دیکھنے میں کئی بار گیا، اس لئے ان کے کھیل کی تعریف میں اسی کے سلسلہ میں کہہ دوں گا۔ یہاں اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ میں نے ٹیڈن کو دیکھا کہ ہی جانا کہ ٹینس کے بلے سے کیا کیا سحر کاری کی جاسکتی ہے۔ شب کو گودھاری لعل صاحب نے دعوت دی کہ چلو آج تاج محل RESTAURANT ریسٹوران چل کر (جو ہماری دہلی ہی کے ایک ہندوستانی بھائی کی دوکان ہے) ہندوستانی کھانا کھا لیں۔ وہاں گیا اور یہ پہلا کھانا تھا کہ جس میں روٹی بالکل ترک کر دی گئی اور میں نے اس سبق پر عمل شروع کیا جو کہ ہوں کھانے کے بعد حجت سے نکالے جانے کے بعد مورث اعلیٰ نے سیکھا تھا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن، روٹی ایک بالہ نصیب نہیں ہوئی، اور بار بار جی چاہتا ہے کہ میں بھی یہاں کے متشرع عیسائیوں کی طرح ہر روز دعا مانگوں کہ

GIVE US THIS DAY OUR DAILY BREAD

(آج ہمیں ہماری ہر روز کی روٹی دلو، روزی کی دعا نہیں بلکہ روزانہ روٹی کی مانگی جاتی ہے۔ اس ریسٹوران میں ہمارے دہلی کے تعلیمیافتہ تاجر بدرالاسلام صاحب کے بھائی مصلح الاسلام ملے اور انہوں نے بھی ہمارے ہی ساتھ کھانا کھایا۔ دوسرے دن سے صرف دو وقت کا کھانا ملا اور اس میں سے کم سے کم ایک وقت صرف پھل کھانے کو ملے۔ اور گزشتہ چالیس دن میں سے دن فاقہ کرنا پڑا۔ اس میں سے بھی ایک میں صرف پھل کھانے کو ملیں گے، گو اس کا ضرور شکہ گزار تھا کہ ڈاکٹر نے چھوٹے ہی ۲۱ دن کے فاقہ کا حکم نہیں دیا، مگر اب جبکہ دوبار فاقے کر چکا ہوں، ایک بار مسلسل تین دن اور دوسری

بار پانچ دن اور اس وقت پانچ دن گزر جانے پر ہٹا کا اطمینان سے بیٹھا ہوا ہوں اور رات کے بارہ بج چکے ہیں، لیکن پھر بھی مطلقاً تھکا نہیں ہوں، پورے اطمینان کے ساتھ یہ فیصلہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ اگر یہی حال رہا تو ساری عمر نہایت خوشی سے دن رات میں صرف ایک ہی وقت کھانا کھا کر گزار دوں گا۔ اور وہ بھی اکثر محض پھلوں پر مشتمل ہو گا۔ اس کے بعد سے بجائے اپنے روزنامہ کے (شبنامہ)، دوپہر نامہ، سہ پہر نامہ وغیرہ کا اب بھی ذکر نہیں ہے، ان خاص مواعیت کے حالات دوں گا۔ جو مجھ کو یہاں کے قیام میں پیش آئے ہیں یا آئیں گے۔ لیکن چونکہ یہ خط اب بھی لمبا ہو گیا ہے۔ اس لئے دہلیڈن کی ٹینس میچوں، LORDS لاؤڈز کی کریکٹ میچ، HENDEN کی ٹیاردوں کے کمرتب اور ایک دو چھوٹی میٹنگ کا، کہ جن میں بحیثیت ایک وزیر (جہان) کے شریک ہوا، آج کے خط میں ذکر نہیں کروں گا۔ نہ پارلیمنٹ کے اس مباحثہ کا جس میں مس سٹونج کے ساتھ پولیس کے برتاؤ کی تحقیقاتی کمیشن کی دونوں رپورٹوں پر بحث ہوئی تھی اور جس میں شرکت کے لئے دارالعوام کے اسپیکر صاحب نے مجھے متنازعہ اجنبیوں STRANGERS کی گیلری میں بیٹھنے کا ٹکٹ دیا تھا، یہ سب چیزیں علیحدہ علیحدہ خط چاہتی ہیں، اور انشاء اللہ کبھی نہ کبھی آئندہ خط میں ان تمام حالات کو پیش کر دیا جائیگا۔ ان کے علاوہ جن تھیمٹروں، یا سینماؤں میں میں گیا ہوں ان کا ذکر بھی علیحدہ خط ہی میں مناسب ہے، اور ایک خاص خط تو انشاء اللہ اس موضوع پر لکھا جائیگا۔ کہ میں نے کن کن جگہوں میں، اور کس مشکل سے ظہر و عصر و مغرب کی نمازیں ادا کی ہیں جن صاحب نے نہایت بلند آہنگی سے فرمایا تھا کہ

اذاں دی کسب میں نافوش دیر میں بھونکا
کہاں کہاں تیرا عاشق، تجھے پکار آیا،

ان کی ساری شہنی کر کر ہی ہو جائے گی، جب میں بتاؤں گا کہ میں نے کہاں کہاں چھپ چھپ کر نمازیں ادا کی ہیں۔

برادرانِ من، مہذب ممالک کا اصول ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک جگہ ہوتی ہے اور ان کے نزدیک میل کچیل اور غلطی کی تعریف صرف یہ ہے کہ مادہ اپنی مناسب جگہ کے علاوہ کہیں اور ہو۔ عمدہ سے عمدہ کھانا، اگر وہ باورچی خانے یا کھانے کی میز پر نہ ہوگا، یا کڑواٹھی، ویسجی یا پلیٹ پیالہ کے باہر ہوگا، مثلاً آرام کرسی اور سوفا SOFA پر قالین پر، تودہ میل کچیل یا غلطی ہے اور میں بھی اس مختصر تعریف DIRT IS MATTER OUT OF PLACE کا قائل ہوں۔ اب سنئے کہ اس ملک کے لوگوں نے خوب اچھی طرح سوچ کر ایک جگہ بنا دی ہے اور اگر وہ چیز اس جگہ کے علاوہ تھوڑی دیر کے لئے بھی کہیں اور نظر آجاتی ہے، تودہ چلا اٹھتے ہیں کہ یہ کیا گندگی پھیلا رکھی ہے۔ چنانچہ یقین کیجئے کہ مجھے اپنے گھر کے غسل خانہ میں بھی کھڑے ہو کر غسل یا وضو کرنے میں، اس کی سخت احتیاط کرنی پڑتی ہے کہ پانی کی ایک بوند بھی ٹب، یا منہ دھونے کے برتن کے باہر جا کر لکڑی کے فرش پر نہ گرنے پائے، لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ اس عذر و تکرار کرنے والی قوم نے بھی پہلے سے سوچ کر کوئی جگہ ایسی نہیں نکالی جہاں ایک اشد کا بندہ نما نہ پڑ سکے، چنانچہ میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ کھد رکا لباس پہن کر انگلستان جیسے ملک میں باہر نکلنا، جہاں آج کل لوگوں کے اس پرستعجاب و حیرت کا خانہ نہیں ہوا، کہ دنیا میں سفید رنگت کے علاوہ بھی لوگ ہوا کرتے ہیں، اور ہر ملک میں ایک ہی لباس رائج نہیں ہے، اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ سارے ملک میں اپنی خواہ گاہ کے باہر کہیں کھڑے ہو کر غار پڑھنا، لیکن میں اس نئی دنیا کا کو لباس ہوں اور جس طرح کھد اور عبا قبا کا یہاں کے لوگوں کی نظروں کو عادی بنا رہا ہوں، اسی طرح رکوع و سجود کے منظر کا بھی، اور اگر بیگ صاحبہ اور بچیاں بھی یہاں آجائیں تو شاید ان کی آنکھیں برقعہ دیکھنے کی بھی عادی ہو جائیں۔

میرا ارادہ تھا کہ میں اس خط میں آپ کو کم سے کم اس جگہ کے حالات لکھ بھیجتا جو ۴۴ رجسٹری کو کیمپٹن ہال میں ہوا تھا اور جس میں مہاراجہ صاحب پٹیل نے ہندوستانی

ریاستوں اور حکومت ہند کے تعلقات پر ایٹ انڈیا ایسوسی ایشن کے جلسہ میں اپنا
 لیکچر پڑھ کر سنایا تھا، اور اس پر جید رآباد کے دو ریڈیو منٹوں، پنجاب کے دو
 گورنروں نے ایک وفادار اور دو باغی ہندوستانیوں نے تقریر کی تھی، اور ایک
 سکھ نے ایک ہندوستانی اخبار پڑھ کر سنایا تھا، اور لاڈو کر زن کے ایک سابق
 پرائیویٹ سیکرٹری نے صدارت فرمائی تھی، لیکن یہ موضوع بھی وسعت طلب ہے۔
 اس لئے آج اس پر بھی قلم نہیں اٹھاتا، اور نہ اس کے متعلق ان اخبارات کے
 اقتباسات ہی بھیجتا ہوں جو گذشتہ جمعرات ہی کو میں نے نکال لئے تھے، اس لئے
 کہ اس جلسہ میں شرکت کے لئے حاضر ہونے کے بعد ہی ایک بنگالی طالب علم
 سے میرے ٹیکسی والے کی لڑائی ہو گئی اور بنگالی نے بالآخر ٹیکسی والے کی ناک پر ایسا
 گھونسہ جمایا کہ اس کی ٹرس بھوٹ گئی اور اس جرم میں انہیں پوڈین ٹیل و سیٹ منسٹر
 کے قتلہ میں لے گیا، اور وہ حاضری کے لئے جھکے دے کر چھوٹے اور دوسرے دن مجسٹریٹ
 کے سامنے پیش کئے گئے۔ اور گوسنایا نے سے بچ گئے مگر ٹیکسی والے کو دو پونڈ خرچہ دینا
 پڑا اور مجھے جا کر گواہی دینی پڑی اور ان کے عوض میرا اور سائسر کو دو پونڈ ٹنڈا ٹنڈنگ
 ۶ پانس دینا پڑے۔ امید ہے کہ میرے ان پر جوش بنگالی بھائی کو ایک سبق حاصل ہو
 گیا ہو گا لیکن یقیناً ٹیکسی والے کو اس کی گستاخی اور پاچی پن کا کچھ بھی فرہ نہ ملا اور
 بجائے ۶ پانسی جبر یا لغام کے وہ ایک گھونسہ اور ۲ پونڈ لے مرا چونکہ یہ داستان پلٹ
 بھی ہے اور سبھی بھی، اس لئے اس کو بھی اگلے خط کے لئے ملتوی کرتا ہوں، اگرچہ
 اسکے سننے کا گذشتہ جمعرات ہی کو ارادہ تھا۔ آج چھٹا دن ہے کہ نارنگی اور
 انگوڑے کے عرق کے سوا حلق کے نیچے کچھ نہیں اتر رہا ہے اس لئے آج اسی پر اکتف
 کروں تو شاید مضائقہ نہ ہو گا یا یقین کیجئے کہ مجھے آج بھی مطلق بھوک نہیں معلوم
 ہوتی۔ اور اس وقت ۱۱ بجے چھٹے دن میں یہ معلوم نہیں ہوا کہ میں نے رات

کھانا نہیں کھایا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حسب معمول رات کھانا کھا کر سویا ہوں اور دیر میں اٹھا ہوں، اس لئے اب تک منہ دھو کر ناشتہ نہیں کیا ہے یقیناً جانئے کہ میں آپ کے قلاش اور مغس ملک کے لئے دولت کمانے کا ایک نیا نسخہ لیکر آیا ہوں وہ یہی ہوگا کہ ہر مریض سے فائدہ کرایا جاوے، اور کون ہے جو اس ملک میں مریض نہیں پھیلوں کا عرق پینا ہی کئی دن کے لئے کافی ہو سکتا ہے، اور ہڈیوں میں انگور نہ سہی مگر نارنگیاں اور گنے تو سستے ہیں۔ اچھا اب رخصت فی امان اللہ۔ میں نے بیگم صاحبہ کے خط میں اپنے علاج اور اپنی صحت میں ترقی کی پوری تفصیل دیدی ہے، وہ خط ان سے منگا کر پڑھ لیجئے گا۔ والسلام۔

آپ کا بھائی
محمد علی

پیرس میں چند دن

ہیٹل واکران

ٹزاروین دے تولیری - پیرس

السلام علیکم درجۃ اللہ و بکاتہ

پیاریے

دیکھو تقدیر بلاتدبیر کہاں کھینچ لاتی ہے۔ میں ۱۶ کی شب کو پیرس پہنچا۔ چونکہ لندن میں جب ڈاکٹر سے فارغ ہو جاؤنگا تو ارادہ ہے کہ فرانس میں کسی اچھی جگہ جہاں تنہائی بھی نصیب ہو جائے رہوں۔ اس لئے دو تین دن یہاں رہنے کا قصد کیا تاکہ ڈاکٹر بحجت دہی دود والدام (شوکت اللہ شاہ)

(ڈاکٹر انصاری صاحب کے بھانجے) اور یوسف حسین خان (ڈاکٹر ذاکر حسین خان)

صاحب کے چھوٹے بھائی) وغیرہ سے مل کر ملے کر لوں کہ کہاں یہ سب چیزیں اس طرح مل سکتی ہیں کہ گرانی سے بھی بیچ سکوں۔ مارسیلز صبح کو جہاز پہنچا تھا۔ جلد گامڑی پچھاڑی تڑا کر اسٹیشن پہنچا اور ساڑھے نو بجے دن کے

پیرس کو جانے والی تیز گامڑی میں روانہ ہوا۔ چلنے سے پیشینہ ایک تار "لقوم"

یعنی "راحت لقوم" (ڈاکٹر بحجت دہی) کے نام دیا اور دوسرا "سنترن"

یعنی افتتاحی دکان "بند وستان" کے نام جہاں دود والدام دو گھنٹہ روزانہ کام کیا کرتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ دہی نے اپنے کارخانہ کا تار کا پتہ کچھ عرصہ

۱۔ نام ڈاک دود والدام۔ ایک ترکی پاشا کے صاحبزادے تھے، ماں آسٹریائی تھی، پیرس کے چھوٹے بڑے حلقوں میں بڑے ہر دلعزیز تھے۔ مولانا سید محمد کے سفر میں تعارف ہوا تھا صاحب موصوف بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ اور پیرس کی زندگی کے نشیب و فراز کو اچھی طرح سے جانتے تھے۔

سے بدل دیا ہے اور خود بھی اب سان کلوڑ (ST. CLOUD) میں - جو دار سائی (VERSAILLES) کے راستہ میں بوادی بولان BOIODE BOULOGNE سے نکل کر پڑتا ہے اور جہاں ان کا کارخانہ راحت لقوم تیار کرنے کا بڑا نہیں رہتے - بلکہ پیرس کے ایک ہوٹل میں مقیم ہیں، اس لئے تار نہ ملا - افتخار کی دوکان پر تار اس دن کسی کو نہ ملا - ہفتہ تھا، شاید بند ہو گئی ہو، ایک پولش پولیٹیکل کی رہنے والی، لیڈی اس کی دیکھ بھال کرتی ہے - ان کو دوسرے دن صبح کو ملا دو والدہام ہفتہ اور "اتوار" ایک دوست کے ساتھ جن کے پیرس کے مکان میں وہ ٹولی (NEVILLY) میں رہتے ہیں - دو ویل (DEAWILLE) کے ساحل پر گزارا کرتے ہیں، وہ بھی نہ تھے - میں نے تار میں لکھ دیا تھا کہ انصاری کے بھانجے شوکت اللہ شاہ کو اطلاع کر دینا - وہ بزرگ دہلی سے شروع سٹی میں رخصت ہوئے تھے - ہم سب ان کو اسٹیشن پر جا کر رخصت کر آئے تھے - مگر یہ لطف دیکھئے کہ بیویں شب خود میں نے جا کر ان کا ہندوستان سے ان کی مراجعت پر اسٹیشن پر استقبال کیا - حیدر آباد بھائی اصغر سے ملنے گئے تھے - وہاں سے اوٹی چلے گئے دہلی میں بھائی اور غالب تک کو خیر تک نہ تھی کہ ولایت چلے بیٹے کہ نہیں - انصاری تھے نہیں - ورنہ چونکہ ان کو خط لکھا تھا اس لئے ان سے معلوم ہو جانا اب جب پیرس کے اسٹیشن پر کوئی نہ ملا تو ارادہ کیا کہ ہوٹل وگران (HOTEL WAGRAM) ہی چلا جاؤں، آرام بھی ملے گا اور سب سے مستنا بھی ہے - چنانچہ سب سے مستنا سونے کا کمرہ مانگا - ایک مختصر سا سونے کا کمرہ اور اس کے متصل بیٹھنے کا بھی مختصر ہی سا کمرہ خالی تھا وہ سونے کا

روز پر مل گیا یعنی دس روپیہ روز پر۔ ایک بار اسی قسم کے کمروں میں چند روز کے لئے سہمے بھی تھے، مگر نیچے کی منزلوں میں غالباً ۱۵۹-۱۵۸ میں۔ یہ چوتھی منزل پر ہیں۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی شوکت اللہ شاہ ہی کے گھر کا رخ کیا اس خوف سے کہ زبان نہ جاننے سے کہیں بھگننا نہ پڑے بس یا میٹرو کی جگہ ٹیکسی لیکر گیا۔ یہ معلوم نہ تھا کہ یہاں شوکت صاحب پیرس کے باہر لواح میں رہتے ہیں یا رہتے تھے، درزیوسف حسین کے پاس چلا جاتا جو پیرس ہی میں مقیم ہے اور بہت سے فرینک بچاتا۔ قدم قدم پر ۵/۸ مان (GENT) بڑھتے تھے اور دم خشک ہو رہا تھا، مگر حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ صرف ۵ پائی بڑھ رہی ہیں، اس لئے کہ فرینک بچا رہ خود پونے دو آنہ سے زیادہ نہیں۔ تب جا کر قلب کو کہیں اطمینان ہوا۔

بورگ لادین حد و دہیرس کے باہر ہے شوکت اللہ صاحب جس مکان میں رہتے تھے اس کے مالک سے ملاقات ہوئی اور معلوم ہوا کہ وہ نہیں ہیں۔ پوچھا رہتے تو یہیں ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہیں رہتے تھے۔ پوچھا کہیں باہر گئے ہیں تو ٹوٹی لٹھوٹی انگریزی میں جواب ملا کہ وہ تو آئے نہیں ہیں میں نے پوچھا کہاں سے تو معلوم ہوا کہ ہندوستان جنت نشان سے۔ پوچھا کب آئیں گے۔ کہا کوئی اطلاع نہیں مگر ان کے نام کے خط آنا شروع ہو گئے۔ غالباً جلد آجائیں گے چنانچہ ان کی ڈاک میں اپنا خط بھی نظر آیا جو میں نے اپنے جمان کی ڈاک سے ایک ہفتہ پیشتر ان بزرگ کے نام ڈالا تھا کہ میرے لئے ایک مستساہ کمرہ دو والد ام یاد اکثر بخت دہری کے قریب ہی لے رکھنا۔ وہاں سے سخت پریشان ہو کر پیرس واپس آیا۔ اتفاق سے میاں باسط نے یوسف حسین سے ایک پونڈ قرض لیا تھا ایک لحاف میں اس کا ڈرافٹ بند کر کے مجھے دے دیا تھا کہ اسے، ارسیلز سے ڈاک میں ڈال دیجئے گا ملطف بیہے کاس کا ذکر ہی نہیں کیا تھا کہ اس میں ڈرافٹ بند ہے اور ممکن تھا کہ میں اسے کھودوں۔ احتیاطاً دو خط بھی اٹاچی کیس سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا اس پر یوسف کا پتہ درج

تھا عبدالرحمن نے بھی بلیڈ ڈپارٹر پر چند پتے لکھ ڈئے تھے، ان میں بھی درج تھا اور وہ گلے میں لٹکے ہوئے "خلافت" کے ٹیبلے میں تھے چنانچہ اب اسی پتہ پر سارلون (SARBONE) کے پاس پہنچا۔ مکان ملا۔ گھنٹی بجائی، ایک عورت نے دروازہ کھولا۔ یوسف کا نام لیا تو اس نے فریسی میں کچھ کہا اور سراسر طرح ہلایا کہ دل خوش ہو گیا پھر اس نے بتایا کہ پانچویں منزل پر ہیں، اور ابھی گھر ہی میں ہیں حالانکہ کوئی گیارہ بج چکے تھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ لفٹ (اوپر جانے کیلئے) بنی جھولا نہیں ہے۔ مگر خوش خوش چڑھتا چلا گیا، حالانکہ سانس مجھ سے بھی پہلے چڑھ گیا۔ کمرہ کھٹکھٹایا اور بلا اجازت کا انتظار رکٹے ہوئے کھولا تو میاں یوسف کا خوبصورت چہرہ نظر آیا۔ ابھی سوکراٹھے تھے۔ لباس خواب پہنے ہوئے تھے۔ مجھ کھڈ روپش کو دیکھ کر غدر کیا کہ کھڈر کے کپڑے پھٹ گئے ہیں۔ ابھی لباس خواب (NIGHT DRESS) خرید رہے ہیں نے کہا چلو مجھے سب سے ملو، اور جس کام کے لئے میں پیرس میں رک گیا ہوں، اُسے پورا کرو۔ اور فوراً واپسی بنائی، بعد میں گھاناک کاٹ لیا اور پھر منہ لٹختہ دھو کر سوٹ اور بوٹ پہن کر میرے ساتھ نیچے اترے، گاڑی دن اور اسی وقت ٹیلیفون کی ڈائرکٹری میں شاہد سہ وردی کی نظر سے یوسف حسین صاحب کے مکان کا نمبر گزر گیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی ٹیلیفون پر ہیں، اس لئے گھنٹی بجا کر بات کی۔ جو جواب میں سنا کہ میں ابھی ہندوستان سے آیا ہوں تو فتنیں دلا کے اسی وقت (ویڈوینیر) پر بلایا اور خود پیکانے کا اہتمام کرنا شروع کیا۔ وہ بھی پیرس کے باہر BOIODE BOULOGNE (بوری بولان) کی طرف رہتے ہیں۔ ایک روسی کسان کی شکستہ حال بیوہ جس کا شوہر شاید مارا گیا اور جس کی زمین چھین لی گئی، ان کا کھانا پکاتی ہے۔ ایک روسی کتا جو صرف روسی سمجھتا ہے، ساتھ ہے۔ راستہ میں

ہم موبیوگاسٹان گیلر (M. GASTON GAILLARD) کے گھر ہونے لگے۔ یوسف کستا تھا کہ وہ ہمارے اپناک بڑے مداح ہیں۔ وہ بچائے شبِ خوابی کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور شاید ابھی خطا نہیں بنایا تھا اس لئے نیچے سڑک پر نہ آسکے اور مجھے بھی اوپر آنے کی تکلیف نہ دی مگر چار بجے ہوٹل آنے کا وعدہ کیا اور جب ہوٹل میں ملے تو ہمارے ساتھ چاء پی اور ایک ارمنی ریسٹوران میں نرکی کھانے کی دعوت بھی دی۔

خیر اس وقت تو ہم ان کو دیکھے بغیر شاہد سہروردی کے ہاں گئے۔ خوب مزہ کھانا خوب پیٹ بھر کر کھایا اور خدا کا شکرا ادا کیا کہ جہاز سے اترے اور اس کے ڈھیروں مگر بد مزہ کھانوں سے نجات ملی۔ کھانے کے بعد امریکہ سے آئے ہوئے دھن گہ پال مکہ جی ملے۔ جنہوں نے متعدد عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں اور جن میں سے "My Brother's Face" کی میں نے ہندوستان میں ایک انگریز سے تشریف سنی تھی اور شاہد سے بھی انگلستان کے شاہی شاعر ڈاکٹر برج نے بہت تشریف کی تھی بالکل جوان آدمی ہیں۔ مجھے بھی امریکہ آنے اور پیکر دینے کی دعوت دے رہے ہیں۔ شاہد کے ساتھ مزے مزے کی باتیں ہوئیں۔ یہ چارہ بہت ہی قلیل تنخواہ پر بہت محنت اور بڑی قابلیت سے جمعیت اقوام کے بین الاقوامی اپنی ادارہ وغیرہ کا کام کر رہے ہیں۔ واپسی پر کاسٹان گیلر صاحب ہوٹل میں ملے وہیں سے ڈاکٹر وہی کا پتہ لگا کر ان کو بیلیفون دیا اور وہ آکر ملے اور کھانا بھی ہمارے ہی ساتھ ارمنی ریسٹوران "حاجاں" میں کھایا۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ دیوان جمن لال ایم ایل آ پیرس آئے ہوئے ہیں۔ ایک بجے وہ خود ہی میرے آنے کا سن کر ہوٹل آئے۔ شاہد سہروردی اور گیلر کے ساتھ و اگر ان ہی میں لہجہ کھا کر سفارت افغانی میں گیا اور سردار اعلیٰ غلام نبی خان سے بھی ملاقات کی جب آپ پیرس تشریف لے جا رہے تھے تاکہ جنرل نادر خان صاحب سے جو علیل تھے اور کسی قدر اب تک علیل ہیں، چار بجے لیں تو میں نے آپ کو دہلی میں شام کے کھانے پر مدعو کیا تھا اور حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی نشر و نعت

لائے تھے۔ آپ کے بھائی غلام جیلانی صاحب تو حج بیت اللہ میں اور مقرر عالم اسلام میں سلسلہ میں ہمارے ذہن تھے، اور ساتھ ہی طواف کیا کرتے تھے وہ اگورہ میں سفیر تھے اور میں۔ غلام صدیق خالص صاحب برلن میں تھے اور لمبئی میں بھی، حضرت شاہ ابان اللہ خان صاحب کے ہم رکاب تھے اور یوہپ میں بھی غالباً اس تمام سفر میں ہم رکاب رہے۔ آپ نہایت محبت سے پیش آنے والی سی ہیں باصرہ و سخت نیچے تک پہنچانے آئے اور اپنی ہی موٹر میں روانہ کیا، اور دوسرے دن لنچ کی دعوت دی۔ رات کو وہی نے بھی امی دوکان میں یوسف کو اور مجھے ترکی کھانا کھلایا۔

یوسف بچہ ہمارے صبح ہی سے ساتھ ہے اور ہر وقت ساتھ رہتا ہے اور میری ترجمانی کا کام کرتا ہے۔ مگر جہاں میری دعوت ہوتی ہے ہمراہ نہیں جاتا اور سمجھتا ہے کہ مغربی طریقہ پر صرف میں ہی مدعو ہوں۔ حالانکہ ہر جگہ میزبان نے پوچھا کہ یوسف کہاں ہیں۔ وہ بھی نو بدعو تھے۔ یہی افغانی سفارت خانہ میں دوسرے دن ہوا اور یہی رات ہمارے پڑنے دوست شراعت پاشا کے ہاں ہوا، اگر وہی ان کو بھی ساتھ ہی لے گئے تھے اس لئے انہوں نے اپنے تئیں طبعی نہیں سمجھا۔ خداوند کریم پوری کامیابی عطا فرمائے، اور ان کا نہایت پیارا اور نہایت صالح اور سعادت مند ہے اور بڑی محنت سے تحقیقات میں مشغول ہے۔ فرانسیسی اب خوب بولنے لگا ہے گو میاں شوکت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ انکی فرانسیسی میں ابھی ہندوستانیت پاتی ہے۔ اسنی دوکان ”عاجیان“ میں ترکی کھانا دوبار کھلایا۔ ترکاڑیاں سادہ زینون کے تیل میں پکی ہوئی اچھی تھیں۔ مگر ”صالح“ کا نام نہ تھا۔ بھائی کھانا تو ہندوستان میں بھی خوب پکنا ہے اور وہاں کے خراب گوشت تک کی اصلاح یہ مصالح کردیا کرتے ہیں۔ رام پور سے جلا وطنی اب تک جاری ہے مگر پھر وطن ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ شاید اب دینا پھر میں سرکار کے دسترخوان سے بہتر کھانا کہیں نہیں پکنا۔ اور اگرچہ اس بار میں نے سنت پر ہیز کیا تھا اور خالص انگریزی غذا اور اس میں

میں بھی چربی آنے کے باعث صرف پھلی اور مرغی کھائی تھی لیکن ایک دن نہیں رہا گیا۔
 تھوڑا سا شکر دار جھا ہوا ہی کھالیا۔ اس کا مزہ اب تک آرہا ہے۔ تنہا سے پنجاب سے
 دودھ دہی کہاں اچھا ملے گا مگر غضنفر علی خان ایلم ایل۔ اے کو چکھایا فوراً قائل ہو گئے۔
 دو بار اس ارمنی دوکان میں اور نمبر سی مار افغانی سفارت خانہ میں ترکی لینورٹ بھی
 کھایا۔ جس کے بغیر ترکی نہیں سمجھنے کہ کھانا کھایا ہے۔ مگر امپور کے شکر دار دہی کی
 اور ہی بات ہے۔ ہار کی صبح کو یوسف کو ساتھ لے کر ایرانی سفارت خانہ گیا۔ اور مرزا
 حبیب خان علانی (با اعلیٰ) سے نیاز حاصل کیا بیس ٹوٹی پھٹی فارسی کوئی آدھ گھنٹہ
 بولتا رہا۔ یوسف نے فرانسیسی سے کام لیا، اور معلوم کیا کہ بے حد خوب بولتے ہیں اور
 مدتوں سے یورپ میں رہتے آئے ہیں، کیوں نہ بولیں گے۔ ایک بار وہ کچھ ہماری موزوں
 کی انگریزی سنکر انگریزی میں بھی ایک فقرہ بول گئے تھے تب جا کر معلوم ہوا کہ انگریزی
 بھی خوب بولتے ہیں اور پھر تو کوئی گھنٹہ بھر انگریزی ہی میں باتیں ہوتی رہیں۔ نہایت اہل
 سے فرمایا کہ آپ ضرور ایران ہو کر واپس جائیں۔ دیکھو صحت کیسی رہتی ہے۔ روپیہ کتنا
 خرچ ہوتا ہے! مگر جلد اچھا ہو گیا اور روپیہ بھی کچھ بچ گیا تو شاید دہری ہو کر بغداد
 شریعت کی زیارت بھی کر آؤں گے بلائے معلیٰ اور نجف اشرف اور کاظمین شریعتین
 کی عنایت مالیات کی زیارت کا بھی شرف مل جائے اور ایران اور عراق ہوتا ہوا
 کراچی پہنچ جاؤں۔

سیفر صاحب ایران سے مل کر جب لوٹا تو اندرسوں اور پرسوں کی بایوسی
 کے بعد کہ ٹیلیفون پر ٹیلیفون کیا اور انتخاب کی دوکان "ہندوستان" کی تنظیم پولش
 لیڈی صاحبہ کی طرف سے جواب نہ ملا پھر ایک بار قیمت آزمائی کی اور دو والدہ
 سے ملنے خود گیا۔ پرسوں بھی گیا تھا، مگر دوکان پر کوئی نہ تھا، بند تھی آج بھی
 ایسا معلوم ہوتا تھا، مگر یوسف نے دروازہ کا ہینڈل گھمایا تو کھل گیا اور اندر جا کر

دیکھا تو تن تنہا دو دالام براج سہمے ہیں۔ سنتے ہی غریب دیوانہ وار نکل آیا اور پیرس کے ہاڑا میں ساری خلقت نے یہ تماشا دیکھا کہ ایک دڈہریلی بوڑھا عربی عبا اور ہندوستانی کھدر پہنے ایک فرانسیسی (بظاہر) جوان کے گالوں کو اور منہ کو بوسے دے رہا تھا اور وہ جوان اس کی دائرہ کی چوم رہا ہے۔ جب مصافحہ معانقہ اور بوس و گستاخ کا سلسلہ ختم ہوا تو انہیں لے کر ہوٹل آیا۔ دوپہر کو سفارت خانہ افغانستان جا ہی رہا تھا کہ یہاں کے ایک مشہور ترین ڈاکٹر صاحب کا ٹیلیفون آیا کہ بجائے کل صبح ۸ بجے کے آج ۲ بجے آؤ۔ ان سے ڈاکٹر وہی کے ذریعہ سے وقت مقرر کر لیا تھا اور پیشتر اس کے کہ بنین ہفتہ کا فاقہ کروں مناسب سمجھا تھا کہ ان کو بھی اپنا حال سنا دوں اور ان سے بھی مشورہ لے لوں انکا نام

PROF MARCEL L' ABBE

ہے اور یہاں طب کے شعبہ میں جو چار مشہور ڈاکٹر ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہیں اور فیا بیٹیس کے علاج کے ماہر ہیں میں نے عذر کیا کہ مجھے سفارت خانہ میں لینچ کو جانا ہے کما دو بجے نہ سہی سوا دو بجے تک آجاؤ۔ مگر چونکہ سیفر صاحب خود سفارت خانہ چلا بجے کے قریب تشریف لائے اس لئے ڈہائی بجے سے پیشتر وہاں سے نہ نکل سکا۔ تین بجے ڈاکٹر صاحب کے ہاں پہنچا اور انہوں نے دوسرے دن شام کے سات بجے وقت دہاڑس سے پیشتر بالکل وقت نہ دے سکے۔ مجبوراً انہی کی وجہ سے آج تک ٹھہرنا پڑا۔ اب پونے دس بجے ہیں۔ ۱۴ بجے فجر کی نماز پڑھی۔ آخری وقت تھا اور دراصل ۱۴ بجے تھے کیونکہ آجکل موسم سرما کا دن ہے۔ گھڑی ایک گھنٹہ زیادہ بجاتی ہے۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی خط لکھنا شروع کیا تھا اور دو چار ملاقاتی آگئے ان سے گفتگو ہوئی۔ ایک ایرانی اخبارات کے نمائندے طباطبائی صاحب اور ان کے ساتھی تھے۔ ایک مختصر انٹرویو ایرانی اخبارات کے لئے دیا، اور اب اس خط کو ختم کر کے مسٹر لگ کے ہاں جاؤں گا۔ کچھ روپیہ نکلا کہ ہوٹل کے بل ادا کروں گا اور مساجد بکرہ منٹ کی ٹرین میں

احسب دستور ۱۲۷۱ھ) لندن جاؤں گا۔ ڈاکٹر کے ہاں سے واپس آ کر تشریف پاشا کے ہاں گیا۔ ڈاکٹر وہی وہیں تھے اور رشید سعدی بے جن سے روم میں ملاقات ہوئی تھی۔ اور جو انگریزی خوب بولتے تھے وہ بھی ملے۔ کل رات تشریف پاشا کے ہاں کھانا بھی ان دونوں کے ساتھ کھایا۔ تشریف پاشا کے ہاں سے پرسوں شام کو واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ قاضی عبدالولی خان معہ دو صاحبزادیوں کے جو نہایت حسینہ اور جمیلہ خنیں اور جن میں سے ایک اب مسلمان ہے اور دوسری کو وہ نیم مسلمان اور نیم کافر کہتے ہیں مگر جو شاعروں کی اصطلاح میں دونوں کی دونوں کافر ہیں اور فقہاء کی اصطلاح میں مبین جنت ہیں تشریف لائے ہیں۔ ایک امریکن ہے دوسری آسٹریں جرمن یہاں سے چلتی گاڑی میں کھ رہا ہوں ۵-۱۲ اپریل کو دکنور یہ ۳۰-۱۹ تک پہنچا دیگی مگر ہندوستان کی گاڑی نہیں ہے۔ فرانس کی گاڑی ہے جس میں انقلابی حرکت اب زوروں پر نہیں ہے۔ دونوں تعلیم بھی پارہی ہیں اسرارٹ بھی سیکھتی ہیں۔ جرمن نے کل شام کو کوئی گھنٹہ بھرتیں کوئٹہ یعنی چاک سے میری تصویر بھی کھینچ کر عنایت فرمائی ہے۔

خیر یہ تو ہوا گمراہ کو وہی والدہ ام اور امریکہ کے کھ پتی نے میرے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھایا۔ یوسف کھر گئے تھے۔ شوکت کا تار آیا تھا کہ آرہے ہیں مگر ان کے گھر کی مالکہ یا خادہ انگریزی میں تار ہونے کے باعث صحیح طور سے نہ سمجھ سکیں کہ کس وقت سوار ہوں گے اور کس وقت پہنچیں گے۔ کھانا ختم نہ ہوا تھا کہ وہ آگئے اور عبدیابن نے قیاس کیا تھا وہ بھی اسی گاڑی میں آرہے تھے جس میں آیا تھا۔ ہم سب نے جا کر ان کا استقبال کیا اور دوست انہیں اپنے گھر لے گئے۔ میرا خیال ہے کہ اب تک بھی شاید اس بندہ خدا نے اپنے گھر یعنی بورلاوین (BOURGLA VEINE) میں کسی کو اپنے آنے کی خبر نہیں کی ہے ان کو چھوڑ کر ہم نے وہی کو ان کے ہوٹل کے قریب چھوڑا پھر پریس سے باہر نولی (NEVILLY) میں چونکہ ان کی صحبت سے طبیعت سیر نہ ہوئی تھی

اس لئے پھر وہ مجھے داگڑاں ہوٹل تک چھوڑنے آئے اور آخری میٹر میں واپس ہوئے۔
 صبح ہوتے ہی عبدالولی خان حسب وعدہ آگئے اور پھر دونوں "پچا پچ" بوسٹ
 اور شوکت بھی آگئے اور ہم اپنی آئندہ قیام گاہ دیکھنے کے لئے گئے پہلی رائے فان لین بلان
 (FONTAIN BLAN) کی تھی مگر وہ بہت دُور ہے۔ دوسری رائے ہوئی کہ سان کلو
 یا بادی بولان پیرس کے قریب یا سان ژرمن (ST GERMAINS) میں
 کمرے یا پھوس کے بجٹے کی تلاش کریں۔ اسی لئے آخر الذکر کو دیکھنے گئے۔ نہایت عمدہ
 اور دل فریب جگہ ہے۔ پہاڑی ہے۔ جنگل ہے۔ دریا ئے سین کا کنارہ ہے مگر اس عمدہ
 منظر کو دیکھ کر بیوی بچے اور بھائی بہن یاد آگئے اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔
 جب چلنے لگے تو یاد آیا کہ ہمارا جہ ہیکر بھی تو ہیں ہیں۔ چنانچہ ان کا پتہ دریافت
 کرنے کے لئے بوسٹ کو پاس کے ہوٹل میں بھیجا۔ وہ چند ہی قدم چلے ہو گئے اور ہم ٹیکسی
 والے سے پوچھ ہی رہے تھے کہ ایک راج نے جو پاس کے گھر کی دیوار درست کر رہا تھا
 اور جس نے غالباً ہمارا جہ صاحب کے مکان میں بھی کچھ کام کیا ہو گا بول اٹھا کہ مجھے معلوم
 ہے۔ اور ٹیکسی والے کو پورا پتہ بتا دیا۔ واقعی نہایت ہی خوبصورت CHATEAU
 (شانتو) (COUNTRY HOUSE) (شہر کے باہر والا مکان خرید رہے)۔ ہمیں
 معلوم نہ تھا کہ ہمارا جہ بھی یہیں ہیں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ نئی ہمارائی کے وطن
 امریکہ تشریف لے گئے اور ہم بے دہرک اندر چلے گئے۔ دربان کا مکان بند تھا گھنٹی
 بجائی۔ کوئی نہ بولا۔ تب تو ہم اور بھی بنے نکلے ہو کر ٹیکسی لے کر اندر چلے گئے اور مکان
 کو دیکھا۔ اندر کوئی نہیں معلوم ہونا تھا تاہم دروازہ پر جا کر ہم نے گھنٹی بجائی۔ اب
 تو اندر سے ایک زبردست کتا دروازہ تک آیا اور غولڑی دیر بعد ایک ہندوستانی
 صاحب جو غالباً پکتان بڑودے (ایڈیلیکٹنگ) تھے آئے اور دروازہ کھول کر مجھے
 پہچانا۔ کہ ہونہ ہو علی برادران میں سے ایک دیوانے کھد پوٹ ہو گئے۔ اب کیا تھا ہم

نے پوچھا کہ رشید ہیں تو معلوم ہوا کہ کل ہی لندن گئے ہیں اور ہمارے آٹے کا سنتے ہی پائیاں ہم کو اوپر سے آنے دیجئے کہ رشید کی لڑکی نے مٹی بھرا لائیں پھینچیں اور کہا کہ کیا کروں بیاں پان نہیں ورنہ پان بھیجتی۔ ہم نے شکریہ ادا کیا اور میں نے کہا کہ نہیں کہہ سکتا کہ سلام کمالا بھیجنا زیادہ مناسب اور موزون ہو گا یا دعا کمالا بھیجنا یا پیار۔ ڈرنے ڈرتے ہمارا جہ صاحب کا حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ تشریف رکھتے ہیں۔ مگر زکام کے باعث ابھی خوابگاہ سے برآمد نہیں ہوئے تاہم ایڈیٹنگ صاحب نے خود ہی فرمایا کہ میں اطلاع کئے دیتا ہوں اور جو ارشاد ہو گا اس سے آپ کو مطلع کر دوں گا۔ بڑی دیر تک انتظار کرنا پڑا اب تک کہ میاں شریکت کہنے لگے کہ میری تو آنتیں قل ہوا اللہ پڑھنے لگیں اور قاضی صاحب نے کہا کہ مجھے ۲۰ بجے سے پہلے نیم سلسلہ نیم کافروں کے پاس جانا ہے اگر تم زیادہ رُکے تو میں "روانہ باشم"۔ اتنے میں ڈاکٹر کو سپا دی صاحب آئے اور فرمایا کہ ہمارا جہ صاحب کو زکام ہے اس لئے میں نے آج دیر میں خوابگاہ سے نکلنے کا مشورہ دیا ہے لیکن اب وقت ہو گیا ہے اور ہمارا جہ صاحب نیچے تشریف لارہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے پوچھا کہ چائے پیجئے گا۔ تو "ہیچ" نکلت کر نے لگے۔ میرے ہنونی میرے مسمر میرے سمدمی اور اب میرے سالے بھی نکھوار ریاست رہ چکے ہیں اس لئے میں نے کہا کہ میں تو نہیں بیوں گا (حالانکہ لڑکے کہنے لگے تھے کہ صرف آپ ہی بیجئے) البتہ یہ بچے بہت بھوکے ہیں چنانچہ باجوہ دان کے جھوٹے انکار کے ہم سب کھانے کے کمرے میں گئے اور ایک بیچہ نے اور قاضی صاحب نے چائے پی۔ ابھی ٹینل جاری تھا کہ ہمارا جہ صاحب نیچے تشریف لے آئے۔ اور مجھے بلایا۔ ہمارا جہ کی صحت بھی خراب ہے دل کی بیماری ہے (ORGANIC) نہیں ہے۔ ڈیڑھ مہینہ بعد سوئیٹزر لینڈ جائیں گے۔ سان تریبن سے واپس آکر ہم سب نے کھانا کھایا۔ اور اس کے بعد مس میریلا ہینش (MISS MARIA HEINISH) نے

میری تصویر کھینچی یہاں کے ہندوستانی تاجر موتی مسٹر رانا بن غریب کو مفت میں دوران جنگ میں سان مارٹینیک (ST. MARTINIQUE) میں فرانسیسی حکومت نے نظر بند کر رکھا تھا اور جن سے میں ٹہل بھائی پٹیل صدر اسمبلی کے ساتھ ایک رات کو ملنے گیا تھا اور جو پرسوں بھی تشریف لائے تھے اور کل بھی تشریف لائے اور دہلی تک بیٹھے بائیں کمرے رہے ان کے ساتھ ڈاکٹر وہبی کے ساتھ مارسل لابی ڈاکٹر کے پاس گیا۔ خوب دیکھا بھالا مگر تین ہفتہ کے فاقہ کو پسند نہیں کیا گیا۔ گوا اعتراف کیا کہ کبھی ہمیشہ کے لئے اس سے مرض کی جڑ بھی کٹ جاتی ہے مگر ان کا بھی انصاری کی طرح یہی خیال ہے کہ مرض باقی رہتا ہے۔ اور پھر پریز علاج جاری رکھنا پڑتا ہے اور فاقے کے باعث کمزوری کا بھی اندیشہ ہے۔ تاہم کوئی خطرہ اس میں نہیں بنایا بشرطیکہ ڈاکٹر احتیاط برتنا رہے۔ خود ایک غذا ہم بھی تیار کر دیا اور دو نسخے بھی لکھ دیئے اور پیشاب کا خاص امتحان کیا اور ایویان (EVIAN) میں جہاں کا پانی ہم لوگ ہوٹل ریحینا (HOTEL REGINA) میں پیا کرتے تھے جا کر ایک ڈاکٹر کے ہاتھ کے نیچے علاج کرانے کی بھی ہدایت کر دی۔

یہ تمام داستان بنے میرے آٹھ سال بعد پیرس آنے اور ہوٹل واگراں میں ٹھہرنے کی۔ تم بہت یاد آتے ہو۔ خدا کرے کہ تمہارے آقائے ولی نعمت ہمیں ضرور ہمراہ لائیں جتنا آرام تمہاری ذات سے انہیں پہونچے گا اور انہیں ہرگز نہ پہونچا سکے گا۔ خدا کرے ہمارے دیگر احباب بھی آئیں۔ رات کو تشریف پاشا کے ہاں کھانے کے بعد دینک کا ان اسلام اور تنظیم مسلمانان اور اس کے لئے ایک نئے ٹائپ کے علماء پیدا کرنے اور تاسیس خلافت منہاج خلافت راشدہ پر گفتگو ہوتی رہی۔ کل اس قدر تھک گیا تھا کہ عشاء کی نماز بھی رہ گئی۔ بستر میں داخل ہوئے بغیر ہی اخبار پڑھتا پڑھتا بطخ کے بچہ کے پر کی رضائی پر پڑا پڑا سو گیا۔ مگر الحمد للہ صبح کے یعنی دراصل صبح کے آٹھ بجے اٹھ بیٹھا۔ اور نماز فجر اس بار بوردپ میں پہلی بار نصیب ہو گئی۔ "بچا بیچ" اور وہ والدام ٹامس گنگ

کا ٹوکرا اور قاضی آگئے اور سامان بندھوایا گیا اور سب سے آخر میں (محب و سنو سابق) ٹامس کلک کے ہاں جا کر بیس پونڈ نکلوائے تاکہ ہوٹل کے بل کے ہند رہ پونڈ ادا کئے جائیں۔ اور انعام "بالجبر بخشا" جائے اور لندن کے لئے کچھ روپیہ رکھ لیا جائے شوکت اللہ کو یونی ساتھ لے لیا اور اٹینیا ط کہہ دیا تم جا کر دیکھ لو کسی کا خط کا ہے کو آیا ہو گا، مگر ممکن ہے مہاراجہ الور نے میرے مہار کیا دے تار کا جو ۱۶ کرو عین ان کی سالگرہ کے دن ہارلینڈ سے روانہ کر دیا تھا جواب آیا ہو معلوم ہوا کہ دو خط لندن سے آئے ہیں وہ تو شوکت لے آیا مگر ایک تا بھی ہے جس کے لئے رسید پر مجھے خود دستخط کرنا ہوں گے چنانچہ اوپر گیا اور نہایت اطمینان کے ساتھ دستخط کئے مگر بجائے ایک تار کے دو تار ملے۔ ایک شوکت عمر کا تھا جس کا اور اشرف کا خط بھی آیا تھا۔ ایک کو کھولا تو اس میں بھیجنے والے کا نام شوکت ہی تھا مگر لمبی کا چلا ہوا تھا اور آخری لفظ COURAGE نظر آیا پڑھا تو پہلے الفاظ تھے SISTER DEAD۔ آنکھوں کے تلے اندھیرا چھا گیا اور سکنہ کا عالم سا ہو گیا۔ شوکت اللہ کو دکھایا اور دوسری بار پھر پڑھا اور چپ کھڑکا کھڑا رہ گیا، مگر محمد اللہ پھر خدایا دیا اور انا باللہ وانا الیہ راجعون۔ ہار بار پڑھا اور ہوٹل روانہ ہوا۔ سب کھڑے تھے۔ وہی بھی آگئے تھے پہلے انہیں سے ملاقات ہوئی اور تار کا ان سے ذکر کیا، پھر بل ادا کی۔ اور ایک بہتر فرامک کی بل پر جس کی کہ شراب پی تھی اور جو اسی رات لٹ ہائی گئی تھی جس رات کو میں پیرس ساڑھے دس بجے پہنچا تھا، میجر سے تکرار کی۔ رات ہی ڈنپر شریف پاشا کے ہاں ہناد رشاد کے نام کے تار کے اس فقرے پر کہ Can not give haram wine (حرام شراب نہیں دے سکتا، خوب ہنسی اُڑ رہی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ میں خوب آج

لے آپ ترک ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت کے ساتھ پیرس میں کام کرتے تھے :

سب کو شہین وغیرہ پلاؤں گا۔ پھر جب خود کھانے پر دوایں۔ تو کہنے لگے کہ اسے حرام شراب نہ سمجھنا BACTRIA ہیں جو بطور دوا کے پی رہا ہوں۔ تمہیں یاد ہو گا کہ ایک مہ (ITEM) ریجینا ہوٹل میں سے اس قسم کا بل میں پہلے ہی بار آگیا تھا اور کٹایا گیا تھا۔ اس بار شریک پنجاب کے ایک بزرگ کی عنایت سے جو اسٹیشن پر ملے تھے اور خود ہی ساتھ ہو گئے تھے اور جب میں نے ہوٹل پہنچتے ہی دسکی ORANGEADE (افشرہ نارنج) منگوایا تھا تو ان ذات شریف نے ہوٹل کے خدنگار کے کان میں کچھ کہا تھا چونکہ منہ میں پہلے ہی بو آ رہی تھی میں سمجھ گیا تھا کہ کیا کہا ہو گا اور جب دسکی آئی اور معذرت کی اور کہا کہ میں اپنے والد بزرگوار کے سامنے بھی پیتا ہوں، دوسروں کی طرح ریاکار نہیں ہوں۔ اور پھر کہا کہ دونوں چیزوں کی قیمت میں خود ادا کر دوں گا۔ میں نے کہا نہیں میں اپنا خرچ دوسروں پر نہیں ڈال سکتا میں افشرہ نارنج کی قیمت خود ادا کر دوں گا تو فرمایا کہ مگر اس کی (دسکی) کی طرف اشارہ کر کے، قیمت تو آپ نہیں دیں گے جس کا میں نے اعتراف کیا۔ بڑی مشکل سے میں نے ان ذات شریف کو پونے بارہ بچے رخصت کیا۔ پھر وضو کر کے نماز ادا کی اور سونے لیٹا۔ ساڑھے بارہ کے بھی بعد دروازہ کسی نے کھٹکھٹایا۔ میں اندر سے بند کر چکا تھا اس لئے ENTREE (اندر نہ آؤ) کا تختہ تھا۔ خود جا کر دروازہ کھولتا پڑا۔ کھول کر دیکھتا ہوں تو یہی ذات شریف کھڑے ہیں اور ہوٹل کا پورٹر (PORTER) کہہ رہا ہے کہ دو پونڈ کے عوض مجھ سے دوسو میں فراہم انہوں نے مانگے اور نیچے دو انگریزوں کے ساتھ شراب پی اب پونڈ نہیں دیتے۔ ان سے پوچھا گیا تو نئے میں چور تھے جواب دینا اور بھی مشکل ہو گیا۔ سب کا قیاس ہے کہ ان کے مانگنے پر اس شخص نے انہیں دسکی پلائی ہوگی اور یہ مفت کی پی لینے کے بعد فاقہ مستی رنگ لار ہی تھی۔ میں نے کہا۔ میں نہیں جانتا۔ یہ

شخص میرا دوست نہیں اور نہ اسے میں پہچانتا ہوں۔ یہ کہتا ہے کہ میں ہوٹل ہوں
 امان لودرا (HAUSMAN LOUDRA) میں رہتا ہوں۔ غالباً
 بولیوار دھوس امان (BOULEVORDE HAUSMAN) میں ہوٹل لودرے
 (HOTEL LOUDRE) ہے۔ اسے وہاں پہچادو اور دام وصول کرلو۔
 پورٹ نے کہا یہ تو کہتے ہیں کہ میں اسی ہوٹل میں آج رات کو سوؤں گا۔ میں نے کہا
 کہ یہ جھوٹ ہے بہر حال مجھ سے کوئی واسطہ نہیں تم جانو اور یہ جانیں۔ اس کے
 بعد دروازہ بند کر کے میں پھر سو گیا۔ صبح کو پورٹ سے معلوم ہوا کہ وہاں نہیں
 رہتے پھر انہوں نے کہا کہ (CAFE DELA PIA) کافی
 دلا پے چلو۔ وہاں جا کر اسے تو دروازہ پر چھوڑا اور خود دوسرے دروازے
 سے نکل کر فوجیڈ ہو گئے۔ یہ شخص جو ان طالب علم کی طرح ہے، انگلستان رہ چکا
 ہے، بہت خراب انگریزی بولتا ہے اور ذرا ذرا فرانسیسی بھی۔ اور کہتا ہے کہ روس
 بھی جا چکا ہے اور جرمنی بھی۔ نام غالباً غلام احمد بتلایا تھا اور کہتا تھا کہ غلام صادق
 صاحب میرے عزیز ہیں واللہ اعلم بالصواب۔ بہر حال معلوم نہیں کہ پورٹ کی کہانی
 کی کیا اصلیت ہے۔ مگر میں بھی ۲۷ فرانک کی شراب کے دام ادا کرنے کا گنہگار ہو
 چکا ہوں۔ اب کیلے قریب آ گیا۔ رخصت ہوتا ہوں۔ یہ خط بیگم صاحبہ کو بھیجے دیتا
 ہوں۔ اس لئے کہ ان کو نہیں لکھ سکا۔ جعفری بھی دیکھ لے گا اور پھر نہیں بھجوا
 دیگا۔ تمہارے لمٹری ممبر صاحب کی میم صاحبہ جہاز ہی پر نہیں مگر نام کے متعلق کچھ
 غلط فہمی ہوئی تھی کئی روز میرے پاس ہی بیٹھے رہے اور ایک بریگیڈیر صاحب
 کے ساتھ گفتگو کرتے رہنے کے بعد خود ہی مجھ سے خطاب کر کے بتلایا کہ وہ کون
 ہیں اور کہاں سے آ رہے ہیں اور تم لوگ انہیں سٹیشن تک رخصت کرنے آئے
 تھے۔ اس کے بعد بھی دو چار بار تمہارے شہر کے متعلق تھوڑی تھوڑی دیر گفتگو

رہی۔ بریگیڈیئر صاحب ہم سے بہت شرافت کے ساتھ ملتے رہے اور ان سے
 خوب کھل کھل کر باتیں ہوئیں، مگر ان سے ہماری زیادہ باتیں نہیں ہوئیں۔
 بریگیڈیئر صاحب سے البتہ ان کی خوب باتیں ہوتی رہیں۔ غالباً ان کے شوہر
 کے دوست ہوں گے۔ اچھا اب کیلے آگیا۔

رخصت

تمہارا محمد علی

وَرُو دِنْدَن

اب میری داستان سُنو۔ حیات والا خط (جو تم کو اس لئے بھیجا تھا کہ اس وقت تک کے تمام حالات سے مطلع ہو جاؤ) نہیں ملا ہو گا اور کیلے (ساحل فرانس) تک کے سفر کے حالات سے مفصل اطلاع تم کو مل گئی ہو گی۔ یہاں ۲۱ رات کے آٹھ بجے دراصل، رنجے شام کے جبکہ یہاں عصر کا وقت ابھی طرح باقی تھا، وکٹوریہ اسٹیشن پہنچا۔ حیات کا سالانہ جمید موٹر لئے موجود تھا۔ حیات کے چچا اور سسر بھی آئے ہوئے ہیں گو اس وقت چند دن کیلئے وہ جینیوا اور پیرس گئے ہوئے ہیں حیات کی سالی نادہ معدیجہ کے یہاں ہی ہے۔ سچنڈ میں نہایت خوبصورت چار پانچ کمروں والا نیا بنا ہوا مختصر سا مکان خرید لیا ہے اور قیمت صرف یہ ہے کہ چھ گنی کرایہ ہر مہینہ ادا کر دیا کرے (یعنی کل اسی روپیہ ماہوار) چند برسوں میں وہ مکان خود اس کا ہو جائے گا۔ سامان خود خرید لیا ہے۔ اور حقیقتاً وہ بھی ماہواری کرایہ پر اسی طرح مل سکتا ہے اس کو دیکھ کر تو میں ادبھی بیتاب ہو گیا۔ علی جان والوں کے مکان کا کرایہ اس سے کچھ ہی کم ہے اور مکان ہمیشہ ان کا رہیگا۔ تم آ جاؤ تو کھانے اور نوکر کا خرچ بھی ہم سب کے لئے معاشاکر اور طاق کے، اگر طارن کو ان کے بھائی چھوڑ دیں، نیس گئی یعنی چار سو روپیہ ماہوار سے زیادہ نہ ہو گا۔ بہت ہوا تو پانچ سو روپیہ ماہوار ہو گا۔ اور باقی ادھر کے لئے میرے پاس کافی بچ رہیگا۔ جمید کے علاوہ عبدالرحمن اور شعیب کے دوست جید تھے جن کو راستہ سے میں نے خط بھی لکھ دیا تھا اور تار بھی دیدیا تھا۔ ظفر عمر نے مجھے دہلی لکھ بھیجا تھا کہ ان کا

لڑکا شکت عمر دوسرے بھائی کا نام محمد عمر ہے اور یہ دونوں نام سعید محمد خان کے لڑکے شکت محمد خان اور حسن محمد جیات کے، بچہ شکت محمد جیات کی طرح ہم دونوں بھائیوں ہی کے نام پر رکھے گئے ہیں) یہاں پڑھتا ہے، اس کو لکھ دینا تو ضرور تم سے ملے گا۔

میں نے خیال کیا کہ اس لڑکے کو کیوں نہ لکھ دوں کہ میرے لئے مکان کی تلاش کرے۔ چنانچہ اسی وقت دہلی سے خط لکھ دیا تھا، جہاز پر سے پھر لکھا۔ پیرس سے چلتے وقت اس کے اور جامعہ کے میرے پرانے شاگرد اشرف کے خطوط ملے اور ایک نارملا کہ آپ کے جہاز کے خط کے مطابق اسی محلہ میں کمرے تلاش کر لئے گئے ہیں جہاں آپ کا ڈاکٹر مطلب کرنا ہے۔ وہ کمرے سعید گراں تھے۔ سب سے سستے کمروں کا کرایہ کوئی ۷ گنی (۱۰۰ روپیہ سے کچھ کم) فی ہفتہ (یعنی نادرہ بی کے مکان کے کرایہ سے بھی ان کمروں کا کرایہ بیچ گنے سے زیادہ ہے) انہوں نے لکھا کہ آپ ہمارے پاس ہی کیوں نہیں رہتے؟ بہر حال دونوں اسٹیشن پر موجود تھے اور سب کی رائے یہ ہوئی کہ آج رات کو وہیں قیام کیا جائے۔ پھر ڈاکٹر سے کل دوپہر کو مل کر پوچھ لینا اگر وہ کہے کہ ۲ دن کے فاقے میں تم اس قدر کمزور ہو جاؤ گے کہ تم سے یہاں تک نہ آیا جائیگا، تو اس کے قریب کمرے لے لینا۔ خیر انہی کے ساتھ ان کے گھر حمید کے موٹر میں گیا۔ (حمید کا امتحان جلد ختم ہونے والا ہے پھر وہی اپنی موٹر میں ہر طرف گھمانے بیچایا کر گیا)۔ رات کو ہندوستانی کھانا کھانے ایک ہندوستانی کی دوکان میں گئے۔ اور پھینگے اور مرغی اور ماش کی دال اور پراٹھے خوب اڑے (مگر چار آدمیوں کا ایک وقت ہی کھانا تیرہ روپیہ میں کھایا گیا)۔ یہ مکان بہت اچھا ہے۔ ایک بڑے کمرہ میں جو حمید کے کمرہ کے برابر ہے، میں سوتا ہوں۔ اس سے ذرا بڑے کمرے میں یہ دو لڑکے سوتے ہیں اور وہیں لکھا پڑھا کرتے ہیں ان کے علاوہ بڑا وسیع کمرہ ہمارے بڑے کمروں کی برابر کھانا کھانے کا ہے۔ اور خوب سجا ہوا وسیع کمرہ ملاقات

کے لئے ہے۔ مکان کے مالک ایک ادھیڑ عمر کے آدمی ہیں اور یہی عمران کی بیوی کی بہن کی بیوی ایک قریب کی عزیز ہے۔ ادھیڑ عمر کی عورت گھر کا تمام انتظام کرتی ہے۔ مالک مکان کے بوڑھے والد (مگر مستعد کارگزار آدمی جو اپنی روٹی خود کماتے ہیں) ساتھ ہی رہتے ہیں۔ بچے یا جوان اولاد بالکل نہیں۔ دو ماہیں ہیں۔ آج کل ایک گئی ہوئی ہے اور ایک آدمی عقل کا آدمی کام میں مدد دیتا ہے۔ میں کمروں کا کرایہ دیا کروں گا اور جو کچھ کھانے میں خرچ ہو گا وہ ادا کیا کروں گا۔ پہلے ہفتہ کی بل آئے گی تو معلوم ہو گا کہ کتنا خرچ ہوا کرے گا۔

یہ لڑکے مع کھانے کے دو دو گنی فی ہفتہ دیا کرتے ہیں۔ میرا خرچ فی ہفتہ ساڑھے تین گنی ہو جایا کرے گا (یعنی کوئی دو سو روپیہ ماہوار) وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر نے حکم دیا ہے کہ ابھی صرف دو وقت کھانا کھایا کرو اس لئے ایک بجے کے قریب تین چار ناشپاتیاں نرم، کوئی پاؤ بھرا سٹراسیری (بالائی کے ساتھ) کچھ چیری جو بیروں کی طرح ہوتی ہے، اور ایک دو نارنگیاں کھا لیتا ہوں۔ شام کو ۱۲ بجے تھوڑا سا گوشت اور بہت سی ترکاریاں اور سلاد (کچا کا ہو) کھانے کو ملتا ہے۔ اجازت ہے کہ اگر جی چاہے تو صبح اور سہ پہر کو کافی (قنوہ) بالائی کے ساتھ پی لیں، یا بہت ہی ہلکی چائے۔ روٹی کھانے کی اجازت نہیں ہے لیکن آئندہ بھوسہ کی روٹی بھی تھوڑی سی ملا کر لگی۔ لطف یہ ہے کہ شکم کی مطلق اجازت نہیں ہے مگر شہد کی اجازت ہے۔ اس لئے قنوہ اور چائے میں شہد ڈال سکتا ہوں، مگر پھلوں کے ساتھ گوشت نہیں اور گوشت کے ساتھ پھل نہیں کھائے جا سکتے۔ کھانے کے ساتھ پانی کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ دو کھانوں کے درمیان پانی پی سکتا ہوں۔ اس ڈاکٹر کا خیال ہے کہ کھانے کی چیزیں غلط طور پر ملائی جاتی ہیں۔ اس لئے ہاضمہ میں خرابی ہوتی ہے۔ دوسرے قدرتی چیزیں اللہ

کی بنی ہوئی کم کھائی جاتی ہیں۔ انسان کی بنائی ہوئی چیزیں زیادہ کھائی جاتی ہیں جن سے ہاضمہ خراب ہوتا ہے اور امراض پیدا ہوتے رہتے ہیں اور علاج بھی مشکل ہو جاتا ہے وہ کہتا ہے کہ شہد کھاؤ۔ خدا نے بنایا ہے۔ شکرت کھاؤ اسے انسان نے خراب کر دیا ہے۔ گنا کھاؤ تو مضائقہ نہیں۔ روٹی انسان کی بنائی ہوئی ہے اگر کھائیں تو کم اور بھوسی سمیت۔ زیادہ گوشت اچھا نہیں۔ ترکاریاں اچھی ہیں لیکن سلاڈ (جو کچا کا ہو ہوتا ہے) بہتر ہے دوا کا وہ بالکل فائل نہیں۔ شکرت کی گولیاں (یعنی سکیرن کی) بھی ممنوع۔ دوا کی جگہ وہ ورزش کرانا ہے لیکن ابھی تک ورزش میں دو طریقہ سے ناک سے لیے لیے سانس لینا اور مہنت سے سیٹی بجانے کی طرح سانس نکالنا بتایا ہے۔ بیٹھنے اور کھڑے ہونے اور چلنے کا بھی طریقہ بتایا ہے۔ ہر ۲۱ دن کا مسلسل فائدہ تو تم یہ شکرت خوش ہوگی کہ وہ میرے لئے تجویز نہیں کیا جائیگا، بلکہ کئی بار دو، دو، تین تین دن کے فائدے کر دیئے جائیں گے۔ کل سہ پہر کو ان کے پاس مزید ہدایات لینے جاؤں گا۔ اب تک دو ڈھائی ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ فارورہ کا امتحان ہر ہفتہ ہوا کرے گا۔ گذشتہ ہفتہ کے امتحان میں ۳ فیصدی شکرتھی اور ۱۴ فیصدی چربی۔ اسی ٹون (ACETONE) نہ ہر بھی ضرور کچھ نہ کچھ ہو گا شکرتیہ کی تجویز کر دیا ہے۔ نے اپنی رپورٹ میں ذکر نہیں کیا تھا۔ یقین ہے کہ اس ہفتہ شکرت کم ہوگی۔ پیشاب صرف رات کو آتا ہے مگر اب رات کو صرف ایک بار کوئی دو ڈھائی بجے کے قریب اٹھنا پڑتا ہے اور پھر علی الصبح کوئی چھ بجے اور پھر ایک دو بار اور رات کو اکثر بارہ بجے کے بعد سونا ملتا ہے۔ یہاں گرمیوں میں گھڑی ایک گھنٹہ آگے کر دی جاتی ہے اس لئے یہاں کے آٹھ بجے حقیقتاً وقت ۷ بجے ہوتا ہے۔ یہاں کے حساب سے سورج سونا نو بجے غروب ہوا کرتا ہے اور

پونے پانچ بجے نکلا کرتا ہے۔ نماز فجر تو صرف ایک دن مل سکی ہے اور اس کے بعد میں پھر گھنٹہ بھر کے لئے سو گیا۔ نماز عشاء کا وقت ہوتا ہے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شفق پھوٹی ہوئی ہے۔ اب ایسا کیا کروں گا کہ دوپہر کو ایک گھنٹہ سولیا کروں گا تا کہ عشاء اور فجر دونوں اچھی طرح مل جایا کریں۔

کل مسٹر ٹامس کوک کے یہاں گیا تھا تا کہ خطوں کے ساتھ ہی اجنبی بھی آجایا کرے۔ وہاں امیر احمد کالہ کا عزیز بھی مل گیا۔ قریب ہی کی بڑی موٹروں کی دوکان والے کے ہاں..... میں کام کرتا ہے، چلتے وقت پوچھنے لگا کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیے۔ میں نے کہا کہ بس یہی خدمت کر سکتے ہو کہ موٹروں پر چڑھائے رکھو! بہن کو یہ میری بیٹی (بیگم صاحبہ نواب اسماعیل خان کو) اطلاع دے دینا کہ ان کے بھائی صاحب واجد محمود آجکل خوب محنت کر رہے ہیں۔ مجھے ہمراہ لے جا کر چائے پلائی ۛ

سلہ بیگم صاحبہ مخدومہ کے نام خط

بیگم صاحبہ کو لندن آئینی دعوت

۲۸ جون ۱۹۷۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیاباری زُھراءؑ

خدا تمہیں زاہدہ کو اور طارق کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور پروان چڑھائے
میں نے بی کو خوب مفصل خط لکھ دیا ہے۔ اس سے سب حالات تمہیں معلوم
ہو جائیں گے۔ اگر وہ جلد دہلی سے بی نہ بھیجیں تو لکھ کر منگالینا میں نے اُن
کو لکھ دیا ہے کہ تمہارا رے چچا کو وہ خط (یعنی اس کے دو ضروری ورق) بھیج
دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ مظفر کے بہراؤ وہ اور پچیاں چلی آئیں اور اگر تم
اور زاہدہ چھوڑ سکو تو طارق صاحب بھی چلے آئیں۔ مظفر انشاء اللہ عنقریب
ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے آجائیں گے۔ طارق صاحب کو میں نے علیحدہ خط
لکھا ہے وہ ضرور ان کو خود پڑھوا دینا۔ اسی طرح لکھنا پڑھنا آجائے گا۔
میں پہلے سے بہت اچھا ہوں مگر تنہائی میں طبیعت سخت گھبراتی ہے۔ اچھا
اب رخصت ہوتا ہوں۔ اس لئے کہ ڈاک جا رہی ہے عرفان صاحب سے
کہہ دینا کہ انشاء اللہ اگلے ہفتہ ان کے نام مفصل خط لکھوں گا جسے وہ
جعفری اور تمہاری بی کے پاس بھی ضرور بھیج دیں۔ اب تمہیں خدا کے سپرد کیا۔
زاہدہ کو اور چچا کو اور سب کو خوش رکھو۔ خدا تمہارا بھلا کرے۔

تمہارا پیارا باپ محمد علی

لے مولانا مرحوم کی بڑی صاحبزادی لے سید محمد صاحب ایڈیٹر ملت دہلی۔ اس وقت مرصوف
ہمدرد کے ایڈیٹر تھے۔

افسردگی و بے چینی

پیارے عرفان - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
تمہارا محبت نامہ مورخہ ۵ ارجون ملا؛ اگر تمہیں میری اس مخالفت
کا بے انتہا افسوس ہے تو یقین جانو کہ مجھے کچھ اس سے زیادہ ہی افسوس اور صدمہ
ہے۔ جب ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کو چھوڑ کر ایک نوجوان نا تجربہ کار طالب علم
کی حیثیت سے انگلستان آیا تھا اور اس "مہذب" اور "متمدن" ملک کی دلفریبیوں
کا بظاہر شکار ہو رہا تھا تو میرے بڑے بھائی ذوالفقار علی خان صاحب گوہر
نے مجھے لکھا تھا کہ بھلا اس ملک میں ہم ہندوستان والے تمہیں کیا یاد آتے
ہوں گے۔ ان کے جواب میں میں نے انہیں اپنی طالب علمی کے زمانہ کا ایک شعر
لکھ بھیجا تھا وہی اب تمہیں لکھتا ہوں ۷

لٹک باقی ہے اب تک گو تیری مغل میں بیٹھا ہے

کہ رہ رہ کر خیال آتا ہے جو ہر کو بیاباں کا

اس وقت تو انگلستان پہلی ہی بار ہزاروں آرزوؤں اور نمنادوں کے

بعد آنا ہوا تھا، مگر اب تو یہ حالت ہے کہ ح

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اور صحیح معنوں میں آرزوئیں اسی طرح خاک ہوتی ہیں کہ دل میں کوئی

آرزو ہی باقی نہ رہے۔ سب کی سب نکل آئیں اور ایک کے نکلنے سے بھی دل

کو تسلی نہ ہو۔ یہاں دلفریبی کے یعنی دل کو فریب دینے کے ہزاروں سامان ہیں،

لیکن دل کی تسلی کا سارا سامان ہندوستان اور مشرق میں ہے۔ میرے ساتھ جو دو نوجوان طالب علم ہیں ان پر ہم افسردہ خاطر دل کا کچھ نہ کچھ اثر پڑ گیا ہے ع
افسردہ دل افسردہ کند ابخس نے را
لیکن اگر کسی نوجوان کو یہاں کی دلفریبیوں کا شکار دیکھنا بھی ہوں تو بے ساختہ کہہ
اٹھتا ہوں ے

چومی بینیم کسے کہ کوئے تو دینشاد می آید
فنیبے کہ تو اول خوردہ بودم یاد می آید
راہ میرے معصروں اور ہم ملنوں اور ہم وطنوں کا اس مفارقت پر اظہار خیال، خدا
کرے انہیں بھی یہ مفارقت شان گذرے۔ اب تک تو بظاہر بھی کوشتان گذر رہی
ہے امدلہ درامن قال ے

وائے اس شخص کی قیمت جو تجھے یاد کرے
ہائے اس شخص کی قیمت جو تجھے یاد رہے
برادر! ابھی میری قیمت پر آئو ہی گراتے رہو کہ میں ہندوستان کو اور
مسلمانوں کو ہر وقت یاد کرتا رہتا ہوں۔ ابھی میری قیمت پر رشک نہ کرو کہ کبھی
ہندوستان والے اور مسلمان بھی مجھے یاد کر لیا کرتے ہیں میں یہاں ایک گوشہ تنہائی
میں پڑا ہوں، حالانکہ لوگ اسے گوشہ تنہائی نہ کہیں گے۔ اس لئے کہ دمبرلڈن
(WIMBLEDON) میں جاکر ٹیلڈین (TILDEN) لاکوسٹ
(LACOSTE) کوٹا (GOCHET)، لوروترا (BOROTRA)
ہنٹر (HUNTER)، پیٹرسن (PATTERSON)، ہاؤس (HAWKES)
کوئن (COEN)، ہیلن ولس (HELANWILLS)، ڈی ایوٹیو
(DE ALVAREZ)، سلی آسن (CILY AUSSEN)، بیٹی

تشل (BETTY NUTHAL) کی لان ٹینس (LAWN TENNIS) دیکھی۔ ہیٹن جاکر فوجی طیاروں کے کزنٹ دیکھے۔ لارڈس (LORDS) کے کرکٹ کے میدان میں جاکر آکسفورڈ اور کیمبرج کا مقابلہ دیکھا۔ نیوگیلری سینما (NEW GALLERY CINEMA) رجمینٹ اسٹریٹ (REGENT STREET) میں جاکر بیری مور (BARRY MORE) کو نالی ٹامک TEMPEST میں ایکٹ کرتے ہوئے دیکھا اور جارج برنارڈ شاو (GEORGE BERNARD SHAW) کو اسی سینما میں جاکر دیکھا ہی نہیں بلکہ سنا بھی۔ اس لئے کہ موو پیٹرن (MOVI-E-TONE) میں نہ صرف تصاویر نظر آتی ہیں بلکہ آواز بھی صاف سُنائی دیتی ہے۔ اور ہو یہ نہ کہ گراموفون کی طرح بگڑی ہوئی۔ مگر جس شخص کی ساری عمر ملک و ملت کا کام کرتے گزاری ہو اسے ان نشاۃ گاہوں میں بھی ہو کا عالم نظر آتا ہے۔ غالب نے خوب فرمایا ہے کہ ۷۷

ہے آدمی بجائے خود ایک محشر خیال

ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ

لیکن اسناد غالب نے بھی انجمن کو خلوت ظاہر نہیں فرمایا۔ حالانکہ یقیناً ان پر بھی بارہا یہی کیفیت طاری ہوتی ہوگی کہ کسی کو اپنا ہم خیال نہ پا کر بھری محفل میں بھی فید تنہائی کا لطف اٹھانا پڑا ہو۔ محض لوگوں کی خواہش تھی کہ میں یہاں کی سیاسی جماعتوں میں پہلے کی طرح حصہ لوں لیکن مجھے یہاں کی کسی جماعت پر اعتماد نہیں، اور محمد نذر احمد کو ٹھوکر میں کھا کر یہ تلخ مگر مفید ترین سبق اب لیکھ گیا ہوں کہ ہماری نجات خدا کے سوا اگر کسی کے ہاتھ میں ہے تو وہ خود ہم ہیں۔ اوپر خدا، اور نیچے خود مجھے کسی سے ملنے میں غد نہیں، اور جو مجھ سے بہری رائے پوچھ گیا، اس کے سامنے اظہار خیالات کرنے میں مجھے ذرا تامل نہ ہوگا، مگر اب مجھے کسی کے پاس جاکر اپنے ملک

اور اپنی ملت کا فساد غم دل مٹانا نہیں ہے۔ سکلات والا میرا ۱۹۱۳ء کا دوست ہے۔ اس نے پارلیمنٹ میں لیج اور چائے کے لئے بلایا، میں گیا اور اس کے دوستوں سے ملا جن میں سے اسی کی طرح کیونسل تھے اور کچھ لیبر پارٹی والے تھے، مگر جس طرح میں نے وہی کھانا کھایا جو ڈاکٹر کے حکم کے مطابق تھا، اور ہر وہ چیز چھوڑ دی جو اس کے حکم کے خلاف تھی، اسی طرح ان احباب کے خیالات میں سے بھی اسی حد تک اتفاق کیا، جس حد تک کہ خدائے حکیم کی منشاء اور مرضی کے مطابق تھا، اور اس حد کے آگے اختلاف کیا۔ دارالعوام کے مشورے پر لیبر پارٹی (TERRACE) یا ”شہ نشین“ پر ریمز مینیکلٹ اور دوسرے لیبر پارٹی کے عمائد اور اسی طرح اور پارٹیوں کے عمائد نظر آئے جو اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے چائے نوش فرما رہے تھے، مگر اب ان میں سے ایک بھی ایسا نظر نہ آیا جس سے مل کر چارہ گری کی کچھ خواہش کرنا، حالانکہ پہلے سفروں میں انہیں کی تلاش اور جستجو رہی تھی، اور ہر وقت اس کی آرزو رہتی تھی کہ کس طرح ان سے ملا جائے، اور انہیں درد دل سنا یا جائے۔ ان سے دربان کے لئے کہا جائے۔

یہاں بھی اب برسیلز کی کانفرنس منعقدہ ۱۹۲۷ء جنم مخالفین شہنشاہیت (LEAGUE AGAINST IMPERIALISM) کی بنیاد ڈالی گئی اور میں بھی ایک طرف چپ چاپ تقریریں سن رہا تھا جس میں یہاں کی لیبر پارٹی کے (LEFT WING) کے کچھ لوگ بطور نمائندوں کے اپنی ٹریڈ یونین کی شاخوں کی طرف سے آکر شریک ہوئے تھے اور برطانیہ کی سامراجی پالیسی کے خلاف اظہار خیالات کر رہے

ملہ مرصوف پارسی تھے اور انگلستان میں بس گئے تھے۔ آپ کو انگریزی پارلیمنٹ کا رکن بھی چنا گیا تھا۔ لے لیبر پارٹی کے لیڈر تھے۔ ایک سے زیادہ بار انگلستان کے وزیر اعظم ہوئے۔ آخر میں اپنی پارٹی سے کٹ کر قدامت پرستوں سے مل گئے تھے،

تھے۔ سرنپوٹس آئینگ نے بھی ایک نہایت معقول تقریر کی جس میں سائنس کیشن کے خلاف اظہار خیال کیا ہے۔ مگر میں اس جلسہ میں خاموش ہی بیٹھا رہا کیونکہ حقیقتاً برطانیہ کی سامراجی پالیسی خود اس ملک والوں کے لئے ایک سہم قاتل اور نہر ہلاک ہے اور اگر یہ لوگ اپنے درد کا درمان چاہیں تو کیا تعجب ہے لیکن ہمارے درد کا درمان ان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ خود ہمارے ہی ہاتھ میں ہے اور اس کا علاج بیان نہیں کیا جاسکتا یہاں میں ملکی اور ملی علاج کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ اپنے ایک ذاتی مرض کے علاج کے لئے آیا ہوں۔

البتہ جب اکثر نوجوانوں کو خود غرضی، نفس پرستی اور محض معاش کو شہی اور معاشرتی میں گرفتار دیکھتا ہوں تو خاموش رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ایک بار مجھ سے بہت زور کے ساتھ محض ہندوستانیوں کے ایک جلسہ کے بعد خواہش کی گئی کہ کچھ کہوں تو میں نے یہی کہا کہ اگر ہمارا ملک تباہ ہو رہا ہے اور اس سے بھی زیادہ تباہ ہوگا تو صرف اسی باعث کہ ہم دھواں دھارہ تقریروں کے عاشق اور پُر زور تحریروں کے گردیدہ ہیں اسل کا جہان تک تعلق ہے، ہم ایک مغلوں جسم سے بہتر نہیں۔ سنا ہے کہ بارہوی کے لئے چندہ جمع ہو رہا ہے دیکھئے کس قدر بھیجا جاتا ہے۔ میرے نزدیک ہماری حب وطن اور ملت پروری کا صحیح معیار یہی ہو سکتا ہے۔ بقول ایک بزرگ کے ”میاں دل کی محبت ہاتھ سے پہنچانی جاتی ہے“ ورنہ یہ سب بیچ بچ و بظن ہے۔ یہاں لوگوں کو سخت تعجب ہے کہ میں اس قدر خاموش ہوں اکثر لوگوں کو تو معلوم ہی نہیں کہ میں اب تین ہفتہ سے لندن میں مقیم ہوں۔ اس کے جواب میں میں بھی کہہ دیا کرتا ہوں کہ میری شور و آوازیں سارے ہندوستان کے لئے ہے۔ یہاں بے لنگی ہی موزوں ہے یہاں لوگ میرے ہر وقت چینیچنے چلانے سے تنگ تھے۔ یہاں میری خاموشی سے عاجز آگئے

لے کانگریس کے سابق صدر، آپ نے ابھی حال میں انتقال فرمایا ہے :

لے بارہوی میں لگان نہ دینے کی تحریک چل رہی تھی :

ہیں اگر ہندوستان میں بھی کوئی اب میری خاموشی پر نالال ہے تو اُسے غالب کا شعر سنا دیجئے۔

زمن بجرم طعیدن کتارہ مے کردی

بیا بقبہ من و آرمید نم بنگر

آپ نے محمد خان "عجبدی" کی خرافات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے ساری حقیقت آشکارا ہو گئی لیکن میں نے جو قاضیوں میں کہا تھا اس میں کوئی چیز کمزوری کی نہ تھی۔ میں نے شوکت صاحب کی کسی ایسی سازش میں شرکت کی قطعی تردید کی تھی، مگر میں کس طرح بلا تمام واقعات کے علم کے کہہ سکتا تھا کہ شوکت صاحب کے کسی خط کے کسی فقرہ کو توڑ مروڑ کر بھی اسے قتل کی سازش نہ بنایا ہوگا؟ شوکت صاحب سے زیادہ سادہ دل کوئی مسلمان بھی نہ ہوگا۔ ان کو ساری دنیا پر بھروسہ ہے کہ جب خود ان کے دل میں کوئی بات نہیں ہے تو کسی کے دل میں ان پر تھوڑا سا شبہ بھی ہرگز نہ ہوگا اس لئے وہ تحریر و تقریر دونوں میں اجمال و اختصار سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ بعض اوقات تصریح و تشریح زیادہ کارآمد ہوتی ہے مگر وہ کہہ سکتے ہیں کہ تمہاری طوالت پسندی کیا کچھ زیادہ کارآمد ثابت ہوتی رہتی ہے جو میں اس میں اپنا وقت ضائع کر دوں۔ ہاں جو میری تصریحات و تشریحات کے میرے ہم وطنوں اور میرے ہم مذہبوں تک میرے متعلق اتنی غلط فہمیاں پھیلانی ہیں کہ تو بہ ہی بھلی۔ مگر آپ روایٹر کے تار کو طول طویل بتاتے ہیں حالانکہ جو اخبارات شوکت صاحب نے روانہ کئے ہیں ان میں تو وہ تار نہایت ہی مختصر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے روایٹر کے کسی نمائندے سے کوئی گفتگو نہیں کی۔

آپ ہیں تو ہندوستانی لیکن اُس وقت سعودی حکومت میں ایک ممتاز عہدے پر تھے۔

ان کی طرف سے ہندوستان کے اخبارات میں ایک تار چھپا تھا جس میں مولانا شوکت علی مرحوم پر الزام لگایا گیا تھا کہ انہوں نے ایک گناہ یعنی کہ سلطان ابن سعود کے قتل کرنے کے لئے مکہ معظمہ بھیجا۔

دکسی سے ملا البتہ جو نبی میں عبد الحمید سعید کے دو سنگدہ پر پہنچا، مکہ معظمہ کے مؤثر عالم اسلام کے دوست علی حسن صاحب ”الاخبار“ کے نمائندے میرے پاس آئے اور مجھے محمد خان کراچی کے ان ”نوجوی“ کا تار دکھلایا۔ جو مصر تک کے اخبارات کو بھیجا گیا تھا۔ اور کہا کہ اس کے متعلق کچھ کہنا ہو تو فرمائیے چنانچہ ڈاکٹر احمد فواد بیے ترجمان بنے اور میں نے کوئی تین کالم کا انٹرویو دیا جس میں اس خرافات کی اس طرح تردید کر دی جس طرح شوکت صاحب نے کی ہے اور اس کے بعد اسلام ملکیت، تقلید جادہ اور مولویت، اچھائے خلافت راشدہ مؤثر عالم اسلام کی ضرورت، حجاز کے لئے صحیح ترین طرز حکومت ابن سعود کے وعدوں اور وعدہ خلافتیوں پر اپنے خیالات کو ایک مسلسل مگر مختصر طریقہ پر بیان کر دیا، جسے سب حاضرین نے نہایت ہی پسند کیا۔ شام تک انٹرویو کے پردہ نہیں مل سکتے تھے۔ اس لئے توکل بنجما علی حسن صاحب ہی پر سب کچھ چھوڑنا پڑا اور ان سے کہہ دیا کہ کل کے ”الاخبار“ کے بارہ پرچے میرے نام لندن روانہ کر دو ان مرد خدا نے نہ معلوم کیا کیا اب تک ایک پرچہ دستیاب نہیں ہوا۔ البتہ ایک ”صاحب البو النصر“ جن کا خط مولانا ابوالکلام سے ہو ہو ملتا ہے، ان بچائے نے ایک کاپی ارسال کی ہے یہاں آتے ہی میسر ڈھامس لگ کے ہاں سے خطوط اور اخبار لایا اور اسنے ہی میں ایک دو کالم ”الاخبار“ کے پڑھے۔ یہاں آکر اچھی طرح پڑھنے کا ارادہ تھا مگر شرف نے ڈرائنگ روم کے میز پر وہ لفافہ رکھ دیا جس میں ابوالنصر صاحب کا خط اور اخبار آتے تھے وہ لفافہ باوجود کامل تلاش کے اب تک نہیں ملا۔ ورنہ آپ کو ”ہمدرد“ اور خلافت میں ترجمہ کے لئے کب کا بھیج چکا ہوتا۔ آج ہی تھک کر ڈاکٹر فواد بیے کو لکھ رہا ہوں کہ بھائی ”الاخبار“ ہمارے دونوں اخبارات کو بھیجا کر دے۔ اور اس تاریخ کے پرچہ کی چند کاپیاں فوراً یہاں بھی اور بمبئی اور دہلی بھی روانہ کر دے۔

۱۵ ڈاکٹر محمد اشرف مشہور کانگریسی لیڈر

اچھا اب آپ سے رخصت ہوتا ہوں یہ خط جعفری کے خط میں رکھ کر بھیج رہا ہوں،
 تاکہ ماجد میاں اور ظفر الملک اور وہ بھی اس سے آگاہ ہو جائیں۔ اور پڑھتے ہی آپ کو مدانہ
 کر دیں۔ مصر کے حالات ان حضرات کے خط میں لکھ دیں گا۔ پھر یہاں کے حالات تفصیل کے
 ساتھ قلمبند کر کے آپ کو ان کو ارسال کر دوں گا۔ اگر آئندہ ہفتہ میں۔ کل سے تین دن
 کا فاقہ ہو گا اور سہل بھی۔ آج کل صرف دوبار غذا ملتی ہے اور وہ بھی محض پھل۔ درزش
 بھی کرنا ہوتی ہے اور ڈاکٹر مساج“ یعنی مالش بھی کرتے ہیں۔ ماجد میاں کے خط میں ڈاکٹر
 صاحب کے ایک لیکچر کا خلاصہ اور ایک مضمون بھیجتا ہوں۔ جس سے ان کے طبی
 خیالات آپ سب لوگوں کو معلوم ہو جائیں گے۔ اچھا اب رخصت

آپ کا دُورِ افتادہ بھائی

محمد علی

(۱۲)

علاج

۵۱۔ کانڈیش روڈ۔ لندن (ایس ڈبلیو ۱۲)

۱۵ جولائی ۱۹۲۸ء

پیارے جعفری۔ چند مطبوعہ کاغذات بھیجتا ہوں جن میں میرے
معالج کے طبی خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ میرا علاج انہیں کے مطابق ہو رہا ہے اور دراصل
معمولی اصطلاح میں "علاج" نہیں ہے بلکہ طرز بود و ماند کی اصلاح ہے۔

اگر "اصلاح" سے فائدہ ہوا تو پھر ساری عمر اسی طرح بسر کرنا ہوگی۔ صرف دو وقت
کھانا کھاتا ہوں اور ممکن ہے کہ ایک ہی وقت رہ جائے۔ پھلوں کے ساتھ گوشت کی
اجازت نہیں ہے۔ نمک کو وہ غیر ضروری بلکہ مضر سمجھتے ہیں اور چونکہ گوشت بلا نمک اچھا
نہ معلوم ہو گا اس لئے میں نے گوشت ترک کر دیا ہے، اور صرف پھل اور نرکاریاں زیادہ تر کچی
مثلاً کاہوا در ککڑی (کھانا ہوں)۔ مگر چونکہ شہداد بالائی کی اجازت ہے اس لئے کچھ برما
نہیں بڑھتا۔ ورزش صحیح طور پر سانس لینا اور مالش بھی جاری ہیں۔ اچھا اب رخصت
ہوتا ہوں۔ کل سے تین دن کا فاقہ ہو گا۔ کل صبح کھانا نکالنے کے پیچھے سے ڈیرا کھینچا۔ اینوز
فرٹ سالٹ (ENO'S FRUIT SALT) ناپ کر پیوں گا اور صرف پانی
پر گزر رہو گی۔ شکر اب بھی بہت کم ہو گئی ہے۔ صرف ۸ فیصدی رہ گئی ہے۔ پیاس
بہت کم ہے پیشاب بھی کم آتا ہے۔ اسیٹون (ACETONE) اب نہیں ہے مگر
البیومن (ALBUMEN) زیادہ آ رہا ہے گو ممکن ہے کہ ماہر تشخیص کیمیاوی نے
لکھنے میں غلطی کی ہو۔ اس وقت ۶ فیصدی ہے۔ پہلے ۱۱ فیصدی تھا۔ اس قدر زیادتی

بطاہر لکھنے کی غلطی معلوم ہوتی ہے ۱۶ جولائی کو پھر فاقہ کے بعد قارورہ بھیجا جائے گا۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ کیا حالت ہے۔ دعا کر کہ شفا نصیب ہو۔

تمہارا جیر طلب اور دُعا گو بھائی
محمد علی

انشاء اللہ آئندہ اسی علاج اور اصلاح کے متعلق پیرس کے ڈاکٹر گلیپ (DR. GUELPA) کے تجربات جنہیں ابھی پڑھ چکا ہوں مدج کروں گا۔
ذیابلیس کے متعلق یہ فاقہ اور سہل انہیں کا علاج ہے ۛ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(۲)

لندن
۲- اگست ۱۹۲۸ء

پیارے زہرہ بی

خداوند کریم نہیں ناہد اور طارق اور شوکت صاحب اور سب اعزہ واقربا دوست احباب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ تمہارے کئی خط مجھے ملے علیحدہ خطوط لکھنے میں وقت بہت صرف ہوتا ہے، اسی لئے میں ایک خط تمہاری بی کو لکھ دیا کرتا ہوں تاکہ دہلی اور رام پور والوں کو میرے حالات معلوم ہوتے رہیں، اور ایک خط ماجد میاں، ظفر الملک صاحب اور جعفری کو لکھ دیا کرتا ہوں جو ”ہمدرد“ میں بھی شائع ہو جاتا ہے تاکہ سب لوگ میرے حالات سے واقف ہو جائیں اور ایک خط تقریباً ایک ہفتہ شوکت صاحب، یا عرفان صاحب کو لکھ دیا کرتا ہوں تاکہ تمہیں اور زاہد کو بھی تمام کیفیت معلوم ہوتی رہے۔ ایک ہی مضمون چھ سات مختصر سے خطوں میں لکھنے سے یہ بہتر ہے کہ ایک دو مفصل خط اس طرح ہر ہفتہ لکھ دیئے جایا کریں میں عمدہ اور جمرات کو کہیں باہر نہیں جاتا۔ نہ کسی کو اپنے گھر بلاتا ہوں تاکہ خطوط لکھ دیا کروں۔ مگر پھر بھی ڈاکٹر کے ہاں ضرور جانا ہوتا ہے، اور یہاں جب گھر سے نکلنا ہوتا ہے تو چار پانچ گھنٹہ سے پیشتر آنا ممکن نہیں ہوتا۔ اتفاق سے جمرات کے دن اکثر کوئی ضروری کام نکل آتا ہے اور اس کے باعث گھر چھوڑ کر جانا ہی پڑتا ہے اس لئے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ڈاک کے معمولی وقت کے نکل جانے کے بعد بڑے ڈاکخانہ جا کر وہیں بیٹھ کر خط لکھنا پڑتا ہے اور وہاں ۶ بجے شام تک تو معمولی کلٹ سے خط نکل جاتے ہیں۔ لیکن ۷ بجے تک ۲ کا اور کلٹ لگانا پڑتا ہے اور ۸ بجے تک

۴۸ کا اور ایک دفعہ تو اس کے بعد بھی ۲۰ کا زیادہ ٹکٹ لگا کر اسیل تک ہوائی جہاز کے ذریعہ سے خط بھیجا پڑے ہیں۔

یہ سب تفصیلیں اس لئے لکھ دی ہیں کہ تم یہ نہ سمجھو کہ میں تم سے غافل ہوں۔
نہرو بی۔ میرا علاج جس طرح ہو رہا ہے اس طرح تم کو بھی اپنا علاج شروع کرانا پڑے گا۔ اور میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ تم بہت جلد دُبی ہو جاؤ گی۔
نہماری صحت ابھی رہے گی اور تم خوب محنت کر سکو گی۔ تم کسی اچھے ڈاکٹر سے اپنے دل وغیرہ کا امتحان کرنا کہ میری طرح فائدہ کرنا شروع کر دو اور دن رات میں پہلے صرف دو کھانے پر پھر ایک ہی پر اور جہاں تک ہو سکے صرف پھلوں پر گذر کر دو انشاء اللہ کبھی بیمار بھی نہ ہو گی۔ یہ طریقہ صرف ذیابیطس کے علاج ہی کا نہیں بلکہ ہر مرض کے علاج کا ہے تاہم تو پھلوں کے عاشق ہیں ان سے کہو کہ اس طرح رہ کر دیکھیں۔

کیا تمہیں تعجب نہیں ہوتا کہ میں نے پانچ دن اور چھ راتوں سے کچھ نہیں کھایا ہے۔
صرف چند نارنگیوں کا اور آدھ سیرانگوروں کا عرق ہی ہر روز پی رہا ہوں اور اس روز بیٹھا
تم کو خط لکھ رہا ہوں اور ابھی ایک جگہ دعوت میں جا رہا ہوں۔ زیادہ حصہ پیدل ہی
چل کر اور رات کو دارالعوام میں جا کر مباحثہ سنوں گا۔ اور انشاء اللہ کل صبح کو پہلا کھانا
کھاؤں گا۔ اور وہ بھی صرف پھل ہوں گے اور مفتہ بھر تک سوائے پھلوں کے کچھ نہ کھاؤں گا۔
شکر ت صاحب سے بھی کہنا کہ آپ بھی یہ کر کے دیکھیں۔ پھلوں میں کسی پھل کی ممانعت
نہیں ہے البتہ مجھے اور انہیں اور تمہیں کیلانا نہیں کھانا چاہیئے۔ تمہاروں کی آموں کی
انگوروں کی اجازت ہے۔ کوئی پھل ممنوع نہیں ہے مجھے مشکل ہی سے بھوک معلوم
ہوتی ہے۔ بھوک تو معلوم ہوتی ہے مگر آج چھٹے دن بھی مرث اتنی ہے جتنی کہ پہلے دن
معلوم ہوتی تھی۔ پہلا فائدہ تو تین دن کا کیا تھا اور اس میں تو پھلوں کا عرق بھی نہیں پیا
تھا۔ صرف پانی پی کر گذر کیا تھا اور تیسرے دن اس سے زیادہ بھوک نہیں لگی تھی جو پہلے

دن لگی تھی۔ ٹاکٹریسی کہتا تھا تو یقین نہیں آتا تھا مگر اب تجربہ کر کے دیکھ لیا اور میں تو ۲۱ دن کا فائدہ کرنے کو بھی تیار ہوں۔

طارق میاں کا جس دن میرے نئے منھے خط کے جواب میں خط آئے گا اس دن ان کو بھی خط لکھوں گا۔ زاہد کو انشاء اللہ تعالیٰ اگلے ہفتہ خط لکھوں گا جس میں یہاں کے ٹینس اور کرکٹ کا حال ہو گا۔ شوکت صاحب سے کہہ دینا کہ اگلے ہفتہ انشاء اللہ ان کو بھی مفصل خط لکھوں گا۔

انصاری صاحب اور ہمتا جی دونوں نے جو طریقہ مسلمانوں کے متعلق اختیار کر رکھا ہے اس کو سنکر سخت تکلیف ہوتی ہے۔ شوکت صاحب سے کہہ دینا کہ موتی لعل کی صدارت (میں) کانگریس کی سخت مخالفت کریں اور کہہ دیں کہ اگر جواہر لال صدر نہ ہوا تو مسلمان مخالفت کریں گے۔ الحمد للہ کہ شعیب صاحب خوب مضبوط ہیں۔ اچھا اب رخصت۔ سب کو پیار۔ طارق میاں کو خوب سا پیار میری طرف سے کہہ کر کر لینا۔

تمہارا خیر طلب
محمد علی

غریبان وطن کا قبرستان

۱۹۔ اگست

لندن

پیارے ماجد میاں، ظفر الملک صاحب اور جعفری
گزشتہ ہفتے میں جو ہمدرد کے پرچے آئے ان میں میرے کسی خط کا کوئی ذکر نہ تھا
جس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید وہ خط جو یورپ پہنچ کر میں نے لکھا تھا اور ۲۱ جون کو قطع
کے اسٹیشن پر ڈالا تھا وہ ۱۱ جولائی تک آپ حضرات کی نظر سے نہیں گزرا، اور اگر
ماجد علی صاحب کے خط میں صاف تصریح نہ ہوتی کہ انہوں نے حیات صاحب کو اس
تاکید کے ساتھ روانہ کر دیا ہے کہ وہ اس خط کو پڑھ لینے کے بعد فوراً جعفری کو بھیج دیں
تو میرے دل میں ضرور بیخوفی بھی پیدا ہو جانا کہ بیگم صاحبہ نے حیات صاحب کو وہ خط تو
بھیج دیا مگر یہ لکھنا بھول گئیں کہ پڑھنے کے بعد وہ خط جعفری صاحب کو بھیج دیا جائے
تاکہ ان مندرجہ حالات سے قارئین "ہمدرد" بھی واقف ہو جائیں۔

جب تفصیل کیساتھ کسی چیز کے متعلق لکھنا پڑتا ہے تو پھر ناممکن ہو جاتا ہے کہ
اُس کو ہر خط میں دہرایا جائے۔ اسلئے میں نے یہ انتظام کیا تھا کہ کسی نہ کسی کو ہر ہفتے
مفصل خط لکھ دیا جائے اور وہ اُسے آپ حضرات تک پہنچا دیا کریں۔ ۲۱ جون کا
خط اس قدر طویل تھا اور اسی مصروفیت کی حالت میں لکھا گیا تھا کہ اس کے بعد کسی اور
کو دو سطریں لکھنا بھی مشکل تھا۔ چنانچہ بے چاری بیگم صاحبہ تک کو اس ڈاک سے علیحدہ
خط روانہ نہ کیا جاسکا، لیکن چونکہ ان کی اور بھیموں کی پریشانی کا سب سے زیادہ خیال تھا
اس لئے میں نے حیات صاحب کا خط بجائے مکتوب الیہ کو بھیجنے کے بیگم صاحبہ کے پتے

سے بھی جدا۔ چونکہ اس ہفتہ کی ڈاک کئے سہرہ میں بھی اس کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا ہے اس لئے مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید حیات صاحب اسے دہلی بھیجا ہی بھول گئے اور چونکہ آپ کو بظاہر اس خط کا کوئی علم نہیں اس لئے آپ غالباً ان کو بھی نہیں لکھیں گے کہ آپ کی یاد دہانی پر وہ اسی خط کو آپ کے پاس بھیج دیں، اسلئے مجبوراً میں خود آپ کو لکھ رہا ہوں کہ ان سے وہ خط ضرور منگالیں۔ وہ پہلی ستمبر کو غالباً بمبئی سے نواب صاحب بھوپال کے ہرکاب روانہ ہوں گے اس خط کو ملتے ہی ان کو لکھ دیجئے کہ وہ اپنے خط میں آپ حضرات کو شریک کر لیں۔ مجھے خوف ہے کہ میں نے لندن سے جو ڈاک پہلی بار ارسال کی اس میں کوئی خط آپ حضرات کے نام ارسال نہیں کیا، لیکن بیگم صاحبہ کو بچوں کو اور ماجد علی صاحب کو خطوط لکھ دینے تھے اور نیز شہ کنت صاحب کو اور سب زیادہ تفصیل کے ساتھ چونکہ بیگم صاحبہ ہی کو لکھا گیا تھا اس لیے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے خط کا ایک حصہ شوکت صاحب کو اور جعفری کو بجا دیں مگر وہ اس شرکت کو گوارا نہیں کرتیں۔ اور ان کے پچھلے خط میں لکھا ہوا آیا ہے کہ آپ میرے خط میں کسی کو شریک نہ کیجئے خواہ کتنا ہی مختصر خط ہو وہ میرے لئے مخصوص ہونا چاہیے۔ مجھے کانتب بننے کی فرصت نہیں معلوم نہیں کہ اسکے بعد انہوں نے اس خط کی نقل جعفری کو بھیجی یا نہیں؟ بہر حال سہرہ میں اس کا کہیں ذکر نہ تھا اور اگر وہ بھیجی بھی گئی ہے تو غالباً جمعرات تک آپ حضرات کو مل گئی ہوگی خیر اب یہ انتظام کیا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ مفصل خط بالعموم آپ ہی کے نام جایا کرے گا۔ اور جو دوسرے خطوط لکھے جائیں گے۔ ان میں سب کا حوالہ دیدیا جائے گا۔ کہ بعد ازاں اس کے جواب کے عرض پر داز ہوں کہ یہاں خیریت ہے اور آپ کی خیریت درگاہ سے نیک مطلوب ہے۔ بڑوں کو سلام، چھوٹوں کو دعا، تیت تمام شد۔

پہلے اپنی صحت کے متعلق عرض کر دوں کہ اس بارہ دن کے فاقہ سے جسمیں نارنگی اور انکڑا عرق پینے کی اجازت تھی میری طبیعت بہت بھی ہو گئی اور یہی نہیں کہ

شکر نہیں آئی بلکہ باوجود چربی کے تقریباً اسی مقدار میں پائے جانے کے جو گزشتہ ہفتہ میں تھی میرے پاؤں کے تلووں میں اعصابی سوزش بالکل نہیں ہوئی۔ البتہ گزشتہ ہفتے کے دن چند نوجوان طلباء کے ساتھ رجمنٹس پارک میں چڑیا گھر ZOOLOGICAL GARDEN دیکھنے کے لئے جانا ہوا اور چونکہ اس دن صبح کو بہت ہی کم پھل کھائے تھے اس لئے ان طلباء کیساتھ چائے میں شریک ہو گیا۔ افسوس کہ یہاں مہندہ نہ مل سکا اور شکر کا استعمال کرنا پڑا۔ اس دن میں نے خوب ہی بد پرہیزی کر ڈالی اور مکھن روٹی اور جیم کا بھی استعمال کیا اور کیک کے بھی دو ایک ٹکڑے کھائے۔ یہ میری پہلی بد پرہیزی تھی ورنہ کبھی شکر کا استعمال کیا اور نہ کبھی جیم کا اور نہ کبھی کیک کا یہاں تک کہ روٹی بھی تقریباً ڈیڑھ چھینے سے نہیں کھائی، گو میرے دوست احباب کو شاید اس کا یقین نہ آئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب بد پرہیزی کرنا پڑی تو میں نے محمد پیٹ بھوکہ بد پرہیزی کر لی۔ تاکہ دیکھوں اس کا اثر کیا ہوتا ہے چنانچہ چند ہی گھنٹوں کے بعد سزا بھی پائی۔ پورے ایک ہفتے کے بعد تلووں میں اعصابی سوزش پھر شروع ہوئی۔ اور اس کا کچھ نہ کچھ اثر کل تک رہا۔ البتہ آج ایک وقت کا فائدہ کرنے کے بعد الحمد للہ کیفیت بالکل دُور ہو گئی اور اس شیریں تجربہ نے میرے یقین کو اور بھی نچیتہ کر دیا کہ میرے معالج غذا کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ یقیناً صحیح ہے۔ اس ہفتے سوائے اس بد پرہیزی کے میں نے ان کے کہنے پر اس قدر اور بھی عمل کیا کہ گوشت مطلق نہیں کھایا۔ بلکہ سوائے عتوڑی سی اُبلی ہوئی مٹر کے کوئی کٹی ہوئی ترکاری بھی نہیں کھائی اور صرف پھلوں پر گزار کیا۔ مگر پھلوں میں علاوہ نارنگیوں کے اور ناش پاتوں کے اور خربائوں وغیرہ کے کچھ گریاں بھی کھائی تھیں (باوام، اخروٹ وغیرہ) اور لطف یہ ہے کہ کبھویں بھی روزانہ بیس چھیس کھائی گئیں۔ اس لئے اس پرہیز میں شکایت کا ذرا بھی موقع نہ ملا۔ ارادہ ہے کہ مجھ پر فائدہ کیسی یادیں تجربہ کے لئے مجھوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ فائدہ نہ کرنے کے بعد بھی

فکر مفقود رہتی ہے یا نہیں۔ ورزش کے معاملے میں البتہ بہت کچھ فوگذاشت ہوئی ہے لیکن آج سے ارادہ کر لیا کہ دن میں کم سے کم دو تین بار ورزش ضرور کیا کرونگا۔ ڈاکٹر صاحب کا قیل ہے کہ صبح غذا سے زیادہ صبح ہوا کی ضرورت ہے اور جب تک اندر کی ہوا پوری طرح باہر نہ نکالی جائے گی جسم کا اندرونی حصہ صاف نہ ہوگا اور تمام ورزشیں اسی غرض سے کرائی جاتی ہیں کہ میں سانس صبح طریقے سے لے سکوں۔ چربی پوری طرح سانس لینے میں مانع نہ ہوتی رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر میری سانس لمبی ہوگئی تو غذا بھی زیادہ مفعم کی جائے گی اور بخوڑی بہت بد پرہیزی سے بھی زیادہ نقصان نہیں پہنچے گا۔ بہر حال یقیناً اس ڈیڑھ مہینے کے علاج میں اتنا فائدہ ہوا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اور میں شوکت صاحب کو بھی لکھنے والا ہوں کہ وہ بھی اب پھلوں پر گزارہ کیا کریں اور جس طرح سے میں زمین پر لوٹ لوٹ کر اور دوسری ورزشوں میں لمبی لمبی سانس لیا کرتا ہوں وہ بھی لیا کریں۔ میرا وزن سات سیر گھٹ چکا ہے۔ کمر چار انچ کم ہوگئی ہے۔ اور سانس ایک سو ستر سے ترقی کر کے دوسو تک پہنچ گئی ہے۔ ان کا وزن تو یقیناً بیس پچیس سیر گھٹ جائے گا۔ بلکہ اس سے بھی زائد۔ اور وہ بخوڑے ہی عمر میں مصرعہ

کمر تہی صراحی دار گہ دن

کے مصداق ہو جائیں گے۔ بیگم صاحبہ بیچاری بدت سے ڈبلا ہونا چاہتی ہیں۔ ان کے لئے بھی یہی علاج مفید ہوگا اور چونکہ وہ نفرس کے مرض میں مبتلا بھی ہیں۔ اس لئے یہ طریق علاج اس مرض کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا۔ میں بار بار دودھ سے رہا ہوں کہ لڑکیوں کو بیکردہ بھی یہیں چلی آئیں اور ابھی اسی مضمون کا تار اُنہیں دے چکا ہوں جمید کی بیماری نے مجھ پر ایشان کر دیا ہے۔ اگر وہ یہاں آئیں تو حمیدہ بی کا بھی اسی طریقہ پر یہاں علاج شروع کرادیا جائیگا۔ لیکن دیکھئے وہ آتی بھی ہیں یا نہیں؟

جہاں اس قدر اپنی محتیا بی کے متعلق لکھ چکا ہوں اور وہاں چند سطر پر ایک بزرگ

قلم کی دفاتر کمیٹیتعلق بھی لکھنا نامناسب نہ ہو گا۔ جمعہ کی صبح کو میں نے اپنا فاقہ ختم کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب چاہتے تھے کہ دودن اور فاقہ کیا جائے لیکن چونکہ میں امام صاحب سے وعدہ کر چکا تھا کہ ناٹنگھل گیٹ کے وار الصلوٰۃ میں نماز کے بعد مصیبتوں سے اسلام کے متعلق ایک مختصر سے مکالمے کی بھی ابتدا کروں اور خوفِ خدا کہ اگر اسی دن افطار نہیں کیا گیا تو شاید کمزوری زیادہ محسوس ہو۔ لیکن جو حالت جمہرات کو تھی اگر اس کا پہلے سے ذرا بھی گمان ہوتا تو میں ہرگز جمعہ کو افطار نہ کرتا اور دو چار دن اور فاقہ کرتا۔ کیا معلوم تھا ٹھیک جس وقت میں افطار کر رہا تھا اُسی وقت سید امیر علی صاحب دینیات سے نصرت ہو رہے تھے وہ لندن سے کچھ دور سکس کاؤنٹی کے ایک چھوٹے سے قصبے میں اس زمانے میں آرام فرما رہے تھے اور سنا امیر علی صاحبہ کے قول کے مطابق آخر وقت تک کام کرتے رہے۔ گو کچھ عرصے سے وہ صاحبِ فراش تھے اور ایک نرس کے ساتھ ہی وہ چلا پھرا کرتے تھے۔ تاہم کسی کو گمان نہ تھا کہ وہ اس قدر جلد داعیِ اجل کو لبیک کہنے والے ہیں، یہاں جس طرح جینا مشکل ہے اُسی طرح مرنا بھی مشکل ہے جس دن امیر علی صاحب کا انتقال ہوا اُسی دن لوگ چھتیاں منانے جا رہے تھے تجہیز و تکفین کرانے والے پیسے کی یہاں ایک کمپنی ہے چنانچہ اسی نے مرحوم کی میت کو روڈج سے ویسٹ منسٹر تک پہنچایا ہو گا اور منگل کے دن تعطیل ختم ہونے پر تاہوت بنانے کا انتظام کیا۔ اسی کمپنی کی ایک اسپیشل ٹرین ڈاکٹر لوٹیشن سے منگل کے دن بارہ بجے کے قریب بروک ووڈ

BROOK WOOD کو جو دو گنگ WOKING اور ایڈلڈ رشٹ ALD-

ER SHOT کے درمیان واقع ہے روانہ ہوئی اور اس میں جنازہ اور اس کو لاندھا دینے والے روانہ ہوئے۔ یورپین ریم کے مطابق پھولوں سے تابوت چھپ گیا ہو گا۔ اسلئے کہ جب میں قبرستان پہنچا تو قبر پھولوں سے بالکل ڈھکی ہوئی تھی۔ میں چند طباط علموں کیساتھ موٹر میں روانہ ہوا تھا۔ مجھے پہلے اس کا علم نہ تھا کہ لوگ اسپیشل میں قبرستان

جانے والے ہیں۔ اتوار کی شب کو سر محمد رفیق صاحب سے ملا تب اُس کا حال معلوم ہوا اور میں اس سے پہلے ہی موٹر کا انتظام کر چکا تھا۔ احتیاطاً ہم لوگ اسپتال سے بھی پہلے موٹر میں لندن سے روانہ ہوئے لیکن بد قسمتی سے اُدھ بیچ میں موٹر رُک گئی اور اس کے صاف کرنے میں موٹر کے مالک کو کچھ غلط فہمی ہوئی جس کے باعث گھنٹہ بھر تک راستے میں رُکنا پڑا۔ بالآخر گزرتی ہوئی ایک موٹر کے چلانے والے سے درخواست کی گئی کہ اُو موٹر مل ایسوسی ایشن کے سپاہی کو آگے چل کر بھجوا دیں۔ یہ مالکان موٹر کی ایک جمعیت ہے جس کا سالانہ چندہ دو پونڈ ہے اور اس کی طرف سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر عمدہ دردی پہنچے ہوئے سپاہی بٹلادے گئے ہیں جو موٹر والوں کو راستہ بھی بتاتے ہیں اور اگر کوئی حادثہ واقع ہو جاتا ہے تو موٹر اور موٹر والوں دونوں کی مریم بھی کرتے ہیں۔ ان کے پاس موٹر بائسکلیں ہیں جن میں ساڈ کار کی جگہ ایک چلتی پھرتی موٹر والوں کی ڈسپنسری ہے۔ اس سپاہی کے آتے ہی سب کچھ ٹھیک ہو گیا اور مہنٹ میں بر دک و وڈ Brook کے قبرستان جا پہنچے۔ دو کنگ کی مسجد کے امام صاحب نماز جنازہ پڑھا چکے تھے اور سید امیر علی صاحب ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی سپرد خاک کئے جا چکے تھے۔ البتہ اُن کے صاحبزادے وارث امیر علی صاحب مع اپنی والدہ ماجدہ کے اس وقت تک وہیں موجود تھے چنانچہ قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد میں اُن کے پاس گیا اور تعزیت کی۔ اس قبرستان میں ہزاروں ہی قبریں ہیں اور اس شہرِ محوشاں کا نام بھی NEC-ROPOLIS ہے۔ ریل کی پٹری اس کے اندر تک آتی ہے، نہایت وسیع میدان میں باغ لگایا گیا ہے جسکے چاروں طرف نچتہ احاطہ کی دیوار ہے۔ نہایت عمدہ شریکیں اُن میں چلنے پھرنے والوں کے لئے بنادی گئی ہیں۔ بلکہ گھر آنے کے بعد میں معلوم ہوا کہ ہم کو لیجنڈ ٹیٹن کے باعث جو چاند کے وقت دو کنگ جا کر انڈے دینے تلوانا پڑے اس کی ضرورت نہ تھی۔ اس شہرِ محوشاں کے اندر ایک اچھی خاصی رسٹوران بھی موجود تھی۔ جہاں

لج کھایا جاسکتا تھا یہاں ایک چھوٹا سا حصہ مسلمانوں کی قبروں کے لئے بھی ہے اور ایک حصہ پارسیوں کی قبروں کے لئے اور اسی طرح ایک حصہ ہندوؤں کی قبروں کے لئے ہے، مگر سید امیر علی صاحب نے میں جہاں ہی میں ایک قطع اپنے اور اپنے خاندان والوں کیلئے اُس طرف خرید لیا تھا جہاں متول عیسائی دفن ہوتے ہیں یوں تو تجزیہ و تکفین کا انتظام کرنے والی کمپنی نے سب کچھ کر لیا ہے لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ قبر کا رُخ کسی قدر غلط تھا۔ لیکن الحمد للہ کچھ زیادہ غلطی نہ تھی۔ دفن کرتے وقت قطب نما تلاش کی گئی اور ایک شخص کے پاس مل بھی گئی۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ قبر کی سمت میں صرف مختصر سی سی کمی تھی زیادہ نہ تھی اور امام صاحب نے میت کا منہ صحیح طور پر قبلہ کی سمت موڑ دیا تھا۔ ہم لوگ جب پہنچے تو قبرستان میں پندرہ بیس آدمی ہی رہ گئے تھے جن میں ایک لارڈ میڈلے اور پنجاب کے سابق لفٹنٹ گورنر سر لوئی ڈین تھے۔ لارڈ میڈلے کے پاس ہی ایک اور بزرگ بھی تھے جن کا اسم گرامی انگلستان کے اخبارات اور رسالوں میں باوجود جنگ افغانستان کے بعد یکا یک نظر آتا سرورع ہوا تھا اب پھر دو سال سے مکہ معظمہ کی موٹر عالم اسلام کے بعد سے زیادہ تر اسی سلسلے میں پھر نظر آنے لگا ہے۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ یہ سردار اقبال علی شاہ صاحب تھے۔ چونکہ اس سے ایک ہی روز پیشتر مجھ سے ان بزرگ سے سیلیفون پر گفتگو ہو چکی تھی جس کے متعلق میں ابھی کچھ عرض کر دینگا۔ اور مجھ سے یلوس ہو چکے تھے۔ اسلئے اس بار علیک سلیک کی بھی فوبت نہ آئی۔ سر لوئی ڈین صاحب نے مجھے پہچان کر اُردو میں مزاج شریف کہہ کر میرا حال دریافت فرمایا اور فرمایا کہ ہاں میں آپ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ میں جواب میں الحمد للہ کہہ کر اور اُن سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھا۔ مجھے امیر علی صاحب کی قبر کا اور مسلمانوں کی قبروں سے اتنے فاصلے پر ہونا اور متول انگریزوں کی قبروں سے اس قدر متصل ہونا کچھ زیادہ اچھا نہیں معلوم ہوا۔ مسلمانوں کی قبریں غالب پہلے یہاں نہ تھیں جتنے کتبے ملے اُن سب کو میں نے پڑھا اور معلوم ہوا کہ سب سے

پُرانی قبر ایک خاتون ضعیفہ احمد فارسی کی ہے جس وقت یہ بیچاری دفن ہوئی تھیں اُس وقت شاید کسی کے پاس قلب نما بھی نہ ہوگی اس لئے کہ قبر کی سمت صبح نہیں ہے۔ اس کے پاس ہی بمبئی کے مشہور و معروف اور نہایت قابل مسلمان ڈاکٹر حبیب جان محمد صاحب کی قبر ہے جن کا یکا یک ذیابیطس کے عارضہ میں نیشنل ہرل کلب میں انتقال ہو گیا تھا۔ اسی قبرستان میں حیدر آباد کے خلیب امجد حسین کھوکھر ضلع جہلم کے شیخ عبدالمجید اور راندریکے داؤد ابرہیم متالاک بھی قبریں ہیں جن میں سے نو خزانہ کرکاموٹر کے تعادم سے اسی سال انتقال ہوا ہے اور ان کے ایک رفیق جو اسی قصادم میں زخمی ہوئے تھے اس بار ہمارے شریک سفر تھے۔ انہیں قبروں میں ایک قبر مصطفیٰ اصبحی منزوی کی ہے جو مصری تھے۔ نیز ایک قبر آغا خاں صاحب کے چچا زاد بھائی اور حاجی بی بی صاحبہ کے بھائی آغا شمس الدین شاہ کی بھی ہے۔ اس قبر پر غالباً آغا خاں کی طرف سے یہ عبارت کندہ کی گئی ہے۔

”بلوادم عزیز، شعر

زرفتن تو من از حرم بے نصیب شدم

سفر تو کردی ومن در وطن غریب شدم

آغا خاں صاحب کو کون غریب کہے گا، لیکن ان کی غریب الوطنی اب ایک ضرب المثل ہے۔
 نہ معلوم اس شعر میں کس وطن کی غربت کی طرف اشارہ ہے۔ ان بڑی بڑی بختہ قبروں کے علاوہ کتنی ہی کچی قبریں بھی ہیں اور چند پر بظاہر حکومت کی طرف سے دوران جنگ میں لوہے مزاد بھی لگا دی ہیں چنانچہ حسب ذیل فوجی یہاں دفن ہیں۔

.....

..... میں ان سب کے لئے فاتحہ پڑھ کر آیا ہوں اور ان کے نام اسلئے لکھ لایا
 ہوں کہ اگر ہمدرد کے ذریعہ سے ان کے دُور افتادہ پیماندوں کو جن میں سے شاید ہی کوئی
 ادھر آئے اُٹلائے مل جائے کہ ایک مسلمان ان کی قبروں پر فاتحہ پڑھ آیا ہے تو غالباً انہیں

خوشی ہوگی۔

ان مسلمانوں کی قبروں میں ایک عجیب و غریب قبر بھی نظر پڑی۔ وہ ایک ہندو سپاہی کی تھی جس پر نالندوانا الیہ راجپوتوں کی جگہ..... کھدایا ہوا تھا۔ نہ معلوم یہ آدم بگماتی نام تو نہیں اور آدم کی جگہ غلطی سے فقط..... کھد کیا۔ مجھے اس وقت اس کی اطلاع نہ تھی کہ یہاں ہندو کا بھی کوئی قبرستان ہے اور قیاس بھی اس کے خلاف تھا، اسلئے کہ ہنود کے مڑے تو جلادے جاتے ہیں۔ اس لئے صرف اس ایک ہندو کی قبر کو دیکھ کر تعجب ہوا۔ اس کا نام موتی رام نمبر ۱۱۲- القسری..... کھدایا تھا جب ہم وہاں سے چل دیئے تو معلوم ہوا کہ ایک حصہ ہنود کی قبروں کے لئے بھی ہے اور وہاں ہنود کی قبریں بھی موجود ہیں۔

مسلمانوں سے کچھ ہی فاصلے پر پارسیوں کی متعدد قبریں ہیں اور یہ حصہ بہت زیادہ شاندار ہے سب سے زیادہ عظیم الشان قبر تو داڈیا صاحب کی ہے جس کے متعلق میں ابھی عرض کر دینگا۔ اس کے علاوہ ایک مسقف حجرہ کے اندر سرزن ٹاٹا کی قبر ہے اور دوسرے میں ان کے والد ماجد جمشید جی نوخیزواں جی ٹاٹا کی قبر ہے اس کے سامنے جمشید جی کی ہمیشہ مسز داراب جی لکھا تو ادا کی قبر ہے جس پر ان کا مجسمہ (صرف سر اور گردن وغیرہ) پتھر کا کھدایا ہوا لٹا دیا گیا ہے۔ داراب جی صاحب کی قبر بھی وہیں ہے۔ غالباً یہ ٹاپور کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ کی قبریں ہیں۔ مسز فاراب جی کے چہرہ پر، اور بالخصوص آنکھ کے پاس کسی پرند کی بیٹ پڑی ہوئی تھی، جسے میں نے وہاں سے علیحدہ کر کے صاف کر دیا اور شاہپور جی کے لئے دے دیا مگر یہ بہادر اور مہیا ہمدرد نوع انسان اور محب وطن انسانوں اور ہندوستانیوں کی کامیابی کے ساتھ خدمت کرتا رہے۔

مگر دیکھنے کے قابل داڈیا صاحب کی عالیشان قبر ہے۔ اس شہرہ غموشاں میں آئندہ گمانا تعجب کی بات نہیں، مگر مہنسی آنا ضرور تعجب انگیز ہے۔ لیکن ہم میں سے ایک

میں اپنی سنہری ضبط نہ کر سکا جب کہ ہم نے ایک جانب اس کتبہ کو پڑھا۔

I AM NOW ROSE NASHIRWANJE WADIA
OF THE ANCIENT ARYAN RACE OF PERSIA.
A CITIZEN OF THE LOYAL TOWN OF
BOMBAY WHO LIE HERE PEACEFULLY UNDER
THE FAR OFF SKY OF WIDE FAMED BRITAIN.

اس کا ترجمہ آپ ہی فرمادیں!، نہ معلوم وہ لمبی جس میں زیماں اور بھروچہ جیسے پارسی آج بھی ہیں جس میں داد بھائی نوروجی اور فرور شاہ مہتا اور جمشید جی نوشیرواں جی ٹاٹا اور تین ٹاٹا جیسے پارسی، گزر چکے ہیں وہ واڈیا صاحب کے اظہارِ وفاداری اور اس قدر اصرار کے متعلق کیا کہے گا۔ کیا لمبی میں صرف جس وفاداری ہی ملتی ہے، حق پرستی، حب وطن اور حریت کی جنسوں کا وہاں کا ہے؟ برطانیہ کی شہرت یقیناً دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ خواہ وہ کسی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے آسمان کو کیوں "دور" کہا گیا ہے۔ ہر جگہ کا آسمان وہاں کی زمین سے یکساں فاصلے پر ہوگا، یہ برطانیہ کا آسمان اس قدر دور کیوں ظاہر کیا گیا؟ اس کتبہ کو جس نے پڑھا، وہ بے اختیار سنس پڑا۔ مگر انجہانی واڈیا صاحب کا اس میں قصور نہیں ہے۔ "مردہ بدست زندہ" بدظاہران کے کسی نوادار و پسماندہ نے ان توقعات کی بنا پر جو انہیں "دور دور مشہور برطانیہ" سے ہیں برطانیہ کے آسمان اور "وفادار" لمبی کی زمین کی اس طرح مٹی پلید کی ہوگی۔ لیکن یہ عبارت بدظاہر کسی پارسی کی بھی تصنیف کردہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ باقی تین جانب جو کہتے ہیں ان کی عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کھنڈے والے کوژند اوستا سے کہیں زیادہ بائبل پر عبور ہے۔

اوپر مڑو، کا نام تو صرف ایک جگہ آیا ہے لیکن Saviour - Redeemer
Father of his children کے القاب کی تکرار کی گئی ہے۔ لہذا

LORD GOD کی فوئیل کی عبارت کو پڑھنے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ کسی عیسائی کی تصنیف کردہ ہے:-

THOU WHO OPENEST THE GATE OF THE MORN-
ING TO ASCENDING SUN. O. THOU SUN OF
RIGHTEOUSNESS ARISE WITH HEALING IN
THY WINGS & LIFT UP THE LIGHT OF THY
COUNTEANCE ON US THAT IN THY LIGHT
WE MAY SEE THE LIGHT OF LIFE EVER LASTING.

ہم یہاں سے چلے تو لڑکوں کو بھوک لگی تھی۔ اس لئے دو لنگ ہیں داخل ہوئے
ہی کا طیرج ہوٹل ملا دوہاں موٹر روکی اور ہوٹل میں داخل ہو کر غانا ماں یا "غانم سال" کی
تلاش کی۔ ایک میم صاحبہ جو غالباً مالکہ تھیں، اہل آئیں اور پہلے تو چائے دینے کا
وعدہ فرمایا۔ لیکن جب میں آگے بڑھا اور میں نے پوچھا
کہنے کچھ اور بھی بہت ہوگی

یہ لڑکے بھوکے ہیں، پلنگ اب تک نہیں کھایا ہے تو اسہوں نے گھر آکر چائے دینے
سے بھی انکار فرما دیا ہمارا قیاس ہے کہ تم انہیں "شیخ" سے خوف آیا، اور ان کو اندیشہ
ہوا کہ کہیں شیخ، اپنی جہاں ہوٹل کے چھری کا نشانہ اور چمچے دبا کر نہ لے جائے یا
کہیں مالکہ ہی کا مالک نرنن بیٹھے ہیں نے دو تین ہی دن ہوئے اپنے مکان سے
قریب ہی سینا میں وہ فلم دیکھا جس کا THE SHEIKH'S SON عنوان

ہے اور جس میں رڈلف ویلیٹنڈ ... انجہانی مراقش کے ایک نوجوان شیخ زادہ
کا پارٹ کرتا تھا۔ ان فلموں کو دیکھ کر کچھ تعجب نہیں مگر ان مالک والے اس اندیشہ سے
متروہ ہیں کہ اگر شیخ زادوں کی وراثتیاں یہ ہیں تو نہ معلوم خود شیخ کی وراثتیاں

کیسی ہوں گی۔ جی میں آیا کہ ہوٹل کی مالکہ صاحبہ کو مجبور کیا جائے کہ قانون کی رُو سے وہ ہمارا مطالبہ مسترد نہ فرمائیں لیکن انکی سرسام کی پر رحم آیا اور قصبے میں آگے جا کر ایک رسٹوران میں چائے پی گئی، سلا دکھایا گیا اور انڈوں کے آسولیٹ جس کو خانا ماں، مایٹ کہتے ہیں، کو کوک کھلائے گئے (چکھ میں نے بھی لیا)!

اب ذرا "سردار" اقبال علی شاہ صاحب کا حال سنئے۔ آپ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ ان "خورد دار" نے علی بادارن کے خلاف کیا کیا زہر اُگلایا ہے۔ یہ افغانوں کے اُس مشہور خاندان کے ایک سپوت ہیں جو غالباً حکومت افغانستان کے خلاف کچھ کارروائی کر کے ہندوستان بھاگ آیا تھا۔ اور یہاں سروہند ضلع میرٹھ میں آکر نیا بزمین بنوا تھا۔ اس خاندان کے بہت سے افراد سے مجھے نیاز حاصل ہے، اور بعض تو علی گڑھ میں ہمارے ساتھ پڑھتے بھی رہے "سردار" اقبال علی شاہ صاحب بھی علی گڑھ کے پُرانے طالب علم ہیں اور جب میں ۱۹۱۳ء میں سید وزیر حسن صاحب کے ساتھ یہاں آیا تھا، اُس وقت آپ ایڈیٹرِ ترا میں تعلیم پاتے تھے۔ امتحان تو یہاں شاید ایک بھی پاس نہیں کیا مگر ایک مہم صاحبہ سے شادی ضرور کر لی۔ مٹا ہے کہ ایک عرصے تک تو ان کے والد ماجد نے جو تھیمس دار سٹے کچھ بویہ بھیجا، لیکن اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ان کے علی گڑھ کے ایک رفیق کے پاس ان کا ایک طویل طویل خط ہے جس میں انہوں نے اپنی اقتصادی مشکلات کی داستان کو دہرایا ہے اور پھر بتایا ہے کہ کس طرح غازی امان خاں کے اعلانِ جنگ کے بعد ان مشکلات کا حل اس طرح نکل آیا کہ انہوں نے یہاں کے اخبارات کو برطانیہ کی تائید میں مضامین بھیجے، جو پہلے تو مسترد ہوتے رہے، لیکن بعد کو انڈیا آفس سکایا سے اور مجھے یقین ہے کہ یہ اصلاح کے بعد شائع ہونے لگے۔ جب میں ۱۹۱۳ء میں پھر یہاں آیا تو یہ بھی مجھ سے ملنے آئے۔ مگر میں نے انتہا نہیں کیا، البتہ حیات صاحب کی مروت نے انہیں مجبور کیا کہ ملاقات سے انکار نہ کریں۔ اسلئے دو ایک بار آپ ہمارے

مکان پر تشریف لائے ۱۹۲۵ء میں آپ مجھ سے دہلی میں ملے اور ”کمرٹھ“ کے مہمات میں نوکری کی خواہش کی اور نمونہ ایک مضمون بھی لکھ کر دیا۔ میں اگر ان پر اعتماد کر بھی سکتا۔ تب بھی اس مضمون نے ان کی قابلیت کی اس طرح کلی کھول دی کہ ان کو نوکری دینا میرے لئے ناممکن ہو گیا اور زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکا کہ ان کے سخت اصرار پر ان کے مضمون کی عبارت کو بار بار اصلاح دے کر اسے ”کمرٹھ“ میں چھاپ دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے THE NEW SPECTATOR نام کا ایک ہفتہ وار پرچہ خود نکالنا شروع کیا، جس کو یہ میرے نام بھی بھیجتے رہے۔ پہلا پرچہ بھیجتے وقت جو خط میرے نام آپ نے ارسال فرمایا تھا اُس میں میرے ساتھ اپنی عقیدت مندی کا بہت کچھ لکھا فرمایا گیا تھا لیکن اس پرچے کے پہلے ہی صفحے پر آپ کا پہلا ہی نوٹ شوکت صاحب کی مذمت میں تھا، جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اس پرچے کی اشاعت کی غرض کیا تھی۔ قرب صاحب بھوپال کے خلاف ہر پرچے میں زہرا گلا جاتا تھا، اصرار کے نتیجے کو ریاست کا حق دار بنایا جاتا تھا۔ چند ماہ بعد آپ نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ کا یہ پرچہ میں اپنے پریس میں شائع کیا کر دوں جس سے میں نے فوراً ہی انکار کر دیا۔ اس کے بعد پرچہ شائع ہونا بند ہو گیا۔ اگر کسی شخص کو جین نطن ہو کہ جو مضامین آپ کے نام نامی سے یہاں کے اخبارات اور رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں وہ آپ ہی کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں تو وہ دفتر ”کمرٹھ“ و ”ہمدرد“ سے THE NEW SPECTATOR کی فائل منگا کر اپنی ضعیف الاعتقاد کی اصلاح کر سکتا ہے خیالات پریشاں اور رکیک عبارت بے ربط اور ناقص، یہ آپ کی حقیقی قابلیت کے ثبوت میں موجود ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی کسی مزید ثبوت درکار ہو تو وہ مئی یا جون ۱۹۲۵ء کی ”پائونیر“ کی فائل اٹھا کر دیکھ لے جس میں ایک پرچہ میں پڑھنے والے کو پہلے ہی صفحے پر ایک ایڈیٹریل نوٹ ملے گا جس میں میرے ایک خط کا جو میں نے یہاں سے شوکت صاحب کے نام

لکھا تھا مذاق اڑایا گیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ پرجہ میری نظر سے گزرا تھا۔ لیکن اس نوٹ کے بعد ایک اور نوٹ بھی ہے جس میں ”سردار“ اقبال علی شاہ وسط ایشیا کے EXPERT (ماہر) کے ایک مضمون کے متعلق جو یہاں ایک مصور پرچہ میں مع چند تصاویر کے شائع ہو چکا تھا، درج ہے کہ اس میں جو تصویر دی گئی ہے وہ یقیناً ”سردار“ صاحب نے اپنے سفر کے ایام میں ہرگز نہیں کھینچی تھی، نہ اس مقام کی تصویر ہے جس کا سردار صاحب نے ذکر فرمایا ہے، بلکہ اس سے بہت دور ایک اور مقام کی تصویر ہے، اور ایک اگلی یہ فوجی انفر کی کھینچی ہوئی ہے جو اس کی ایک تصنیف کردہ کتاب میں شائع ہو چکی ہے، اور اس کے فلاں صفحہ پر موجود ہے اور ہمارے وسط ایشیا کے محقق ایک سابق سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے! آپ کے اخبار کے بند ہونے کے بعد آپ کی میم صاحبہ ہندوستان سے ولایت کو چل دیں اور اس جنوری کے دسمبر کی طرح ۷۷

مالہا سال ہوئے ہیں ترے پیچھے پھرتے

جنوری تو ہے تو اسے ماہ دسمبر میں ہوں

آپ نے تعاقب کرنے کی ٹھانی مینا گیا ہے کہ والد ماجد سے روپیہ کا پھر مطالبہ کیا گیا اور جب ان غریب نے کہا کہ میرے پاس روپیہ کہاں، تو ان کو دھکی دی گئی کہ اگر روپیہ نہیں دیا گیا تو ایک دیوانی کے مقدمے میں فریق ثانی کی طرف سے ان کے خلاف گواہی دے دی جائے گی۔ اس پر ان کے دوستوں نے کہا کہ بھائی کہیں سے قرض دام لیکر دے دو، ورنہ مقدمہ بگڑ جائے گا، چنانچہ کچھ روپیہ اس طرح ملا۔ اس کے بعد مبئی تشریف لائے تو حبیب الرحمن خاں صاحب (ذاب صدر یا جنگ بہادر جو یقیناً ان کے والد ماجد کو ان کی علی گڑھ کی تحصیل داری کے زمانہ سے جانتے تھے عازم حج نظر آتے۔ پھر کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت عجیب بات ہے میں بھی اس سفر باندھ کر آیا ہوں، بلکہ جہہ کا ٹکٹ نہیں ملتا۔ انہوں نے فرمایا کہ بھائی ایک ٹکٹ تو بیرے

پاس ہے چنانچہ اس بحث کو لیکر آپ نے مکہ معظمہ کا قصد فرمایا، اور انہیں کے طفیلیوں میں آپ جلالتہ الملک عبدالعزیز آل سعود ملک الحجاز و نجد و ملحقہ تہاکے مہمان بنے، اور ان سے مکہ معظمہ میں ملاقات کی اور ایک دن جو غالباً پہلا ہی دن تھا، ان کے ہمراہ آپ موقر عالم اسلام میں بطور وزیر کے شریک ہوئے۔ یہ باتیں میں نے مکہ معظمہ میں سنی تھیں، مگر چونکہ میں نے خود تحقیقات نہیں کی ہے، اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ کہاں تک صحیح ہیں۔ مکہ معظمہ پہنچ کر آپ ہم سے بھی ملنے آئے وہاں پہلے ہی سے متعدد جوایس "دور دور مشہور برطانیہ" موجود تھے، آپ کو دیکھتے ہی ہم سب بول اٹھے کہ آبا آپ بھی تشریف لے آئے۔ آپ ہی کی کسر تھی کہم سے کہ مکہ معظمہ میں تو نہ انگریزی ٹوپی برسر تھے اور نہ لباس انگریزی "دربر" غالباً ٹوپی تو ترکی تھی اور ریشم کالا نیا کوٹ تھا اور ٹانگوں میں شروال۔ لیکن اس بدبخت کی کم نصیبی کو کیا کہا جائے گا جو اس طرح مفت سفر کر کے بھی حج سے دو دن پہلے جدہ کو چل دے اور وہاں سے عازم یورپ ہو جائے۔

جو نامزد میں آپ کے مضامین مابعد میاں نے مجھے ارسال فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک مضمون میں ایک عبارت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موقر عالم اسلام کے جلسے اس ترکی قلعے میں منعقد ہوئے تھے جو پہاڑ پر واقع ہے، حالانکہ سارے جلسے جیاد کے میدان والی کشلہ یا ترکی فوجی بارک میں ہوتے تھے جو اس پہاڑ اور قلعے کے نیچے واقع ہے۔ اس عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مضمون کا لکھنے والا کوئی ایسا شخص ہے جس نے اس قلعے کی تصویر ہی دیکھی ہے اور غلطی سے ترکی کشلہ کو ترکی قلعہ سمجھ گیا ہے اور خود موقر میں ہرگز موجود نہ تھا حالانکہ "سرواڑ" صاحب یقیناً ایک دن ضرور وزیر کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے یعنی نام تو آپ کا تھا، مگر کام کسی انگریز کا تھا، آپ کام صرف اس قدر تھا کہ شرکت علی محمد علی کے خلاف چند جھوٹی باتیں دل سے لکھ کر دشمنان اسلام اور دشمنان ہندوستان کے ہاتھ آپ نے فروخت فرمادی تھیں۔ اس موقر کے بعد آپ کے

نام سے شائع کر دیئے گئے ہوں گے تو میں پچیس مضامین مشائع کر دیتے گئے ہوں گے اور اس کے بعد آپ کا ایک لکچر ساؤتھ فیلڈ کی اس قادیانی مسجد میں زیرِ صدارت مرنائیکل اوڈ وائر سبانی لفٹنٹ گورنر پنجاب دلویا گیا جس کے افتتاح کا وعدہ کر کے شہزادہ فیصل ابن عبدالعزیز آل سعود نے بالآخر انکار کر دیا تھا، اور جس کے لئے قادیان سے میرے پاس ایک تار آیا تھا کہ میں سلطان ابن سعود کو پھر آمادہ کر دوں کہ اپنے صاحبزادہ کو اس مسجد کے افتتاح کی اجازت دے دیں۔ مضامین اور لکچر دونوں علی برادران کی خدمت سے بھرے ہوئے تھے۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ ہی جب مجھے اس مکان کی مالکہ صاحبہ نے سب سے اوپر کی منزل سے سب سے نیچے کی منزل میں یہ کہہ کر طلب فرمایا کہ ایک صاحب آپ سے ٹیلیفون پر بات کرنا چاہتے ہیں اور ان صاحب نے فرمایا کہ میرا نام اقبال علی شاہ ہے ٹیلیفون پر جو مکالمہ ہوا اب اُسے سنئے :-

”سروارہ اقبال علی شاہ۔ مولانا السلام علیکم معاف فرمائیے گا۔ میں نے آپ کو تکلیف دی۔“

محمد علی :- ”علیکم السلام۔“

س۔ ا۔ ع۔ ش۔ ”مجھے اس کا علم نہ تھا کہ آپ کو اوپر سے نیچے آنا پڑے گا۔ میں سمجھتا تھا کہ ٹیلیفون آپ ہی کے کمرے میں ہے۔“

م۔ ع۔ ارشاد فرمائیے۔

”س۔ ا۔ ع۔ ش۔ فرمائیے آپ کا فراج تو اچھا ہے

م۔ ع۔ جی نہیں۔“

”بس۔“ ا۔ ع۔ ش۔ ”امید ہے کہ آپ نے میرا قصور معاف فرما دیا ہو گا۔“

م۔ ع۔ جی نہیں۔“

”س۔ ا۔ ع۔ ش۔ آپ کا قلب تو نہایت وسیع ہے

م۔ ع۔ مگر میرا دماغ بالکل تنگ نہیں ہے۔
 م۔ ع۔ ا۔ ش۔ کیا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتا ہوں۔
 م۔ ع۔ جی نہیں۔

م۔ ع۔ ا۔ ش۔ میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ امید ہے کہ آپ نے میرا
 قصور معاف کر دیا ہو گا۔

م۔ ع۔ ا۔ درمیں بھی پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ جی نہیں۔
 اس کے بعد میں نے ان ذات شریف کو ان کے تمام مضامین یاد دلانے اور ان کا
 لکچر یاد دلایا۔ اور کہا کہ میں تنگ دل نہیں، لیکن اس قدر ضعیف الدماغ بھی نہیں ہوں
 کہ ایسے پاجیوں سے دھوکا کھاؤں مجھے تعجب ہے کہ برطانیہ کے ایسے گروں کو جو اس کی
 طرف سے ایسے گندے کام اور جاسوسی کرنے بھرتے ہیں۔ کیسے اتنی تہمت ہوتی کہ مجھ سے
 ٹیلیفون پر گفتگو کریں اور مجھ سے ملاقات کرنا چاہیں میں نے کہا کہ اب اس سلسلہ کو ختم ہونا
 چاہیے اور میں نے ٹیلیفون کو فوراً منقطع کر دیا۔

اب اس خط کو بھی اسی خاتمہ بالغیر پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ درجہ چاری بیگم صاحبہ
 کے نام دو سطریں لکھ سکونگا۔ جہاں راجہ پٹیا لہ کا لکچر اُن کیسی والے کی میرے ساتھ گستاخی
 اور اس کا ثمرہ اور اس ثمرے کا جو ثمرہ بنگالی طالب علم کو اور مجھے چکنا چڑاؤہ داستان اس
 ہفتے ملتوی رہی۔ انشاء اللہ کل پرسوں اُسے لکھ رکھونگا۔ تاکہ اگلے ہفتے ضرور بطور سب
 ٹک جاسکے۔

ہمدرد کی شاعت کے متعلق کوئی صاحب کچھ نہیں تحریر فرماتے۔ پرچہ ماشاء اللہ خوب
 نکل رہا ہے اور بیخ فخر الملک صاحب کی تہمت سے گھٹ گیا ہے اور اس پر بھی دس صفحے
 نہیں رہے ہیں اور بارہ کا ارادہ ہے، خدا اجر خیر عطا فرمائے۔ مگر یہ تو بتائیے کہ قدر والی میں کس قدر
 اضافہ ہوا۔ اب آپ صاحبوں اور ہمدرد اور اسلام اور ہندوستان کے لئے دھاراس عربیہ

کو ختم کرنا ہوں۔

آپ کا بھائی
محمد علی

گوشہ جمہرات کو (یعنی ۲۲ اگست کو) میں دارالعوام گیا تھا۔ جمعہ کو دارالعوام کا آخری اجلاس تھا، اور سبکات والا کے پیہم اعتراضوں اور سوالوں پر لیبر پارٹی نے محض نام کی واسطے بحث کے سلسلہ میں ہندوستان کا مسئلہ بھی چھیڑا۔ صرت دو گھنٹے ایک شب کو ہندوستان کے ۲۲ کروڑ انسانوں کے لئے بھی وقف کئے گئے۔ مگر وہ بھی آخری اجلاس میں، اور کنزرویٹو فرقہ والوں نے عداوت کو انگریزی مزدور بھیجنے کے سلسلے میں فضول تقریریں کر کے، اور وزیر محکمہ کے جواب کے بعد بھی تقریر کے سلسلہ کو جاری رکھ کر، اور خلاف انتظام طے شدہ یہاں کے سابق سپاہیوں کی سول سروس میں نوکری کے مسئلہ کو بھی اٹھا کر اتنی دیر لگا دی کہ ہندوستان کا ذکر خیر بجائے نہ بجے شب کے ساڑھے دس بجے شروع ہوڑا اور ۱۲ بجے ختم ہو گیا۔ رات کے بارہ بجے تک کی کارروائی اخبار ڈیلی ٹیلیگراف کی فائل کیساتھ بھیج دی ہے اور باقی کارروائی یوسف حسین خاں بزدار ذکر صاحب جو آج کل میرے ہمراہ اسی مکان میں مقیم ہیں، خرید کر کے غالباً آج ہی آپ کو روانہ کر دیں گے۔ سبکات والے کی تقریر بے مثل تھی، اور اس دن ٹرین نے اسی میں مصالحت سمجھی کہ اس کا مطلق جواب نہ دیں۔ کل مباحثہ کا حال انشاء اللہ اگلے ہفتے ارسال کر دوں گا۔

محمد علی

(۱۴)

تہذیب یورپ کے چند مناظر

راہی ملک جرمنی

۱۶۔ اگست ۱۹۲۷ء

پیارے ماجد میاں ظفر الملک صاحب اور جعفری اسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔
 میں ۱۳۔ اگست کی شب کو لندن سے نکلا ہوں اور دو دن پیرس قیام کر کے آج
 عتین 'بچا پیچ' کے ساتھ جرمنی جا رہا ہوں جن میں سے دودھ صاحبین ہیں جن کیساتھ
 میں لندن کے مکان میں رہا کرتا تھا اور ایک عبد الرحمن صاحب صدیقی کے بھانجے
 محمد امین فقیہ صاحب کے صاحبزادہ جو ہمارے فرانس کی حدود میں ترجمان اور سارے
 عالم میں ہمارے خزانچی ہیں۔ خالد صاحب ۹ رجولانی ہی سے اپنے والد کے ایک دوست
 کے ترجمان اور رفیق سفر بنکر لندن سے نکلے تھے اور ان چچا مان کو 'مارسیلرنگ پہنچا
 آئے تھے۔ اس کے بعد جب شوکت عمر صاحب بٹری بالٹیکنیک سے جہاں وہ ۷۔
 ۸ ماہ سے پڑھ رہے تھے کامیاب ہو کر لندن یونیورسٹی کے سیکنڈ ایئر میں داخل ہو گئے۔
 اور ان کے ساتھی اشرف صاحب کو لندن کاٹنے لگا۔ اور ہمیں ڈاکٹر ذاکر حسین کے
 بھائی یوسف کیساتھ چھوڑ کر جو پیرس کی سارہ بون یونیورسٹی سے دفتر وزیر ہند اور
 برٹش میوزیم میں مطبعہ کرنے آئے ہیں۔ پہلی اگست کو پیرس چلے آئے تھے۔ میرا
 ارادہ تھا کہ پہلی ستمبر تک لندن رہ کر کرل اسٹن سے علاج کراتا رہوں اور اس کے
 بعد فرانس آ جاؤں اور بالآخر ایک ہفتہ اٹلی رہ کر عازم ہندوستان ہو جاؤں۔ ابترہ
 میں ایک ہفتہ شہر مصر میں بھی قیام کر دوں اور اگر کچھ پیسے بچ سکیں تو فلسطین بھی ہوتا آؤں۔
 لیکن اگست کا مہینہ لندن میں آؤں گے لڑ چھٹی کا مہینہ ہوتا ہے اور غریب اور امیر مرد اور عورت اور بچے

دو تین دن سے لیکر دو ماہ تک کے لئے لندن سے باہر سمندر کے کنارے یا کسی اور تفریح گاہ کو چلے جاتے ہیں چنانچہ کرنل آسٹن صاحب بھی ۱۱- اگست سے ۱۰- اداون کے لئے انگلستان کے مشہور اور قدیم جھگل نیو فارسیٹ میں چلے گئے ہیں یہاں دو گنگ کے امام صاحب نے اصرار فرمایا کہ عید میلاد کے جلسہ تک جوہر ستمبر کو ہونی والا ہے لندن میں قیام کر دوں، اور اس جلسہ میں ایک تقریر کرنے کے بعد انگلستان سے رخصت ہوں۔ جب میں قاہرہ گیا تھا تو ڈاکٹر احمد ذوالسنہ نے سخت اصرار کیا تھا کہ یورپ چھوڑنے سے پیشتر جرمنی کے مشہور شہر فرانکفرٹ کے ذیابیطس کے ماہر ڈاکٹر پروفیسر خان نارڈن کو بھی اپنا حال سننا ماناؤں اور کہیں کہہ چکا تھا کہ میں علاج صرف کرنل آسٹن کا کر دوں گا۔ لیکن ان کے اصرار پر اس کا وعدہ کر چکا تھا کہ ان سے اپنا طبی معائنہ ضرور کرالوں گا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ کرنل آسٹن کے علاج کے بعد اب حالت کیسی ہے۔ اسلئے گذشتہ ہفتہ میں ایک دن جا کر اپنے پاسپورٹ کی تعلیم "جرمنی اور ایلینڈ کے لئے بھی توسیع کرالایا۔

عجیب حُسن اتفاق ہے کہ دوسرے ہی دن جرمنی سے چٹوپدھیا صاحب منرنیڈو کی بھائی کی دعوت بھی آئی۔ میں ان کا دعوت نامہ اور اس پر میں نے جو جواب لکھا تھا۔ دونوں ملفوف کئے دیتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دعوت کس قسم کی تھی اور میں نے اس کا کیا جواب دیا۔ مجھے اس وقت ترجمہ کرنے کی فرصت نہیں ہے۔ آپ حضرات خود ترجمہ کر سکتے ہیں۔ درنہ میں نے اس کا خلاصہ اس خط میں دیدیا ہوتا میں ابرہی کو روانہ ہو گیا ہوتا مگر یکم صاحبہ کو جو تار گزشتہ بدھ کو دیا تھا اس کے جواب کا پیر تک انتظار تھا۔ گو گزشتہ ہفتہ کے تار کا جواب نہ آنے سے تقریباً پانچویں بجی تھی اور میں نے یہ یقین کر لیا تھا کہ وہ مہاجر سعید محمد خان کے ساتھ جو بمبئی وال سے ۱۲- اگست کے جہاز میں روانہ ہو رہے ہیں ہمہ دیکھیوں کے نہیں آکر ہی ہیں۔ ۱۳- اگست کو ان کا جواب بھی آ گیا کہ

روپیہ کا کوئی بندوبست نہیں ہو سکا اور میں نے حمیدہ بی کو خدا پر چھوڑ کر خود جرمنی جانے کے لئے رخت سفر باندھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں چٹوڑیا صاحب کا تار بھی برلن سے آگیا کہ سب انتظامات کر دیئے گئے۔ چنانچہ وقت بچانے کے لئے اسی شب کی گاڑی میں یوسف صاحب سے رخصت ہو کر روانہ ہو گیا۔ یہ راستہ ساؤتھیمپٹن اور ادرے اور ادرے ہو کر آتا ہے اور چنیل (روڈ بار انگلستان) کے عبور کرنے میں ۶ گھنٹے لگتے ہیں۔ یہ عام طور پر لوگ اس سے گھبراتے ہیں۔ لیکن وقت کی بچت ہوتی ہے۔ اسلئے کہ رات کو ڈور کیلئے ہو کر اور فاک اسٹون بولون ہو کر سفر کیا جاسکتا ہے۔ راستہ میں بڑی خیر ہو گئی۔ ساؤتھیمپٹن کے اسٹیشن پر کوئی قلی نہ ملا۔ اسلئے اپنے ہیڈ بیگ وغیرہ اور سوٹ اٹھا کر میں بھی اور مسافروں کے پیچھے ہو لیا اور انہیں کے ساتھ ایک کشتی پر سوار ہو گیا اگر جاتے ہی سونے کے لئے کیبن نہ مانگا جاتا تو بجائے فرانس کے میں جزائر چنیل پہنچ گیا ہوتا۔ جب میں نے کشتی پر سوار ہو جانے کے بعد اپنا کٹ کرہ لینے کیلئے دکھایا تو پتہ چلا کہ

ترسم نہ رہی بکعبہ اے اعرابی
کیس را کہ تو میردی تبرکستان آ

فرا! تو کہ اس طرف گیا جہاں ایک دوسری کشتی، فرانس جانے کے کھڑی تھی۔ غریب فرانسیسی فردوروں کو تو وہ فرانک مزدوری کے مل جاتے ہیں تو اسے غنیمت سمجھتے ہیں۔ لیکن یہاں کے قلیوں کے لئے ۲ شلنگ بھی مشکل سے کافی ہوتے ہیں اور استغنا کا یہ عالم ہے کہ مسافروں کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ رہتے ٹیکسی والے تو اس جماعت میں تو ایسے غیبت بھرے ہوئے ہیں کہ کچھ ٹھکانا نہیں۔ ماری دنیا سے زیادہ بھاری بست اور سٹرل ٹیکسیاں لندن کی ہیں لیکن کرایہ پیرس کی عمدہ ترین ٹیکسیوں سے بھی نگہا چوگنہ ہے اور انعام بطور انعام کے قبول نہیں کیا جاتا، بلکہ حق سے بھی زیادہ

سمجھا جاتا ہے اور اگر خوردہ لینا پڑتا ہے تو بڑے اصرار کے بعد ملتا ہے۔ ورنہ ایک شنگ کا ڈیڑھ شنگ کرایہ ہوا اور ۲ شنگ دیا جائے تو ٹولی چھوڑ کر جیب میں رکھ لیتے ہیں۔ اور نہایت اطمینان سے رخصت ہونا چاہتے ہیں۔ ان ٹیکسی والوں کے متعلق انشاء اللہ آئندہ کسی خط میں تفصیل سے لکھوں گا اور وہ سارا قصہ درپازوں کا جو مجھے پیش آیا تھا۔ اور جس کی بدولت لندن کے ایک پر جوش بنگالی طالب علم کو، ٹیکسی والے کو دو پونڈ بطور خرچہ دینے کے بڑے تھے اور مجھے ان کی حمایت کرنے والے سولہ ستر ادبیہ سڑوں کو ان کے گھنٹہ بھر کی محنت کے لئے پونڈ ۷ شنگ ۶ پیس دینا پڑے تھے۔ ۴۰ کوہیرس مینہیکہ اسی وقت راہی فراغت ہو گیا ہوتا، مگر چوپا دھیا صاحب کا خط جس کے متعلق ان کا تار آیا تھا، اس میں ہدایات سفر اربعہ سال کے لئے ہیں۔ مجھے اس دن نامس کلک کے یہاں سے نمل سکا۔ اس کے علاوہ بچا چچا کو سین ٹرین کی سیر کرانے گیا تھا۔ والہی میں یکا یک داہنے پاؤں میں درد شروع ہوا۔ اور اسی کے باعث مضبوط حرارت ہو گئی۔ درد کل بھی رہا اور آج بھی باقی ہے اور قیاس ہی ہے کہ یہ سب ذیابیطس اور نیورائٹیس کی علامت ہے چنانچہ آج شب کو فریگھٹا پیچیدگی صبح کو میری بھی دکھاؤں گا۔ میری صحت کی عام حالت اچھی ہے۔ کچھلے فاقہ کے بعد ایک ہفتہ تک میں نے گوشت نہیں کھایا، بلکہ محض پھل اور بغیر کچی ہوئی ترکاریوں پر یعنی کھیر، لکڑی، دلائی بیگن اور کاہو پر گزار کیا تا ورنہ کا امتحان کرایا تو شکر نصف فیصدی تھی اور چربی نیلے فیصدی تھی۔ فاقہ کرنے کے بعد شکر بالکل نہ تھی اور چربی ۳ فیصدی تھی۔ وزن مخصوص ۱۰۶۷ سے بڑھ کر ۱۰۷۶ ہو گیا تھا۔ وزن تو نہیں بڑھا تھا صرف چھٹا نمک کی زیادتی ہوئی تھی مگر خلاف توقع کر ۱۲۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳

باعث نرکاری کا شور باجی پیچ تیار کر لاتے تھے، وہ بی لیا تھا، مگر صبح ہی کو فریٹ لٹ
کا ایک مہل اور لے لیا۔ رات اور پرسوں رات بھی بائیں پاؤں میں عصا بلی سوزش
ہوئی تھی اس سے کچھ امید بھی بند ہوتی ہے کہ مرض کا فائز سے مقابلہ ہو رہا ہے۔
اور نہر میت اٹھانے سے پہلے مرض زور دکھا رہا ہے۔

میرا ارادہ تھا کہ کل آپ کو خط لکھتا مگر اس درد کے باعث نہ لکھ سکا اور بجائے
اس کے خالد کو ساتھ لیکر سیس نامی میوزک ہال دیکھنے چلا گیا۔ برادران من اب تودت
سے کسی محفل رقص و سرود میں شریک نہیں ہوتا ہوں اور بلوچوں نفس مارہ کے بہت
سے مطالبات کے انہیں پورا کرنے سے باز رہتا ہوں۔ انہیں کیفیات قلبی کو ایک
شعر میں اس طرح ادا کیا تھا۔

یکبار گئی ہوس کے چٹے سارے مشغلے
اے دل نگاہ یا کیسا سحر کر گئی

بہند وستانی گانا سننے کو البتہ اب بھی دل تڑپا کرتا ہے اور شوکت صاحب نے تو ایک
دوبارہ نفس کو بہت ہی لالچ دلایا۔ اس لئے کہ گوہر جان کی طرف سے وہ دعوت دلائے
تھے کہ کبھی کبھی تو گھر کر گچھ سن لیا کیجئے۔ میں قسم کھاتی ہوں کہ سوائے اقبال کے اشعار
کے اور حسرت کی غزلوں کے آپ کو کچھ اور نہ سناؤں گی۔ لیکن میں نے ضبط و ضبط سے
کام لیا اور کہلا بھیجا کہ اب تو معذرت ہوں۔ البتہ جب کبھی کلکتہ جانا ہوں تو پیارے صاحب
کا گانا ضرور سن لیا کرتا ہوں اور جنت نگاہ، نہ سہی فردوس گوش، تو ضرور نصیب ہو جایا
کرتی ہے۔ جہاں راجہ الور کے ہمراہ راسپور گیا تھا تو پہلی شب کو جب میں محفل رقص و
سرود میں حاضر نہ ہوا تھا تو بلوایا گیا تھا مگر جب میں نے عذر پیش کر دیا۔ تو مہاراجہ
صاحب نے اسے قبول نہ فرمایا، بلکہ ٹوپی اس کے بعد محفل رقص و سرود میں شریک نہ ہوئے۔
اور اس کے عوض قتالی کی محفل اپنی قیام گاہ کے پاس ہی شرب کو منعقد کرائی۔ بہند وستانی

میں جو تھیٹروں کی حالت ہے وہ آپ کو معلوم ہے سینما میں بھی اکثر سوائے ہنس کناں کی تعداد کے کچھ نہیں ہوتا اسلئے میں سینما میں نہیں جایا کرتا اور بچا چنچ، "کوہ میں کسخت تعجب" کو میں نے آج تک چار لی چینوں کو سینما میں نہیں دیکھا تھا اور گذشتہ ہفتہ ہی میں اپنے خلع کے ایک سینما میں ان کے فلم پچ کر رہے ہیں دیکھتے ہی بس پر سے اتر پڑا حال لکڑی ٹکٹ پکاؤلی کے لئے تھا تا کہ وہاں جا کر ایک تھیٹر میں سینما دیکھیں۔ البتہ میں سنجیدہ ڈراما کا عاشق ہوں اور ایمن بری جوا بھی انتقال کر گئی ہے اور اورنگت میر ہو رہا اور رتی اور مسز رتی فارلبس رابرٹس اور مسز پیرک اور پھر ان کی بیوی گرڈ وائلنٹ ولسن پیرٹ اور نائڈ چیفریز اور پھر لیلیا میک کارتی وغیرہ کو اکسفرڈ کی تعطیلات میں دیکھنے کیلئے بار بار تھیٹر جایا کرتا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں جب آیا تھا تو مطلق فرصت نہ تھی۔ پھر بھی برنارڈشا صاحب کے ایک تماشہ کو دوبارہ جا کر دیکھا۔ لیکن اب وہ بڑے بڑے ایکٹروں کی نہ رہے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں تو اتنی بھی فرصت نہ تھی جتنی کہ ۱۹۱۳ء میں تھی اور حقیقت میں دل بھی اب اس ڈراما میں لگا ہوا تھا جس میں مصطفیٰ کمال پاشا اور ان کے ساتھی اناطولیہ میں ایکٹ کر رہے تھے۔ البتہ اس بار ذرا فرصت تھی اور ہنڈن میں طیاروں کے کرتب دیکھنے کے بعد شیفیع کی رسٹوران میں ہنڈستانی کھانا کھا کر تھیٹروں کی طرف رخ کیا۔ مگر کہیں جگہ نہ ملی۔ بچا چنچ کے اصرار سے ہوٹن کے امپائر نامی میوزک ہال میں گیا اور بالکل خیال نہ رہا کہ یہاں تو محفل رقص و سرود گرم ہوتی ہوگی۔ جب وہاں پہنچ چکا تو میری آنکھوں نے پہلی بار تھیٹر میں وہ نظارہ دیکھا جو کبھی جوانی میں بھی نہ دیکھا تھا، یعنی چند عورتیں کنڈوں سے لیکر راتوں تک برہنہ ہمارے یہاں کی کبوتریوں کی طرح کرتب دکھا رہی ہیں جب میں تیس برس پشتر انگلستان آیا تھا تو میوزک ہال میں ہر رقصہ رشیم کے ٹائٹ یعنی راؤں تک موزے پہنے ہوتی تھی، پھر بھی ایسے رقص گاہوں میں جانا نہ رنگیے پن کی علامت تھی۔ لیکن اب تھیٹروں میں برہنگی کبوں نہ آئے، جب سمندر کے کنارے ہر تفریح گاہ میں

ہزاروں عورتیں مردوں کی طرح سے بنیان کا بائگیا پہنے انہیں کیسا تھرتی پھرتی
ہیں اور اس کا نظارہ گواہ تک میں نے کسی بندرگاہ پر جا کر نہیں کیا ہے۔ تاہم اپنے جہاز
ہی پر ولایت آنے وقت دو تین میم صاحبان کو تنق پر کمرچ کی حوض میں کودتے پھانٹتے
اور مردوں کی گردنوں پر سوار ہوتے دیکھ چکا تھا۔ آجکل ہر صورت اخبار میں ان ہزاروں
”عساکرات“ کے حسن کی نمائش اور اس کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ میں ہر مہینہ چھپند
پرچے مولانا عرفان کی خدمت میں بھیج دیا کرتا ہوں کہ وہ سمجھ سکیں کہ اب ذہن کہاں تک
پہنچ چکی ہے۔

برادران من! بغیقت میں اب پردہ یہاں تک اٹھ چکا ہے کہ شبِ عروسی بھی
بے نقاب نظر آتی ہے جب انگلستان کا یہ حال ہو جہاں میری طالب علمی کے زمانہ
میں عورتوں اور مردوں کا ساتھ ساتھ نہانا قطعاً ممنوع تھا حالانکہ اس زمانہ میں
عورتوں کا سارا جسم ڈھکا ہوتا تھا تو پھر آجکل تیسریں میں کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا جب میں نے
”بچا پیچ“ سے سنا کہ وہ مولائے آفرین برٹریج جاکر اس عربانی کا نظارہ کھچے ہیں تو
میں نے بھی محض اس خیال سے کہ

کہ سالک بنے خبر نہ بود نہ راہ و رسم منزل ہا

فیصد کیا کہ سپیس جا کر دیکھیں تو کیا کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے پہلے ”پاری پلنریہ“

نامی ایک رسالہ میں متعدد نقاد و کتبچہ چکا تھا جس میں دو سہائیں ”حید“ اور ”دھلی“
نامی بھی تھیں ان کا لباس دیکھ کر مجھے اس امر میں عورت کا قول یاد آیا جس نے
لکھا تھا کہ ہاں میں جانتی ہوں کہ ہندوستان کا قومی لباس کیا ہے۔ ہندوستان
کا قومی لباس ایک ٹپکا اور ایک جلی رومال ہے۔ ”ان غیر مستورات کے سر پر بھی
ایک ٹپکا تھا اور باقی جسم کے لئے ایک نہایت مختصر سا جلی رومال رہ گیا تھا۔
اس رومال کو رومالی کی جگہ دیکھ کر بے اختیار غالب کے اس شعر میں تصرف کرنے

کو جی چاہتا تھا ہے

ہائے اس چار گروہ پٹے کی قیمت غالب
جس کی قیمت میں ہومیشو کی خشقت ہونا
میں نہیں کہہ سکتا کہ خشقت کے بجے کیا ہیں آج تک کبھی لکھنے کا اتفاق ہی
نہیں ہوا۔ مجھے تو یہ خیال تھا کہ یہ ہمارے روہیلکھنڈ والوں کی پشت کا ایک لفظ
ہے اور رخن اور شت کا اجتماع یقیناً ”پنختو“ پر دلالت کرتا ہے لیکن ”بیچ“
نے تصدیق کر دی کہ یہ لفظ مستعمل عام ہے بلکہ پیش یا افتادہ ہے جس کا انگریزی
ترجمہ شاید یہ ہوگا - WORTHREAD BARE - جو کچھ میں نے
دیکھا اس کے صرف ایک حصہ کی نضادیر آپ کی خدمت میں ارسال کرتا ہوں۔
اگر ان کے ہلاک بھی مل جاتے تب بھی ”ہمدرد“ میں یہ نضادیر شائع نہ ہو سکتی، گو
ایک بار شائع ہو جائیں تو یقیناً ”ہمدرد“ کی اشاعت ”زمیندار“ اور ”انقلاب“ سے
بڑھ جائے اور ایک مجرب رہے رہتے مؤلف کے تجربات ”شب عرس“ وغیرہ کو بھی مات
کر دے۔

اب میں اس خط کا بھی خاتمہ لیکر کرتا ہوں۔ ہم سب بلان سے جو فرانس کا ابلڈر
شاٹ یا راولینڈی ہے گزر چکے ہیں، اور اب نیسی سے گزر رہے ہیں جو دوائے
نئے پہاڑوں کے سلسلہ کے پیچھے فرانس کے مدافعتی خط کے وسط میں ہے۔
ممکن ہے کہ اگلا خط اتنا لمبا بھی نہ ہو سکے اس لئے کہ اس دن میں انگلستان
کو واپس ہو رہا ہوں گا۔ گذشتہ ہفتہ میں الادہ کر چکا تھا کہ جمعہ کے بعد ہی آپ کو
خط لکھنا شروع کر دوں گا۔ لیکن نماز جمعہ کے بعد نماز گاہ میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ
جماعت سے مذہبی کام لہ کیا کرتا ہوں اور اس کے بعد آرنلڈ صاحب سے ملنے گیا اور
وہاں سے قادیانی جماعت کے ساتھ شب کا کھانا کھائے گیا مگر صوف و عورت ہی نہیں

مخفی بلکہ ایک پورا استقبال ہو گیا۔ ایک نو مسلم آرٹسٹ نے ایڈریس پڑھ کر سنایا۔ اور مجھے بھی تقریر کرنی پڑی اور وہاں کے امام شافعی درو صاحب نے بھی تقریر کی اور دو سکروں انہیں نو مسلم آرٹسٹین صاحب کے ساتھ انکی موٹر میں لندن سے ۳۰۔ ۴۰ میل باہران کے دوست اور اپنے واقفکار ایک انگریز نو مسلم صاحب کے ملے جانا پڑا جو نیا سا لینڈ (انگریز) میں سرکاری ڈاکٹر ہیں۔ ان کا نام ڈاکٹر سائمنڈرسن ہے اور جج بیت اللہ ہیں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان کو ہم نے تارے دیا تھا مگر انھیں سس کہ وہ تار ملنے سے پہلے ہی کہیں باہر جا چکے تھے۔ یہ نیا سا لینڈ کی زبان کے حروف تباہ کر رہے ہیں تاکہ عربی رسم الخط میں حروف کا اضافہ کر کے قرآن کریم کا اس زبان میں ترجمہ ٹائپ میں شائع کر دیا جائے انشاء اللہ واپسی پر ان سے پھر ملنے ضرور جاؤں گا۔ اس سفر کے باعث خط جمعرات سے پیشتر اس بار بھی شروع نہیں کیا جاسکا اور جتنا لکھا گیا ہے اس کے لئے آپ کو اشرف صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جنہوں نے اب تک سوکھی روٹی بھی نہیں کھائی ہے چونکہ ”پچا جیج“ کو میر ولفرنج کے لئے علیحدہ روپیہ نہیں ملا ہے اس لئے میرے طریقہ علاج پر عمل کر کے وہ صرف ایک وقت سوکھی کھانے اور پیٹ کاٹ کر سفر کرتے ہیں اور نیپولین کے مشہور مقولہ پر کہ ”فوج پیٹ کے بل چلا کرتی ہے“ ایک دوسرے معنی میں عمل کر رہے ہیں۔ فی امان اللہ۔

آپ کا بھائی محمد علی

ایک جلاوطن ہندوستانی سے ملاقات

میرے پیارے مشرقی پڑھیا

آپ کے برلن کے دفتر سے بھیجا ہوا ۷ اگست کا خط جس پر میرا پتہ صرف ”مولانا صاحب کیونڈیش روڈ انر“ لکھا ہوا تھا۔ مجھے آج ہی ملا ہے۔ اس خط میں مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ آپ نے چند ہی روز پیشتر مجھے ایک خط ”مولانا صاحب معرفت ٹامس لگ کمپنی“ کے پتہ سے بھیجا تھا اور مجھ سے درخواست کی گئی تھی کہ میں وہاں اس خط کو منگوائں۔ بہر حال خوش قسمتی سے دو خط کہ جن پر محمد علی کا نام بھی پتہ پر نہ تھا صانع نہ ہوئے اور جب میں نے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کے بھائی کو، جو یہاں میرے ساتھ رہتے ہیں لگ کمپنی میں بھیج کر خط کو مجھ تک پہنچا دینے کی درخواست کی تو انہوں نے فوراً میج دیا اور مجھے آپ کا اپنا بھیجا ہوا خط جس پر نمبر ۱ اگست کی تاریخ تھی اور برلن سے بھیجا گیا تھا آج شام کی ڈاک سے مل گیا۔

اچھا اب آپ اپنی محبت آمیز دعوت کے متعلق بھی سن لیجئے۔ اصل یہ ہے کہ اس مرتبہ میں یورپ کوئی اپنے خرچ سے نہیں آیا ہوں اور نہ کسی خاص غرض سے بھیجا گیا ہوں بلکہ ایک فیاض رئیس بزمائیس ہمارا جہ اور نے جب یہ دیکھا کہ میں مر رہا ہوں تو انہیں مجھ پر زور آیا اور انہوں نے مجھے مجبور کیا کہ یہاں آکر وہیل اسٹریٹ میں ان کے ڈاکٹر سے علاج کراؤں جو اگرچہ شاہی فوجی طبیبی جماعت سے تعلق نہیں رکھتے تھے لیکن اس طریقہ علاج نے ہندوستان کے ایک انتہا پسند سیاسی رہنما۔ آپ عرصہ دراز سے جلاوطن ہیں بشریت قیام جرمنی اور روس میں رہا۔ آپ سسر و جینیٹائیڈ وکے بھائی ہیں۔

پر اعتقاد نہ رکھنے کے باعث اب قدرتی طریقوں پر امراض کا علاج کیا کرتے ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ مہاراجہ صاحب کی جانب سے مجھ پر کسی قسم کی پابندیاں عائد نہیں کی گئی تھیں اور حتیٰ یہ ہے کہ اگر ایسی کچھ پابندیاں عائد کی جاتیں تو میں شکریہ کے ساتھ اُن کی فیاضانہ امداد کی قبولیت سے انکار بھی کر دیتا، تاہم میں خود محسوس کرتا ہوں کہ یہاں مجھے کوئی ایسی بات نہ کرنی چاہئے جو میں ہندوستان میں رہ کر نہ کر سکوں اور اس مرتبہ اپنی یورپ کی سیاحت سے کوئی سیاسی فائدہ حاصل نہ کرنا چاہئے۔ اور حتیٰ یہ ہے کہ مجھے اس بات کا یقین بھی نہیں ہے کہ ہم ہندوستانی لوگ اپنی یورپ کی سیاحت سے کسی قسم کا سیاسی فائدہ اٹھا سکتے ہیں ہمارے عمل کا مناسب میدان ہندوستان ہی میں ہے اور صرف وہی جگہ ہے۔ جہاں سے آزادی اسلام اور آزادی ہند کے متعلق اپنا کام کر سکتا ہوں۔ اس لئے میں سوائے اپنے ہی آدمیوں کے جلسوں کے اور جلسوں میں شریک نہیں ہوتا اور نہ اخبارات ہی کے لئے کچھ لکھا کرتا ہوں۔ نہ ملاقات پر بیانات دیا کرتا ہوں۔ لیکن اگر کوئی شخص میرے خیالات معلوم کرنے کا خواہشمند ہو تو خواہ وہ ملکیت پسند ہو یا ملکیت کا مخالف، قدامت پسند ہو یا اشتراکی یا اشتعالی غرضیکہ کوئی ہو میں انکار نہیں کیا کرتا۔ یہی میں نے اپنے محبت قدیم سٹر سکولتوالا سے بھی کر دیا تھا۔ جب اُنہوں نے مجھے گورنل کے ایک عام جلسہ میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ اچھا اب یہ سنئے کہ میں آپسے نیاز حاصل کرنے کا بیحد مشتاق تھا کچھ قواس وقعت کی وجہ سے جو آپ کی ذات گرامی کی میرے دل میں ہے۔ اور کچھ اس لئے کہ آپ میری عزیز دوست سروجی کے بھائی اور اُن کی پیاری بچی پدتمیا جس کی دوبارہ علالت کی خبر میں نے ابھی ہندوستان سے آئے ہوئے اخبارات میں پڑھی ہے، اور میری اپنی آکسفورڈ کی بہن مہاشاک ہیڈ بد پیٹر کے ماموں ہیں۔ لیکن میں حیرت میں تھا کہ آپ کس طرح ملی سکونگا۔ کیونکہ جرمی جانے کا میرا قطعاً ارادہ نہ تھا اور اپنے پروانہ ماہلاری پر صرف فرائض، سوبیٹرز لیٹڈ کے نام لکھا کر لایا تھا یا اٹالیہ کا، جہاں ہندوستان کو واپس ہوتے ہوئے راستہ میں جانے کا ارادہ

تھا۔ قاہرہ میں میرے ایک ڈاکٹر دوست مجھ سے تاکید کر دی تھی کہ میں فریکفرٹ کے ڈاکٹر نارٹین سے ضرور ملوں۔ اس لئے جب اس دن میرے موجودہ معالج نے مجھ سے یہ ذکر کیا کہ وہ ایم ایچ کو لندن سے باہر جانے والے ہیں اور ۲۱ سے پہلے واپس نہ آئیگی۔ تو میں نے بھی سوچا کہ لاؤ اپنے پروانے پر بلیمیم، ہالینڈ اور جرمنی کے نام بھی لکھا لوں اور ممکن ہو تو جرمنی ہو آؤں، اس طرح جناب میں نے کل ہی پروانہ راہداری پر ضروری ناموں کا اضافہ کرایا ہے اور تیرہ یا چودہ تاریخ کو پیرس جانے کے متعلق اور ۱۴ یا ۱۵ کو وہاں سے جرمنی جانے کے متعلق سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ اگر آپ ایک ڈاکٹری کے طالب علم مسمیٰ عبدالعلی خاں رامپوری سے واقف ہوں اور انہیں ایسی جگہ بھیج دیں کہ میرے حدود جرمنی میں داخل ہوتے ہی وہ مجھے مل جائیں۔ یا آپ خود ہی اتنی تکلیف فرمائیں تو میں بہت ہی ممنون ہوں گا۔ اس صورت میں فریکفرٹ ڈاکٹر نارٹین سے بھی مل لوں گا اور ایک دو روز کے لئے برلن بھی چلا سہوں گا۔ جو صاحبان میرے خیالات معلوم کرنا پسند کریں گے۔ ان کے سامنے جو کچھ رطب یا بس بے پیش کردونگا۔ ازراہ کرم تارکے ذریعہ سے مجھے مطلع فرمائیے کہ آپ کیا انتظام کر سکیں گے۔ خدا نہ کہے کہ ڈاکٹر نان نارٹین اپنے ایک ہی معائنہ کی فیس میں میرا دیوالہ نکال دیں۔ میں آج کل بہت ہی نادار چورما ہوں اور تین ماہ کے مصارف کے لئے جو رقم میرے پاس تھی اُسے دو مہینے سے بھی کم میں خرچ کر چکا ہوں۔ یہ ذکر میں نے اس لئے کر دیا ہے کہ میں آپ سے یہ درخواست کرنے والا ہوں کہ میرے لئے کسی ایسے ہوٹل میں بندوبست کیجئے گا جو ایک غریب آدمی کے لئے موزوں ہو اور پھر غریب بھی ہندوستان کا۔ عبدالعلی خاں رامپوری کو برے سفر جرمنی کے ارادہ کی اطلاع دینی نہ بھول جائیگا۔

آپ میرے ٹیلیفون نمبر پر جو اسٹریمیم ۶۰۵ ہے تاریخ بھیج سکتے ہیں اور جواب میں میں آپ کو اپنی لندن سے روانگی اور پھر بیرکس سے روانگی کے تاریخ بھیج دوں گا۔ یہ میں آپ ہی کی مرضی پر چھوڑتا ہوں کہ میں آپ سے بلیمیم میں ملوں یا براہ راست جرمنی کو چلا

جاؤں۔ لیکن مہربانی کر کے ڈاکٹر فان نارڈین کے متعلق سب باقی ضرور معلوم کر کے
 رکھئے۔ تاکہ جب ہی ہم فرنیگفرٹ پہنچیں۔ تو ان سے ملاقات کا انتظام کیا جاسکے۔
 (ترجمہ از انگریزی) ”ہمدرد“

آپ کا مخلص

محمد علی

(تقریباً وسط اگست ۱۹۱۷ء)

دار الشفا فرنیگرفٹ

پروفیسر ڈاکٹر خان نارڈین کا ذاتی مطب و شفا خانہ، شرک کا نام شفر، مکان کا نمبر ۷۸، مقام فرنیگرفٹ، بروریائے سین، ملک جرمنی۔
۲۱۔ اگست ۱۹۲۵ء

پیارے ماجد میاں، طفر الملک صاحب، وجعفری۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
پروفیسر ڈاکٹر خان نارڈین صاحب (جن کو یہاں گہیا ایم راٹ) یعنی ”علامہ فن طب“ کہا جاتا ہے، کے مطب بلکہ یوں کہئے کہ ذاتی شفا خانہ میں بستر پر پڑا ہوا، بلکہ یوں کہئے کہ بستر سے بندھا ہوا، ناکہ سیدھے پاؤں کو اگر خفیف سے خفیف حرکت دینا چاہوں بھی تو نہ دے سکوں، یہ خط آپ حضرات کو تحریر کر رہا ہوں، جو خط پیرس سے چل کر اوریل میں پہنچ گیا، کو لکھوایا گیا تھا اور فرانس کی سرحد کے قریب ہی سے ڈالا گیا تھا۔ اس میں پاؤں میں ۱۴۔ اگست کو یکایک سخت درد پیدا ہو جانے اور اس کے باعث حرارت بھی ہو جانے کا ذکر کر چکا ہوں۔ میرے عزیز دوست اور ڈاکٹر انصاری کے ساتھ کے پڑھے ہوئے، ڈاکٹر بخت دہی، مصری وطن والے اور نزکی رعایا ایم ڈی ہیں اور قاترہ کے طبی کلج میں تشریح کے نہایت قابل پروفیسر چکے ہیں۔ گواہ مطب نہیں کرتے اور نہایت سائنٹیفک طرز بقیدہ پر نزکی ”مٹھائی رحمت لقوم“ جس کا انگریزی نام ”ٹرگش ڈلائٹ TURKISH DELIGHT“ ہے۔ اپنی ہی قائم کردہ فیکٹری میں جو پیرس کے مصنفات میں سین کلو جیسی ولاوریز مجب میں بنایا کرتے ہیں میں نے جب سویٹزرلینڈ میں انہیں بائیکٹرو کے پاس اسے تیرتے میں ۱۹۲۵ء میں دیکھا تھا، جہاں معزول ترکی خلیفہ عبدالحمید آفندی قسطنطنیہ سے جلا وطن کئے جانے کے بعد صبح پہلے

۱۹۲۴ء میں پانچویں ہوئے تھے تو میں اُن کی مرضی مولا ہونے کا قائل ہو گیا تھا۔

مطلب کرنے، معلم القشریح پڑھانے اور ”راحت لقوم“ بنانے میں تو کسی قدر مسابقت بھی ہے، میرے ایک کرم فرما جو حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہندوستانی دواخانہ کے بہترین تجربات بھی تیار کرایا کرتے ہیں، گاجر کا حلوہ بھی بے مثل تیار کرتے ہیں مگر میں نے ڈاکٹر و جی کاسم گرامی سب سے پہلے غالباً ۱۹۲۷ء میں سنا تھا، اور وہ اس طرح کہ مدد سب کے روزانہ انگریزی اخبار ”محمدن“ نے ان کا مضمون نقل کیا تھا۔ جسے انیسویں صدی اور بعد NINETEENTH CENTURY & AFTER میں انہوں نے اتحاد اسلامی پر شائع کرایا تھا اور جس سے بہتر اسلام اور بین اسلامزم کے مرادف ہونے کا ثبوت میں نے کسی تقریر میں نہ پہلے دیکھا تھا۔ نہ آج تک دیکھا ہے۔ ان کے متعلق انشاء اللہ میں کچھ قیمتی تفصیل سے کچھ کہوں گا۔ اس وقت اتنا ہی لکھا ہوں کہ ان کی راحت لقوم کو میں نے قسطِ ظنیہ کے ماہرین رکابدار حاجی کبیر سے جسکے کام کا سادی ترکی میں اور یورپ تک میں مشہور ہے، بہتر پایا تھا اور ہمارے رفیق سیاست ڈاکٹر مناور شاہ (ترک) نے، جو پیرس میں ہمارے ”یورو“ کے روبرو آتے تھے، جب یہ سنا تھا تو فرمایا تھا کہ اگر وہ حاجی کبیر کی برابر ہی ”راحت لقوم“ بنالیں گے، تو لاکھوں کمالیں گے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب سوئیٹز رکنیڈ میں جلاوطن نرگوں کے ساتھ رہ رہے تھے، اور اسٹیفنک طریقہ پر راحت لقوم بنانے کے تجربے فرما رہے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک مہتری پاشا عزیز عزت پاشا کی شرکت میں پیرس میں اس کا اور چاکو لیٹ، وغیرہ کا کارخانہ کھول دیا، جواب تک قائم ہے جب میں پیرس ۱۶ جون کی شب کو پہنچ رہا تھا تو انہیں کوتاہ دیا تھا کہ اسٹیشن آکر مجھے مل لیں اور جب دوسرے دن ان سے ملا تھا تو انہیں کے ذریعہ سے پیرس کی یونیورسٹی ساربن کے ذیابیطس کے علاج کے ماہر پروفیسر باسیل لابے سے ملا تھا اور ان کو اپنا حال جا کر سنایا تھا۔ گو علاج سولے کے ٹل آسٹن کے کسی کا مقصود نہ تھا۔ انہیں سے پیرس چھوڑتے وقت کہہ آیا تھا کہ جب لندن سے فارغ ہو کر

کچھ دن فرانس آکر رہو لگاتار ایک مختصر سے جموں پڑے کی ضرورت ہوگی، کسی خوشنما
منظر کے قریب، سین کلو میں، سین ٹرمیں یا فائنٹن بلو میں تلاش کر رکھیں۔
اس بار بھی انہی کو اپنے آنے کا تار دیا تھا۔ انہوں نے میرا پاؤں دیکھا مگر تھیں
مرض نہ کر سکے۔ درد نہ صرف پیرس کے دو دن کے قیام تک باقی رہا بلکہ پیرس سے
فرنیفرٹ آتے ہوئے اور یہاں آکر بھی باقی رہا۔ چٹو پا دھیا صاحب کو پہلے ہی لکھ
چکا تھا کہ میرے راتپور کے مہوطن اور علی گڑھ کے کلاس فیلو حنیف خاں صاحب (عرف
عمر خان صاحب چترالی) کے صاحبزادے کو لکھ دینا کہ یا تو جرمن سرحد پر یا فرنیفرٹ
آکر میرے ترجمان بن جائیں۔ ان کا نام عبدالعلی خان ہے اور یہ ”علی برادران“ کے بھتیجے
ہیں۔ اس کے علاوہ چٹو پا دھیا صاحب ہی کے ذریعے سے ڈاکٹر فان نارڈین سے بھی
ملاقات کا وقت مقرر کر چکا تھا۔ فرنیفرٹ ہم رات کے پونے نو بجے پہنچے اور اسٹیشن پر
عبدالعلی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ پاس ہی کے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور چار دن کے
فاقہ کے بعد (جس میں نارنگی اور انگور کا عرق پیا تھا، پاس کی ایک رستوران میں
جا کر کھانا کھایا، گمرد کی تکلیف کے باعث سب سے پہلے ڈاکٹر صاحب کے طہریات کے
مقررہ وقت دریافت کرنے کے لئے ٹیلیفون دلوایا اور معلوم کیا کہ دن کے گیارہ بجے
مطب میں ملیں گے۔ پنا سنجہ دونوں انگلیوں کا عرق چوس کر ادھر کو روانہ ہوا۔ عجیب شاندار
مطب۔ پورا ہوٹل معلوم ہوتا ہے اور لقیئاً کوئی پچھتر مریضوں کے قیام و طعام و علاج کی
توجہ ہوگی، ان سے ملا۔ بھاری بھر کم آدمی ہیں۔ سر کے بال سفید ہیں۔ چہرہ سُرخ ہے۔
اور عمر تخمیناً ۵۵ یا ساٹھ سال کی ہوگی۔ ممکن ہے کہ زیادہ ہو۔ انگریزی سمجھ لیتے ہیں اور
بول بھی خاصی لیتے ہیں۔ یہاں کون ہے جو انگریزی یا فرانسیسی بالکل نہیں جانتا۔
اُن کی ماہرہ جراثیم، جو خون اور قارورہ وغیرہ کا کیمیاوی امتحان کیا کرتی ہیں، نہایت
عمدہ انگریزی بولتی ہیں اور بلا تکلف اُن کے رفیق کار اور ان کے دو فو اسبٹن جن

سے ملنے کا اتفاق ہوا، وہ بھی خاصی بول لیتے ہیں۔ اُن کی ہیڈ ڈس بھی اچھی طرح بولتی ہیں اور جو ڈس میری تیمارداری کرتی ہیں وہ بھی مطلب سمجھ لیتی ہیں اور سمجھا دیتی ہیں۔ کسی نہ کسی قدر انگریزی ہر ایک ڈس جانتی ہے۔ دربان اچھی طرح انگریزی جانتا تھا، ایک کمرہ میں سمیں بٹھایا گیا اور کہا کہ پروفیسر آپ کو ابھی بلا تے ہیں، ایک اور مریض کے متعلق مشورہ ہو رہا ہے۔

دس منٹ بعد میری باری آئی۔ پروفیسر نے کوئی پون گھنٹہ تک میرا تمام حال سنا، پھر فارورہ امتحان کرانے کے لئے لیا اور کپڑے اتروا کر دل اور پھیپھڑوں کا امتحان کیا۔ مجھے کہنے لگے اس طرح چند گھنٹے رہنا کافی نہیں ہے۔ تمہارا کیس بہت دلچسپ ہے۔ میں خود اپنے لئے اور سائنس کے لئے اس کی تحقیقات ضروری سمجھتا ہوں۔ تم برلن جا کر پھر یہاں چلے آؤ۔ اور ہوٹل میں قیام نہ کرو۔ میرے مطب ہی میں رہو، تاکہ میں بار بار تمہیں دیکھ سکوں اور ہر وقت کے حالات کا معائنہ کر سکوں، اور تمہاری غذا اور بود و باش کے طریقہ کو ایک نظم میں لاکر رائے قائم کر سکوں۔ میں نے وعدہ کیا کہ چٹوپادھیا سے مل کر ۹ کی شب کو چل دوں گا اور کم از کم تین چار دن رہ کر لندن واپس جاؤں گا اور ضرورت ہوگی تو لندن سے رخصت ہونے پر سبائے فرانس اور سویٹزرلینڈ جانے کے فریکفٹ ہی چلاؤں گا۔ بالآخر میں نے موزہ اُتار کر اپنا سوجا ہوا دھنا پاؤں دکھایا اور وہ بیچ کی انگلی جس پر آبلہ سا پڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ان کے چہرہ پر تروڑ اور پریشانی کے آثار صاف نظر آنے لگے اور انہوں نے کہا کہ میں نہیں برلن جانے کی اجازت نہیں دے سکتا، بلکہ ہوٹل تک بھی نہیں جانے دوں گا، تم کو اسی وقت بستر پر دراز کر دیا جائیگا۔ خداوند کریم کا شکر ہے کہ تم ٹھیک وقت پر آ گئے ہو، ورنہ چند گھنٹہ بعد ہی شائد حالت نہایت خطرناک ہو جاتی۔ میں

CONSERVATIVE TREATMENT کروں گا اور اس اعلیٰ کو بھی بچانے کی محسوس کروں گا۔ اگر دیر ہو گئی ہوتی تو غالباً پاؤں کاٹنا پڑتا۔ یہ ابھی ابتدائی لنگرین ہے

اور خدا کرے کہ بڑھکے پوری نگہیں نہ ہو جائے۔ عبدالمعلیٰ خاں کو اس مرض کا انگریزی نام نہیں آتا تھا مگر جرمن نام لیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم نے اس میں کتنے ہی پاؤں اور ٹانگیں کاٹ کر پھینک دی ہیں۔ چنانچہ اسی وقت ہم نے جبا اور کرتہ اور جوتے مٹا دیئے اور پڈنگ پر دراز ہو گئے۔ ایک ڈھانچہ جس پر روئی اور کپڑا لپٹا ہوا تھا، لایا گیا۔ دو تین موٹے گدے یا تکیے لائے گئے۔ اس پر وہ ڈھانچہ یا فریم رکھا گیا، اس پر پوری دائیں ٹانگ رکھی گئی اور کپڑا کھسکے بیٹی باندھ دی گئی اور پیر کو ڈھانچے کے ساتھ اس طرح باندھ دیا گیا کہ اگر میں اسے ہلانا بھی چاہوں تو نہ ہلا سکوں۔ جس اعتبار سے ساری ٹانگ کے نیچے اور ڈھانچے کے اوپر، یعنی دونوں کے درمیان روئی کے متعدد تپیل لکھے جاتے ہیں۔ اس سے مجھے اپنے مرض کے خطرناک ہونے کا بخوبی احساس ہوتا ہے۔ درد پاؤں کی انگلی میں نہ تھا، ٹیٹ پائے کے دائیں طرف یعنی باہر تھا اور ٹھیک یہیں میرے خسر عظمت علی خاں صاحب مرحوم کے ایک پھنسی نکلی تھی، جس کے باعث ان کو اس قدر تکلیف ہوئی تھی کہ منہ لکیر سے جہاں وہ ”صوبہ دار“ تھے سنا دو کے ٹیشنگ بہک چلا گئے میں آنے کے قابل بھی نہ رہے تھے۔ بلکہ پالکی میں لائے گئے تھے۔ اندر لا کر پھنسی چیری گئی تھی مگر ذیابیطسی خون میں اندمال کی طاقت باقی نہ تھی۔ انکو نہیں بندھنے پاتا تھا۔ روز بد گوشت کاٹا جاتا تھا اور (.....) کے پھائے ڈالے جاتے تھے۔

اوس کے قطرے دن رات ٹپکائے جاتے تھے۔ چند دن بعد گردن میں بھی کاٹ بکھلا۔ جس کو بعد میں ڈاکٹر نے لاڈ ہارڈنگ کے سر جرجیس رابرٹس ریڈیٹنسی سرجن اندوہی نے شگاف دیا تھا۔ مگر اسی دن جان نکلنا شروع ہو گئی اور تنجد کے وقت وہ اس عالم غافی سے رخصت ہو گئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ جن چچا سے انہیں عشق تھا، یعنی میرے والد مرحوم۔ اسی دن ان کا بھی انتقال ہوا تھا۔ ایک کا ۱۶۔ رمضان المبارک (یوم بدرو یوم الغرقان) کو مغرب کے وقت۔ دوسرے کا اس کے بعد کی شب میں، گو فاصلہ ۲۷ برس کا تھا۔

اب اس توار کو دیکھئے کہ نہ صرف میرے اس جگہ درو تھا جہاں عظمت علی بتیار محرم کے پھنسی نکلی تھی۔ بلکہ میری عمر بھی اب ٹھیک وہی تھی۔ جس عمر میں انہوں نے انتقال فرمایا تھا مگر میرا قیاس تھا کہ غالباً ابھی میں نہ مروں بلکہ کچھ کر کے مروں۔ کیونکہ میں اسی دن جس دن لندن سے روانہ ہوا تھا، بال بال مرتے مرنے بچا تھا۔ وہ اس طرح کہ نواب صاحب بہادر پالن پور سے (جن کے والد بزرگوار کی دعوت پر میں ستھ پور سے جاں بڑودہ میں پار برس تک رہا تھا۔ اور جو پالن پور سے صرف ایک ہی انشیں کے فاصلہ پر ہے، میں پالن پور گیا تھا۔ امدان کے دونوں فوجان صاحبزادوں سے بھی نیا د حاصل کیا تھا اور جو مجھ پر اس وقت سے برابر نوازش کرتے چلے آئے ہیں) میں ہٹل سپیل میں ٹٹنے گیا تھا۔ سخت شرمندہ تھا کہ گو ہم دونو ایک ہی جہاز میں پورٹ سعید سے آئے تھے اور کمرے بھی پاس پاس ہی تھے اور ان کے ایک دھان اور دوست، ٹھا کر صاحب بہادر لیمبڈی کے صاحبزادے، اور ان کے پرائیویٹ سیکریٹری تو میرے ہی کمرے میں تھے، لیکن لندن آنے کے بعد نیا د حاصل نہ کر سکا تھا، جس دن اپنا فاقہ ختم کر کے ٹٹنے گیا تھا تو معلوم ہوا تھا کہ کل ہی بڑا عظم یورپ تشریف لے جا چکے ہیں اور ۱۲۔ اگست کو واپس تشریف لائیں گے۔ کئی ہفتہ کا انتظار کرنے کے بعد ۱۲۔ کوٹیلیفون پر پوچھا تو معلوم ہوا کہ ۱۳۔ کو تشریف لائیں گے، چنانچہ ۱۲۔ جس دن کہ میں خود عازم بڑا عظم یورپ تھا، ٹامس کک کے ہاں سے کچھ روپیہ لیکر، اور گاڑیوں کا وقت اور کرایہ دریافت کر کے اسٹریٹ نامی سڑک کی طرف ہوا۔ اس گزرگاہ پر جس قدر آمد و رفت ہوتی ہے مشکل ہی سے کسی امد گزرگاہ پر ہوتی ہوئیٹ اینڈ West End سے جہاں امراپتے اور خرید و فروخت کرتے ہیں ایٹ اینڈ سٹی EAST END کو، جہاں سب سے زیادہ کاروبار ہوتا ہے، یہی رشتہ ملا ہے۔ ایک ناناہ میں تو یہ بے حد تنگ تھا لیکن بعد کو اس میں نہ صرف کثیر توسیع کر دی گئی ہے۔ اور جس طرح کانپور کی ٹی۔ بی۔ روڈ میں ہنود کے ایک مندر کو میرے حبیب صادق لادھو مسٹن نے ایک جزیرہ بنا کر بچا دیا تھا مگر

بساطی باز آمدی مسجد کے ایک حصہ کو نہیں بچا یا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی متعدد گرجا بطور جزائر بنا کر بچا دیئے گئے ہیں، ابھی اور توسیع باقی ہے اور ایک دوکان سے دو تین چھوٹی چھوٹی ٹائم سپیس نصف دامنوں پر مجھے بھی اسی باعث مل گئی ہیں کہ وہ دوکان توسیع کے باعث گرائی جانے والی ہے۔ اب سنئے کہ اس گزرگاہ عام کے وسط میں لندن کا ایک مشہور ترین ہوٹل سیسل نامی بھی ہے۔ جہاں سری فوس اسٹنگر صاحب قیام فرما چکے تھے۔ اور جہاں نواب صاحب بہادر پالن تو قیام فرما ہیں۔ عین اس جگہ سڑک کسی قدر خراب ہو چکی تھی۔ اور چونکہ آگست لندن والوں کے لئے رخصت پر جانے کا مہینہ ہے۔ اس لئے عام طور پر آج کل سب سڑکیں درست کی جا رہی ہیں، چنانچہ اسٹریٹز کا ایک حصہ بھی اُدھیرا اور بنایا جا رہا تھا۔ میں عین ہوٹل سیسل کے سامنے بس پر سے اترا اور چونکہ تیز سے تیز موٹر چلانے والے بھی راستہ کے قاعدہ کا خیال رکھتے ہیں، یعنی جانے والے سڑک کی بائیں جانب جاتے ہیں۔ اور آنے والے بائیں جانب (گواہی وہ بھی بائیں جانب) اس لئے سڑک کے ایک طرف سے دوسری طرف کو جانا ہو۔ تو عبور کرتے وقت لوگ یہ دیکھ لیا کرتے ہیں کہ اُن کے عقب سے تو کوئی نہیں آ رہا ہے۔ اگر کوئی موٹر وغیرہ نہ آ رہی ہو تو ادھی سڑک طے کر کے وسط میں رُک جاتے ہیں۔ پھر اپنے سامنے کی طرف دیکھ لیتے ہیں کہ سامنے سے یعنی اُن کے دائیں طرف سے تو کوئی نہیں آ رہا ہے اور اگر کوئی موٹر وغیرہ نہ آتی ہو۔ تو اس نصف سڑک کو بھی عبور کر لیتے ہیں۔ آج تک برابر اسی طریقہ پر سڑکیں عبور کرتا رہا لیکن ۱۳۔ آگست کو یہ غلطی ہوئی کہ جب بس سے اُترا اور دیکھا کہ ادھی سڑک میرے بائیں ہاتھ والی ٹوٹی ہوئی ہے اور بند پڑی ہے اور دونوں طرف سے آنے والے سواریاں صرف دہتے ہاتھ والی نصف سڑک پر چل رہی ہیں تو اس کا خیال نہ رکھا اور یہ سمجھ کر میں پیسے صرف نصف سڑک کو عبور کروٹا۔ اپنے عقب سے آنے والی گاڑیاں دیکھ لوں۔ اگر کوئی نہ آتی ہو تو گزر جاؤں۔ نہایت احتیاط سے دو تین بسوں کو گزر جانے دیا اور جب عقب کا راستہ

بالکل صاف نظر آیا۔ تو نہایت اطمینان سے سڑک کے اس نصف حصہ کو عبور کرنا شروع کیا۔ حالانکہ دراصل ساری سڑک اب یہی نصف حصہ تھا اور مجھے ایک چوتھائی حصہ تو اس طرح عبور کر کے رک جانا چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ باقی چوتھائی حصہ پر دوسری طرف سے گاڑیاں آ رہی تھیں وہ اور بھی نظر سے اوجھل ہو گئیں۔ لیکن جب چوتھائی سڑک طے کر چکا تو دیکھا کہ نین چار قدم ہی کے فاصلہ پر ایک بڑی موٹر لاری آرہی ہے۔ فوراً روکنا چاہا مگر رگن آسان نہ تھا۔ لاری والے کے لئے روکنا اور بھی مشکل تھا۔ البتہ وہ لاری کو اپنے بائیں طرف موڑ سکتا تھا، چنانچہ کچھ میں رکا، کچھ اس نے موڑا، صرف خیریت اسی پر گزری کہ میری بائیں کہنی اس کے آگے کے پھیٹے کے گاڑ پر لگی اور میں نے اپنے تئیں اس کے پھٹوں میں کھل جانے سے بچا لیا۔ ان دو چار سیکنڈوں میں جو لاری کو دیکھنے اور اس سے بچنے کی کوشش میں گئے۔ ان میں تو میں نے سمجھ لیا کہ بس اب گیا مگر جونہی چار پانچ سیکنڈ بعد بالکل بچ گیا، اور جسم کے کسی حصہ میں غراش تک نہیں آئی تو یقین ہو گیا کہ خداوند کریم کو ابھی مجھے دیا فانی سے اٹھانا منظور نہیں ہے۔ چنانچہ باوجود اس عجیب توار کے جو عظم صاحب کے والد مرحوم اور میری علالت عمر میں واقعہ ہوا۔ مجھے پوری امید تھی اور ہے کہ جلد صحتیاب بنے جاؤں گا۔ اور اس وقت تک سب علامتیں اس کی پائی جاتی ہیں۔

پاؤں کو مطلق حرکت نہ دینے اور اونچا رکھے رہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ دوسرے دن سوتلے کم تھی اور جب آبد میں شگاف دیا گیا اور مادہ نکلا تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی خاص چیز ایسی نہ تھی جس سے کچھ زیادہ خطرہ ہو۔ قارورہ کا ہر روز نین بار امتحان ہوتا ہے، شکر بالکل نہیں آرہی ہے فالحمدا للہ۔ پروفیسر صاحب کو خون کے امتحان کی بہت فکر تھی۔ پہلے دن ٹوکہ دو نارنگیوں کا عرق پی کر آیا تھا، اس لئے اعتیاداً اس دن امتحان نہیں کیا گیا۔ ہفتہ کو یعنی ۱۸ اگست کو میرا بایاں کان چھیدا گیا۔ تاکہ کان کی ٹوئیں کچھ خون لیا جا سکے۔ الحمد للہ کہ خون میں بھی شکر کی مقدار صرف ۱۲۵ ٹوئیں جو نارمل

کے برابر ہی ہے۔ نارمل مقدار ۸۰ سے لیکر ۱۲۰ تک سمجھی جاتی ہے۔ یقیناً کرنل آسٹن کے علاج نے فائدہ کیا تھا اور قارورہ اور خون دونوں کے امتحان نے اس کا کافی ثبوت دے دیا۔ ورنہ حجب میں لندن پہنچا تو اس وقت قارورہ میں شکر کی مقدار ۳۳، ۳۷ مرنی صدی تھی۔ اور حجب کلکتہ کے مشہور سوریجی ڈاکٹر رائے نے جنوری میں امتحان کیا تھا۔ تو شکر کی مقدار قارورہ میں ۵ فیصدی اور خون میں ۴۳۰ فیصدی تھی۔ جن نارمل سے چوگنی پینچ گنی کے قریب تھی۔ ورنہ صرف پشت پا میں تھا۔ بلکہ پیٹلی کی ہڈی کے دونوں جانب تھا، اور معلوم ہوا کہ رگیں پھول گئی تھیں۔ اور خون کی روانی میں کمی تھی۔ مگر اب وہاں نہایت ہی خفیف سا درد ہے۔ جانگ کے پاس گلیٹل لکلی آئی تھی جس میں تکلیف تھی، اب وہ باقی نہیں ہے۔ چونکہ کراچی کے جلیجی نے ہی میں ۱۹۲۰ء میں قلموں میں سوزش شروع ہوئی تھی۔ اور اسی کے باعث ۱۹۲۶ء میں مکہ معظمہ میں مقرر عالم اسلام کے دسویں اجلاس سے ذرا ہی پہلے قلب کی طرف کا آدھا حجم مغنوج مسیا ہوا جاتا تھا اور سوا گھنٹہ تک یہی کیفیت رہی تھی، اور ۱۹۲۸ء کی ابتداء سے پیروں کے تلوووں کی اعصابی سوزش نے زندگی کو موت سے زیادہ تکلیف دہ بنا دیا تھا، جواب تک ایک خاص حد تک باقی ہے۔ اور یوں تو دونوں پیروں کے تلوے اور انگلیاں ایک حد تک اپنا حق کھو چکی ہیں۔ اسلئے کل دائیں ہاتھ میں جہاں بائیں ختم ہوتی ہے، رگ میں سے کوئی چٹانک بھر خون نکالا جا چکا ہے تاکہ پورک ایسڈ (پیشاب) کا بھی امتحان کر لیا جائے اور آج انشاء اللہ ٹانگوں کی ہڈیوں اور رگوں کا عکس ریز X. R. A. S کے ذریعہ سے توٹو لیا جائیگا اور اسی کے بعد پروفیسر صاحب کوئی رائے قائم کر سکیں گے۔ ان کے تشریف لانے اور اسی مصدوری کا انتظار ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ غن کا دباؤ بھی کم ہے جب کلکتہ میں جنوری میں لیا گیا تھا تو ۱۹ تھا۔ حالانکہ میرے لئے نارمل ۱۴۹ ہونا چاہئے۔ مگر اب صرف ۱۴۰ ہے۔ ٹپر پچھروں میں چار بار لیا جاتا ہے، اور اسی

طرح نبض کی حرکت بھی شمار کی جاتی ہے۔ پھر مایٹر یہاں صرف سنٹی گریڈ ہوتا ہے جس میں نارمل ۳۶.۴ ہے۔ پہلے تو اس قدر تھا مگر اب برابر ۳۶.۴ سے لیکر ۳۶.۹ تک جاتا ہے۔ اس سے نہیں بڑھتے پاتا۔ نبض ۸۰ اور ۸۸ کے درمیان میں رہی ہے۔ غذا وہ رکھی گئی ہے جو کرنل آسٹن نے بنائی تھی یعنی پھل اور سلا یعنی کا ہوٹا ٹرا اور کھیرا لکڑی۔ مگر یہاں پانچ وقت غذا دی جاتی ہے۔ ایک علی الصباح چائے اور پھل، اس کے بعد دوسرے بجے جس من فیلر ثانی یعنی سیکنڈ برن بکفٹ SECOND BREAKFAST۔ اس میں میرے لئے صرف چند پھل ہوتے ہیں مثلاً آٹو یا ناشپاتی۔ پھر ایک بجے لंच ہوتا ہے جس میں پھلے سلا اور پھل دیئے جاتے تھے ہم بجے چائے اور پھل، اور ساڑھے سات بجے یا آٹھ بجے پھر ڈنیا یہاں کی اصطلاح میں ایسپر اس لئے کہ یہاں کا ڈنر دوپہر کا لंच قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں بھی سلا اور پھل ہوا کرتے تھے۔ پھلوں میں خبروزہ کو خاص طور پر پروفیسر صاحب نے شروع ہی سے اصرار کر کے دینا شروع کیا۔ حالانکہ ڈاکٹر انصاری وغیرہ اس کو کاربوہائیڈریٹس کی بنا پر یعنی گھیوں کے نشاستہ کی طرح کی چیز اس میں ہونے کی بنا پر ممنوع قرار دیا کرتے تھے۔ کرنل آسٹن تو کسی پھل کے بھی خلاف نہ تھے اور انگور اور خرما کھلاتے تھے۔ فان ناروین بھی کہتے ہیں کہ ہم انجیر اور خرما تو نہیں دیا کرتے البتہ کرنل آسٹن نے کیلا ممنوع قرار دیا تھا مگر یہاں کل ایک کیلا بھی دیا گیا پہلی شب کو ایک نیم برشٹ انڈا ملا تھا مگر پھر نہیں۔ چائے میں دو وہ آج سے پہلے ملتا رہا مگر آج صبح نیم ملایہ شکر کی جگہ سیکرین ملتی ہے مگر قیت، جو بالکل بد مزہ نہیں ہوتی۔ البتہ پچھلے دن کے بعد سے نمک بالکل بند ہے۔ اور یقین جانئے کہ اس سے شکر کا بند کیا جانا بھی کم اذیت ہے۔ تعجب ہے یہ بھی کرنل آسٹن ہی چاہتے تھے۔ اور اسی لئے میں نے گوشت اور ترکاری کھانا بھی چھوڑ دیا تھا صرف پھل کھایا یا لکڑی۔ پیرس میں بھی غالباً مارسل لابے کے کہنے سے ڈاکٹر سبوت دہبی نے نمک بند کرنے کے لئے کہا تھا۔

دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ قارورہ میں کچھ خفیف سا اثر "اسٹون" ACETONE
 زہر کا نکلا تھا۔ یہ دہلی میں بھی تقریباً برابر جاری رہا تھا۔ مگر PANKREPTINE
 کی جگہ لیبنی اسٹولین کی گولیاں کھانے سے کم ہو گیا تھا۔ نام ہی کو باقی تھا۔ انگلستان
 میں ابتداءً بالکل نظر نہیں آیا۔ کل پروفیسر نے خود دیکھ کر غذا میں اضافہ کر دیا، اور اب
 ذیابیطس کی روٹی، جو روٹی کیا ہوتی ہے۔ ہاڑ پاپڑ سے زیادہ مکی، ملنے لگی ہے اور تازہ
 پنیر اگر آفسس کہ بے نمک، اس کے علاوہ تین بار چھایا جاتا ہے، یعنی دو دھج میں سے
 کھن نکال لیا گیا ہو۔ یہاں کا دو دھج تو بہت دکا نظر آیا (شاید عہد پانی ملا کر دیا جاتا ہو)
 کرنل آسٹن نے تو میرے لئے بند ہی کر دیا تھا۔ گو کسی قدر بالائی کی اجازت تھی۔ مگر
 چھایا خوب گاڑھا اور مرے دار ہوتا ہے۔ کل ذرا بیچ بدن کی صفائی کے ساتھ جو ایک
 غسال آکر کیا کرتا ہے۔ اکھل اور دیگر ادویہ کا ایک کرکب بھی بدن پر مل دیا جاتا ہے تاکہ
 علاوہ صفائی کے پیٹھ پیٹک پر پڑے نہ لگنے پائے۔ مگر آج تو بھیجی تھک گیا ہوں۔
 دائیں ٹانگ پیٹک ایک فٹ سے بھی زیادہ اونچی رکھی جاتی ہے اور اگر کسی قدر تکیہ لگا کر
 بیٹھا ہوں تب تو زاویہ اور بھی تنگ ہو جاتا ہے۔ اور جلد تھک کر لیٹ جانا پڑتا ہے۔
 یہ خط زیادہ تر لیٹے لیٹے لکھا گیا ہے۔ اور اب چونکہ سب کچھ پوری پوری تفصیل کے
 ساتھ لکھ چکا ہوں اس لئے اب اسے ختم کرتا ہوں۔ اتنا اور لکھ دوں کہ مفید خوب آتی
 ہے۔ مجبوراً دس نیچے عشا سے فارغ ہو کر سونا شروع کرتا ہوں اور گو فجر کے قریب ہی
 آنکھ کھل جاتی ہے مگر کوئی وضو کرانے والا نہیں ہوتا۔ اس لئے پھر سو جاتا ہوں اور کوئی
 ساڑھے سات نیچے اٹھتا ہوں۔ الحمد للہ کہ طہارت اور وضو کا اچھا انتظام ہو گیا ہے۔
 روٹی کی تین سپلوں پر دوٹے کی ٹونٹی سے پانی دلو کر استنجا کر لیا کرتا ہوں۔ ہمارے
 وضو اور طہارت کا زوسوں پر بہت اچھا اثر پڑا ہے۔ نیز ستر عورت کی احتیاط کا۔
 پچھلے وقت اپنی دس dchewster Hildagard Arnold خوصورت بنیر کے

تقریباً بھی کر دوں۔ نہایت نیک صورت بی بی ہے اور جس محنت سے میری تیمارداری کرتی ہے۔ اسکی زیادہ محنت سے تو میری والدہ ماجدہ اور میری بیگم صاحبہ بھی ذکر سکنت یہ ساری منزل اسی کے سپرد ہے، اور اگر وہ تمام سولہ کمروں کے مریضوں کی اس محنت سے تیمارداری کرتی ہے تو یقیناً دن رات میں ۲۴ گھنٹہ سے بھی زیادہ کام اسے کرنا پڑتا ہے مگر میز خیال ہے کہ جو دو ڈھائی گھنٹہ وہ مجھ پر صرف کرتی ہے، وہ خاص مہربانی ہے، اس کی ایک اسسٹنٹ بھی ہے، جو اس سے زیادہ نیک صورت اور نیک سیرت معلوم ہوتی ہے اور دوسرے دن سے وہ بھی میرے یہاں کام کیا کرتی ہیں مگر پھر بھی ہلیدی گارڈ کی آمد و رفت اور محنت جاری ہے، بالخصوص میری ٹانگ کو ڈھانچہ میں رکھنے، اس میں روئی دبانے اور پاؤں کو اس میں باندھنے اور پھر اس پر ایک بٹاکھا سچہ چڑھانے، اس کو پلنگ سے باندھنے (تاکہ وہ نیچا نہ ہو جائے اور سرک نہ جائے) اور اس پر کمبل اور چادریں چڑھانے اور بستر تکیے درست کرنے کا کام تو وہ خود اپنے ہی ہاتھ سے دو تین وقت کیا کرتی ہیں۔ چونکہ یہ اپنے اسسٹنٹ سے زیادہ انگریزی جانتی ہیں اس لئے ان سے گفتگو بھی زیادہ رہتی ہے اور گو انگریزی بہت زیادہ انہیں بھی نہیں آتی۔ تاہم گوشمش کر کر کے انہیں انگریزی کے ذریعہ سے دن میں تین چار بار منساویا کرتا ہوں اور اب اسی پر اس خط کو ختم کرتا ہوں تاکہ نہ آپ کو گلان ہو نہ بیگم صاحبہ اور سچوں کو، جن کے لٹافے میں اس خط کو بند کر کے بھیج رہا ہوں، تاکہ وہ ایک مختصر سا خط طے سے نہ گھبرا جائیں کہ میں بستر مرض ہی پر نہیں، بستر مرگ پر پڑا ہوا ہوں۔ اور یوں تو جو مرضی مولائی۔ جس دن میرا پاؤں دیکھ کر کیا ایک پروفیسر صاحب سخت مترو ہو گئے تھے تو بار بار اپنا یہ شعر یاد آتا تھا

تو جو آمادہ ہواے دل تو ہے پھر دار بھی، سیج
آزما دیکھ یہ سب کھیل ہے تیماری کا

یقیناً میں دنیا سے اس قدر بیزار نہیں ہوں کہ مرنے کی دُعا مانگوں بلکہ اسے چھوڑتے
 وقت آجکل تو مژور افسوس ہو گا لیکن جہاں تک سوچا اور غور کیا دعای اجل کو لبیک
 کہتے وقت انشاء اللہ بچاؤ لگا بھی نہیں۔ مگر صحیح معنوں میں نہیں ہوتے ”متبار“
 ”ربنا ظلمنا انفسنا، وان لم نغفر لنا و لعلنا نغفر لکون من الخاسرین“ آیہ کریمہ بار بار
 زبان پر آتی ہے اور سورہ بقرہ کا حصن خاتمہ۔ خداوند کریم! انہیں پر خاتمہ بالخیر کرے۔ ارادہ
 تھا کہ سیلان سے گزر کر نیپسی تہیں بلکہ ٹول کے بعد سے جو رد و فن کی طسرح ان
 فریسی قلعہ جات کی زنجیر کی ایک کڑی ہے جو سویٹزر لینڈ کے شمال سے بلغورٹ سے
 شروع ہوتی ہے۔ اور دون تک چلی جاتی ہے اور جس کی باقی ایک کڑی ایسی نال ہے
 جو راستہ کا علاقہ متمیز تک گیا ہے۔ ۱۸۷۱ء میں کھوکھو اب صلح درستی کی رُوسے
 فرانس نے تقریباً نصف صدی بعد پھر حاصل کر لیا ہے۔ اس کا کچھ حال، پھر اس طلاق
 کا جو متمیز کے بعد سے سار تک پڑتا ہے۔ جو جرمنوں ہی کا مانا گیا ہے مگر جس پر قبضہ
 ابھی فرانسیسیوں ہی کا ہے۔ پھر سار بروکین کے بعد سے فریکلفٹ تک کا کچھ حال
 جس قدر کہ ایک ریل میں پھیکر سفر کرنے والے کو معلوم ہو سکتا ہے، لکھ کر بھیجوں مگر اس
 وقت تک پچیس صفحہ ہو چکے ہیں اور پھر لے نہیں کہ میں مریض ہوں اور بلنگ پر پڑا ہوا
 حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس خط میں بھی طوالت اس لئے پسند کی ہے کہ آپ سب
 حضرات کو اور بگم صاحب اور سچپوں کو پورا ثبوت مل جائے کہ میں ابھی بظاہر مر نہیں رہا ہوں
 یہ سب کچھ تو بڑا، مگر سوال پیسہ کا ہے۔ یہاں حرف کمرہ کھانے وغیرہ اور زسنگ کے
 روزانہ ۲۵ مارک یعنی ۱۷ روپیہ دینا پڑے گی۔ اور وادار وادرو فیئر صاحب کی فیس
 علاوہ ہیندوستان کے افلاس کے متعلق میں نے انگریزوں کی اس بار بار کی بکواس
 کے بارہ میں *But diving is cheaper in India*
 (وہاں کی زندگی تو سستی ہے) جل کر عرض کیا تھا کہ

Yes, and dying is only just a little cheaper.
 'بالکل صحیح فرمایا، اور مر جانا زندگی سے کچھ ہی زیادہ سستا ہے، یہاں کے لوگوں کے خوف سے کہنا پڑتا ہے living is dear in Europe and on the whole, dying is much cheaper
 زندگی یورپ میں سمٹ گراں ہے اور سب چیزوں کا لحاظ کیا جائے تو مر جانا ہی بہت سستا ہے۔ جس چیز کا موت سے بھی زیادہ خوف ہے اپنے اس عمن کو جس نے اس اصرار کے ساتھ مجھے یورپ بھیجا ہے کہنا ہے کہ ابھی کسی قدر اور روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ اسلئے دست بڑھو کہ خدا جلد شفا کے کامل عطا فرمائے اب بالکل رخصت ہوتا ہوں۔
 عبدالعلی صاحب شب کے میرے ہی کمرہ میں فرکوش ہیں اور انہیں ان کا مدرسہ کھلنے تک یا اگر اسراگست سے پہلے یہاں سے نکل جھاگ سکا تو اس وقت تک اپنے ہی ساتھ رکھو ننگا۔ ان کی وجہ سے بہت اطمینان ہے بہن ہڈی کا رڈیگم صاحبہ اور بچوں کو سلام شوق بھیجتی ہیں۔ دستِ سلام۔

آپ کا دورا فائدہ مرخص بجائی
 محمد علی

فرنسیکرت ہر دریائے سین - جرمنی - ۲۹ اگست

برادر مہتمم الملک صاحب - اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 گذشتہ تحریر میں میں اپنی اندیشہ ناک علالت کا حال بالتفصیل سے
 چکا ہوں اب اگرچہ اس پیر کے باعث جس میں پیرس میں ۳۱ اگست سے درو ہونا
 شروع ہو گیا تھا، اور جس کی انگلی کے آبلہ کو یہاں شگاف دیا گیا تھا کوئی اندیشہ
 باقی نہیں ہے، اور انگور بنتا نظر آرہا ہے اور نئی کھال بھی انشاء اللہ دو چار دن میں
 نکل آئے گی، مگر پرسوں سے دوسرے پیر میں پنجہ کے قریب ایک ایک دو دو
 اور تین تین منٹ سے لے کر پانچ پانچ منٹ میں نہایت تیز درد کی چمک ہو رہی
 تھی اور رات کو تو اس قدر تکلیف تھی کہ نیند نہ آنے کا اندیشہ تھا، اس لئے کوئی
 دس بجے چھوٹے ڈاکٹر صاحب کو بلا کر خواب درو کی دو گولیاں احتیاطاً لے لیں تھیں
 مگر الحمد للہ نیند ان کے بغیر سی آگئی اور درو بھی صبح کو باقی نہ تھا ابھی کسی قدر درد
 شروع ہوا تھا، مگر شک کی دو اور عمل تین بار ملی جا چکی ہے اب بھی ملو اگر پاؤں کو بندھو
 ویلا ہے، اور درو بند ہو گیا بمبر ارادہ آج سوائے یکم صاحبہ کے کسی کو کچھ بکھنے کا تھا
 چنانچہ ان کے خط میں لکھ دیا تھا کہ وہی جعفری کو بھیج دیا جائے لیکن ابھی لندن سے
 منہد و نشان کی ڈاک آئی ہے اور اس میں آپکا مفصل و شرح نواز شفا مہملہ "ہمدرد"
 کے متعلق میں اس لئے مایوس ہو رہا ہوں کہ باوجود وقت پر نہ بکھنے کے، حجم کے بڑھ جانے
 کے، اور اس تنوع کے جو فلسطین، عراق، اور ترقی قسطنطنیہ وغیرہ کے خطوط کے شائع

ہونے سے بیدار ہو گیا ہے، اور نیز بعض مضامین خاص کی اشاعت سے، انبک ہمدرد کی اشاعت مطلق نہیں طبعی اسکا جاری رکھنا محض آپ کی محنت شاقہ، اور آپ کی بے نظیر کفایت شجاری کی بدولت ممکن ہوا ہے۔ پبلک کا مذاق یقیناً بگڑا ہوا ہے۔ اور مجھے اس طرح اسکا اصلاح کی مطلق امید نہیں ہیں اب تو اور بھی سختی کے ساتھ اپنی پہلی رلے پر قائم ہوں واپسی پر دیکھئے کیا ہو۔ میں یقیناً اب اس قدر محنت شاقہ برداشت نہ کر سکوں گا، اور گو کرنل آسٹن نے فاقہ اور بنا سستی پر گزر کرنے کا طریقہ خوب کھا دیا ہے، جس کے باعث میرے ذاتی مصارف اس قدر زیادہ نہیں ہونگے تاہم مجھے خوف ہے کہ میں جعفری کی تنخواہ پر کام نہ کر سکوں گا، لیکن یہ سب آئندہ کی باتیں ہیں۔ بھائی عفر الملک صاحب! میں آپ کی ہمت اور آپ کے استقلال کا قائل ہوں کہ آپ نے اب تک ”ہمدرد“ کو جاری رکھا۔ یکسی دوسرے کے دل گردے کا کام نہ تھا۔ خداوند کریم آپ کو اس کا اجر دے گا۔ مگر ملک ملت نے تو خاک اجر نہیں دیا۔ تعجب ہے کہ شیرازی صاحب نے بھی مضامین نہیں بھیجے۔ مجھ سے تو کم از کم ہر ہفتہ ایک طول طویل اور مفصل خط“ کا اس قدر سختی کے ساتھ مطالبہ تھا۔ افسوس ہے کہ جس ہفتہ لندن سے چلا تھا اس ہفتہ ”ہمدرد“ نہیں مل سکا تھا، اور غلطی سے میاں یوسف نے اسے یہاں بھیجا بھی نہیں۔ البتہ گذشتہ دو ہفتوں کی ڈاک گت کے ہاں سے آگئی ہے اور جس ہفتہ کی ڈاک میں آپ کا خط آیا ہے اُس کے اخبارات انشاء اللہ کل آجائیں گے ممکن ہے کہ یوسف صاحب بھی چھوٹی ٹھوٹی ڈاک کے ”ہمدرد“ کی تک بھیج دیں۔ شروع سے آخر تک پڑھتا ہوں ایک دن یا دو دن پڑھ دوں ہمدرد پڑھنے کی نذر ہو جاتے ہیں اور ایک دن یا دو دن پڑھنا اس کو خط لکھنے میں۔ اس لئے یہ نہ سمجھئے کہ یہاں ”ہمدرد“ سے میرا تعلق کسی طرح کم ہو گیا ہے سب کو سلام شوق۔

آپ کا دور افتادہ مریض بھائی
محمد علی

ابھی صبح کے ساڑھے پانچ بجے ہیں صلیف صاحب کے لڑکے عبد العلی صاحب نے ابھی وضو کرنا تھا وضو کر کے نماز فجر ادا کی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اُس نے اتنی اصلاح فرمادی اب بفضلہ تعالیٰ پاؤں کی انگلی کا انگور بن گیا ہے ذرا کھال ابھی کچی ہے، بالپوری طرح نہیں بنی ہے مگر انشاء اللہ جمعہ تک بالکل اچھی ہو جائے گی، اور خدائے چاہا تو اس دن میں شخصیت بھی ہو سکوں گا۔ ابھی مختلف غذا میں کھلا کھلا کر اور مختلف اوقات میں فارورہ لے کر کڑا کڑ میری حالت کا اندازہ کر رہا ہے میں نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ منگل کے دن یعنی ۲۱ اگست کو میرے پاؤں کا X.RAYS کے ذریعے فوٹو لیا گیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ پاؤں کی انگلی کی ہڈی تک بال بال بچ گئی اور اس پر گیند بین کا اثر ہونے نہیں پایا۔ اب میں گزشتہ اتوار سے چند گھنٹے روز آرام کر سی پر بیٹھ لیتا ہوں زخمی پاؤں سامنے ایک کرسی پر تکیہ رکھ کر بھینلا دیا جاتا ہے کھلنے کو اب صبح کو دو انڈے ایک بھوسی کی روٹی کا کچا توڑ، کچھ مکھن کچھ ذیابیطیسی جو مزے ہیں بالکل معمولی حجم کی طرح ہوتا ہے اور چائے کی تین پیالیاں پیتی ہیں یہ صبح کے ساڑھے آٹھ بجے تک مل جاتا ہے اس کے بعد دس بجے جرمن لوگ دوسرا ناشتہ کھا کر تے ہیں اس میں مجھے دو آٹو یا دو ناشپانیاں ملا کرتی ہیں ڈیڑھ

بچے کے قریب لے جاتا ہے جو دراصل ڈرنک ہے۔ اس جگہ اس میں سوپ ملتا ہے۔ مرنٹی، گوشت، ترکاری اور سلا ملتا ہے اور پھل گذشتہ اتوار کو ICE CREAM (برف) بھی ملی تھی، اور اس کے ساتھ ایک کیک بھی مگر یہ سب چیزیں ذیابیطسی شکر یعنی سیکرین سے تیار کی جاتی ہیں اور یہاں کی رتین سیکرین سے بہتر نہیں ہے۔ کج نمک کوئی سیکرین نہیں دیکھی۔ چار بچے چلے گئے تھے اور اس کے ساتھ ہی بہوسی کی روٹی کا ایک کچا ٹوس، اور ایک ڈبل روٹی جو پاڑے سے بھی ملکی اور سہارا ہوئی ہے اور کچھ مکھن اور کچھ پھل پھر آٹھ بجے رات کو ڈنر DINNER پاسپہر SUPPER ملتا ہے پینے تو صرف سلا دیاترکاری اور پھل ہوا کرتے تھے، یا پنیر اور ذیابیطسی ڈبل روٹی، مگر اب دو تین دن سے رات کو بھی گوشت یا مچھلی یا ترکاری ملتی ہے اور پھل پیٹ بھر سے زبلوہ مل جاتا ہے میں نے تو ڈاکٹر صاحب سے کہا تھا کہ اگر اجازت ہو تو محفوظ اساجھوڑ دیا کروں، مگر حکم ملا کہ ابھی طاقت بڑھانا چاہیے، کھائے جاؤ، بہر حال خدا کا شکر ہے کہ اب تک شکر کا نام نہیں ہے۔ نہ معلوم یہ پیر میں دروکیسے پیدا ہوا یا بلہ کیوں پڑا۔ ورنہ میں تو اب تک اسی کا قائل ہوں کہ پھل سلا دکھانے اور فاقہ کرنے کا نتیجہ ہوا کہ اب تک اس قدر کھانے پر بھی جبکہ ورزش کیا، حرکت تک بند ہے، شکر مطلق نمودار نہیں ہوئی گذشتہ پیر کے دن، یعنی ۲۷ اگست کو گردوں کا امتحان اس طرح کیا گیا کہ ۷ بجے علی الصبح بغیر دودھ اور بغیر سیکرین کے ہلکی چلنے کی چھ پیالیاں پلا دی گئیں اور فارورہ لیا گیا، اور پھر آٹھ بجے فارورہ لیا، اور بھوسی کی روٹی کے دو بچے ٹوس اور ذرا سا مکھن کھانے کو ملا پھر نو بجے فارورہ لیا گیا، اور پھر دس بجے، پھر ایک گلاس دودھ پیئے کو ملا پھر گیارہ بجے فارورہ لیا گیا، پھر ۱۲ بجے، پھر ایک بچہ پھر کچھ گوشت اور ترکاری کھانے کو ملی، پھر تین بجے فارورہ لیا گیا، پھر پانچ بجے، پھر سات بجے، پھر تھوڑی

سی روٹی اور مٹھن ملا، اور صبح کے بجائے تک فارورہ لیا گیا اور اس کے بعد جا کر کہیں
 پانی پیئے گا۔ ملا پر سوس سے ایک اور آمت کا سامنا کرنا پڑا تھا یعنی بائیں پاؤں میں
 ایک سخت نیزہ درد کی سی چپک ہو جاتی تھی کل تین بار ایک دوا چلائی گئی مگر رات کو اس
 قدر تکلیف ہوتی تھی کہ اندیشہ تھا نیند ہی نہ آئے، اس لئے چھوٹے ڈاکٹر نے دو
 گوبیاں خواب آور احتیاطاً دے دی تھیں کہ اگر نیند نہ آئے تو کھالینڈا محمد بلند
 کہ نیند خوب آگئی اور گولیوں کی ضرورت نہیں پڑی، صبح کو اٹھا ہوں تو درد کا پتہ نہیں
 مجھے تو اندیشہ ہونے لگا تھا کہ کہیں اس پر پیس بھی آبد نہ پڑ جائے اور شگاف نہ دلوانا
 پڑے، مگر اب جا کر خداوند کریم نے طبیبانِ نعیب کیا ہے ڈاکٹر بارہمی کہتا تھا کہ یہ
 کوئی اندیشہ ناک بات نہیں ہے مگر درد کا جلا پڑا اچھا چھو بھی پھونک پھونک کر
 پتیلے اچھا اب خست ہوتا ہوں گزشتہ ہفتہ کی ڈاک بدھ کے دن ۱۲ اگست
 کو گئی تھی۔ اسی کے بعد سے غذا میں بہت ترقی شروع کی گئی تھی ۱۳ سی دن سے
 مقوڑا اٹھوا سا ناک ملنا شروع ہوا ہے اور مچھلی مرغی اور دوسری قسم کا گوشت رفتہ
 رفتہ دیا جانا شروع ہوا ہے اب تک یہاں کوئی پھپھس پوند نہ صرف ہو چکے ہیں اور
 لطف یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی جنس فارورہ اور خون کے امتحان اور $WBC = 12,000$
 کے نوٹ کے مصالحت کا بل ابھی تک آیا بھی نہیں ہے۔ اس ہفتہ غالباً پندرہ پوند نہ صرف
 ہوں گے۔

(۱۷)

غسل میت سے غسلِ صحت

فان نارڈین کا مطب - فرینکٹ (جرمنی)
یکم ستمبر ۱۹۲۸ء

پیارے عرفان خداوند کریم تم پر اپنے افضال نازل فرماتا رہے اور تمہیں ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ تم سے سجدہ شرمندہ ہوں کہ غالباً ۱۲ جولائی کے بعد سے تمہیں ایک خط بھی نہیں لکھا، اور ۹ جون کو یورپ پہنچنے کوئی خط لکھا تو وہی ۱۲ جولائی والا ایک خط۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ علاوہ اس مختصر سے خط کے جو میں ہر ہفتہ بیگم صاحبہ کو لکھتا رہا ہوں، میں ہفتہ میں ایک ہی مفصل و مشرح خط لکھ سکتا ہوں اور چونکہ ہمدرد میں وہ شائع ہو جایا کرتا ہے، اس لئے دو خط تمام اعزہ و اقارب اور تمام دوست احباب کے نام ہی کا ہوتا ہے۔ اور جو خط ۱۲ جولائی کو میں نے تمہیں لکھا تھا مجھ پر اس کو بھی "ہمدرد" والوں ہی کے پتہ سے بھیج دیا کیونکہ اس ہفتہ کوئی اور مفصل خط نہ لکھ سکا۔ اس وقت شام کے چھ بجے ہیں اور میں اس پرائیویٹ مطب میں جو ذیابیطس کے علاج کے ماہر "گیلم رائٹ" (علامہ فرنط) فان نارڈین کلاسے (مگر جس کے رہنے، کھانے اور تیار داری اور دوا وغیرہ کے انتظامات ایک کمپنی کے سپرد کئے گئے ہیں۔ صرف علاج کی نہیں وہ خود دیکر اپنے اور اپنے رفقاء کا راور اسپسٹنٹوں کے درمیان تقسیم کر لیا کرتے ہیں) نمبر ۲۲ کے کمرہ میں بستر پر بیٹھا ہوا یہ خط تمہیں لکھ رہا ہوں آج پہلا دن ہے کہ غسل کی اجازت ملی ہے اور گوہرِ عذرا ایک کپڑے کو نذر کر کے اور اس پر صابون لگا

کر سارے بدن کو، سوائے زخم خوردہ سیدھی ٹانگ کے، ایک قسم کا غسل "پہل کا غسل" دے دیا کرتا تھا، پھر اس کپڑے کو دھو کر بدن سے صابون چھٹا دیا کرتا تھا، اور اس کے بعد اسی کپڑے کو گیلیا کے اس پر مکھن ڈال کر جسم کو اور بھی صاف کر دیا کرتا تھا۔ اور جانگوں میں اور پیچھے پر پوڈر مل دیا کرتا تھا تاکہ پسینہ کے باعث بدبو پیدا نہ ہو جائے یا بستر پر پڑے کپڑے کو فگ کر زخم نہ پیدا ہو جائے، تاہم کہہ نہیں سکتا کہ معمولی غسل کے بغیر طبیعت کس قدر سبقت راقی۔ الحمد للہ کہ آج پانچ بچے ایک بڑے ٹب میں لیٹ کر گرم پانی اور صابون سے خوب دیر تک میل چھٹا رہا، پھر اور نوٹے بھر بھر کر، نیم گرم اور سرد پانی ڈالا، اونٹ پاک ہوا۔ مگر ابھی تک چونکہ سیدھے پاؤں کی بیج کی انگلی میں ابلہ پڑ گیا تھا کھال پوری طرح نہیں بن پائی ہے اس لئے وہ پاؤں پانی سے باہر ہی رکھا گیا۔ سارے جسم کی پھارت اور صفائی کے بعد پریٹکٹیف آف پوٹاش ڈالکر ایک فٹ باٹھ FOOT BATH یعنی دو ہاشٹ کے ٹب میں اسی قدر گرم پانی میں جس قدر گرم جسم میں تھا، زخمی پاؤں کو بھی غسل دیا گیا۔ اس پاؤں کا غسل دو دن سے جاری ہے، مقصد بلا تکلیف کے پرانی زخمی کھال کو دور کرنا تھا تاکہ نئی کھال نکل آئے اور میل کھیل کے باعث زخم بگڑنے نہ پائے۔

۱۳ اگست کو لندن سے غسل کر کے چلا تھا ۱۸ دن کے بعد آج غسل نصیب ہوا ہے۔ ۱۷ کی دوپہر سے صاحب فراش ہوں اور گو ۲۰ اگست سے چند گھنٹہ آرام کر سکیں پڑھنے کی اجازت مل گئی، البتہ زخمی پیر کے سامنے ایک کرسی رکھ کر اور اس پر نرم کوسہ رکھ کر کوسہ پر پھیلا دیا جاتا تھا۔ تاہم چونکہ انگلی کے نیچے حصہ میں نئی کھال بننا شروع ہو گئی تھی مگر اوپر کے حصہ کی سوئی کھال منتہی تھی اور ڈاکٹر کا گمان تھا کہ اس کے نیچے کچھ مواد باقی ہے اس لئے نیچے کے حصہ کو دوا لگا کر اس پر اسٹیکنگ STICKING نور سے باندھ کر تاکہ پانی اس تک نہ پہنچے پائے، اوپر کے حصہ پر گرم پانی میں کپڑا کر کے

بطور ہاٹ کمپریس HOT COMPRESS کے باندھ دیا گیا تھا، اس لئے زیادہ زور سے بچنے کے حصّہ کے بند کاپٹیو ہوئے کہ ساری ٹانگ بھاری پڑ گئی، اور مجبور ہو کر اوپر کے حصّہ کا کمپریس کھول دیا گیا اور بچنے کے حصّہ کا بندھن بھی دور کر دیا گیا، اور ویسٹین لگا کر ہٹکی سی پٹی باندھ دی گئی، اور دوسرے دن سے فٹ ہاتھ شروع کر لئے گئے۔ اس ٹانگ کے بھاری پٹنے سے پھر خائف ہو کر میں نے کرسی کو دور ہی سے سلام کیا۔ اور پھر بستر پر اتر ہو گیا۔ وودن اسی بیم ورجا میں گزارے، مگر آج الحمد للہ اس قابل ہو گیا کہ کرسی پر بھی بیٹھ سکوں اور غسل بھی کر سکوں اگرچہ ایک ذیابیطس کے لئے ایک چیونٹی کے کاٹنے اور کھال میں سرسوزن سے ہار ایک ترچھید ہو جانے سے ملک الموت کے لئے پھاٹک کھل جاتا ہے اور جب تک پٹی بالکل نہ کھل جائے نہیں کہہ سکتا کہ پاؤں کی ایک انگلی کو بھی صحت نصیب ہوگی دچہ جائیکہ مرض ذیابیطس سے نجات مل گئی اور اعصابی سوزش بھی جواب تک بدستور جاری ہے، بند ہو گئی، تاہم اس غسل کو غسل صحت کہوں تو شاید قبل از وقت خوشی اور اطمینان کا اظہار نہ سمجھا جائے۔ پیارے عرفان اعظمت علیٰ عہدیا (بیگم صاحبہ اور عظم صاحبہ والدہ مرحوم) کے ٹھیک اسی عمر میں اور ٹھیک اسی جگہ ایک بھنسی نکلی تھی، مگر ننگا لگائے جانے کے بعد ذیابیطس خون میں انحلال کی قوت نہ پائی گئی اور بد کو خست بننا تھا اور کھانا جانا تھا، انکو نہ بننے پانا تھا (چہ جائیکہ نہ کھال بھی بن جائے)، اور پھر گردن میں ایک اور بھنسی نکلی جس کو وائٹس لارڈ ہارڈنگ کے خاص سرجن جنرل نے ننگا دیا، اور نہجہ کے وقت عین اُسی دن جس دن کہ میرے والد مرحوم نے انتقال فرمایا تھا (یعنی ۷ مارچ ۱۹۷۱ء بروز بدھ اور یوم الفرقان) خصمت ہو گئے۔ اس ذیابیطس کی بدولت میں بار بار اس بستر مرض پر چڑچکا ہوں جو بہت آسانی سے بستر مرگ ہو سکتا ہے اسلئے جس طرح مکہ معظمہ میں مومنہ عالم اسلام کے دو بھر ہی اجلاس کی صبح کو میں نے سمجھ لیا تھا کہ اب چلنے کی نیاری ہے اسی

طرح اس بار بھی اپنا یہ شعر پڑھ کر دنیا کو چھوڑنے پر راضی ہو چلا تھا کہ
 تو جو آمادہ ہو سنے تل تو ہے پھر دا بھی بیع
 آنا دیکھو سب کھیل ہے سیاسی کا
 البتہ فرق اتنا تھا کہ کہاں اللہ کے گھر کی موت اور کہاں اس کفرستان کی؟ خیر
 غالب کا شعر یاد آ گیا تھا کہ

مارا دیا بغیر میں ہم کو وطن سے دور
 رکھ لی مرے خدائے میری بیگم کی شرم
 ارادہ تھا کہ اپنے ہو وطن اور علیگڑھ کے کلاس فیلو صلیب خان کے صاحبزادے
 عبدالعلی اور ظفر عمر کے صاحبزادے شوکت عمر، اپنے شاگرد مرزا اشرف اور اپنے
 زمانہ کے علیگڑھ کے اولڈ بوائے محمد امین فقیہہ (سابق جج جوناگڑھ) کے صاحبزادے
 اور عبدالرحمن صدیقی کے بھانجے، خالد کوٹنسل میت اور نماز جنازہ سکھا دوں تاکہ
 ضرورت پڑے تو یہ فرض کفایہ ادا ہو سکے جب حالت یہ ہو (حالانکہ لکھنے کو پاؤں
 کی ایک انگلی میں آبد پڑا تھا، جسے آدھے سکند میں ایک خفیف سا شگاف دے
 دیا گیا) تو پھر کیوں نہ کہوں کہ اس بیم کے بعد

موت ہی سے کچھ علاج درد و فرقت ہو تو ہو
 غسل میت ہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو

کیوں نہ سمجھوں کہ آج میں نے غسل صحت کیا ۳۴ بجے وہاں سے فارغ ہو کر اپنے
 کمرہ میں لایا گیا اور اسی وقت دو گنا نہ شکر ادا کیا پھر نماز عصر پڑھی، اور تم پہلے شخص
 ہو جسے یہ خوشخبری پہنچا تاہوں۔ ابھی یکم صاحبہ تک کو ایک حرف نہیں لکھا ہے (اور حقیقتاً
 ان کو ان کے گذشتہ مسلسل چار پانچ خطوط کے انداز تحریر کی ایک حد تک سزا دینا
 بھی مقصود ہے) یہاں تک اس دن خط لکھ کر لیٹ رہا تھا، اب اسے ہر ستمبر کو ختم

گرتا ہوں اس لئے کہ ڈاک آدھ گھنٹہ میں چلی جائے گی۔)
پیارے عرفان۔

میں نے غالب کا دیوان خدا بھڑٹ نہ بلوائے تو سینکڑوں بار
پڑھ ڈالا ہوگا، اور ہزاروں لاکھوں بار اسکے مختلف اشعار پڑھے ہیں اور لوگوں کو
سنائے ہیں اور خود اپنا دل بہلانے کو اس پھیٹی ہوئی آواز میں گنگنائے بھی ہیں۔ مگر
ایک شعر کا مطلب، جسے ہزاروں بار پڑھا، سنایا اور گنگنایا ہے آج جا کر سمجھ میں
آیا ہے۔ خدا شاہد ہے کہ آج تک نہ سمجھا تھا کہ غالب نے یہ شعر خاص اپنے اس عاشق
زار ہی کے لئے لکھا تھا وہ شعر یہ ہے۔

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبو عشق میں زخمی

نہ بھاگا جائے مجھ سے نہ ٹھہرایے ہے مجھ سے

میرے پاؤں کا جو کچھ حال اب تک تم نے پڑھا ہے، اور ملفوفہ تصاویر سے
جواب نظر بھی آجائے گا اسکے بعد یہ سمجھنا تو ذرا بھی مشکل نہ ہوگا کہ مجھ سے بھاگنا کیوں
نہیں جاتا۔ مگر جب یہ سوچے کہ اس پرائیویٹ شفا خانہ میں صوف کرے، کھانے
اور زسنگ (نیما داری) کے روزانہ ایک پونڈہ شنگ (یعنی سترہ روپیہ)
دینا پڑتے ہیں اور ادویہ اور خون وغیرہ کے امتحان کے اور عکس ریز سے پاؤں کی
ٹیلیوں کے فوٹو گرائٹ کے اور سیٹیم سے غسل کے (جو پرسوں پہلی بار ملا تھا) اور آج
شام کو پھر ملیگا اور اعصابی سوزش پہلی بار تو یقیناً کم کر چکا ہے اور جس سے بڑی
توقع تھی، اور ڈاکٹر صاحب کے علاج و مشورہ کے (جس کے متعلق بھی اندازہ
مک نہیں کیا جاسکتا اور جس کی بل ابھی تک نہیں آئی ہے اور جس کے باعث
پلنگ پر پڑے پڑے لرزاکرتا ہوں) اخراجات ان سب کے علاوہ، اور پھر اپنے تیماراۓ
عزیزی غلبہ علی صاحب کے کھانے پینے کے اور اپنے کپڑوں کی دھلائی اور جماسٹ

وغیرہ کے اخراجات اور چلتے وقت کے انعامات، تو تمہاری سمجھ میں بھی آجائے گا کہ مجھ سے یہاں ”ٹھہرا“ بھی کیوں نہیں جاتا۔ ابھی تین ہفتہ ہوئے بھی نہیں ہیں اور بل صرف دو ہفتہ کے ادا کئے ہیں اور وہ بھی سب نہیں، مگر اس وقت تک پچاس پونڈ صرف ہو چکے ہیں، اور یہ ان بیس پونڈ کے علاوہ ہے جو چلتے وقت لگتے سے نکلا کر لئے آیا تھا۔ اب صرف اتنا باقی ہے کہ یہاں کا اس ہفتہ کا کرایہ وغیرہ ادا کر کے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیکر لندن پہنچ جاؤں۔ نہ ڈاکٹر کی فیس کے لئے کچھ باقی ہے، نہ اور مصارف کے لئے اور ابھی نظر ہر ایک ماہ و س دن پورے ہیں گزارنا ہے اور دو ڈھائی ہفتہ جہان پر۔ یہ سب سن چکے، اور پھر سو کہ غالب نے لسانِ نسب بیکر میرے لئے یہ شعر لکھا تھا

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے بسرِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا گائے ہے مجھ سے، نہ ٹھہرا جلتے ہو مجھ سے

اب میری صحتیابی کی داستان کا بقیہ حصہ بھی سن لو، غسلِ صحت کے دوسرے دن چھ گھنٹہ کے لئے نیچے کی منزل پر انوالیدس میئر (INVALID'S CHAIR) (مرضیوں کی کرسی) کے ذریعہ میوزک سیون (غنا خانہ) میں گیا اور ایک نیم رسی (نیم ترک یہودن صاحبہ کا جن سے یہاں ملاقات ہو گئی ہے کسی قدر گانا اور زیادہ تر پیا لوجیا ناحب کا انہوں نے ڈپلومہ حاصل کیا ہے سنا تب سرے دن دو پہر کو گھنٹہ بھر کے لئے پہلی بار اس شفا خانہ سے ٹکیسی پر جا کر شہر کی میر کی اور شام کو بیڈیم کا غسل لیا جس سے ہم ۴ گھنٹہ تک پیروں میں اعصابی سوزش بند رہی۔ کل یہاں سے کوئی دس پندرہ میل کے فاصلہ پر ٹکیسی میں باؤمیرگ جا کر دیکھا، جہاں مشہور طبی پینے اور نہانے کے چشمے ہیں۔ اور لطف یہ کہ وہاں فقیرِ حرمی کے صاحبزادہ شہزادہ اڈیلیٹ اور اُن کی شہزادی اور بچوں سے ملاقات ہو گئی اور وزیرِ نام گھٹو ہوئی

رہی مگر اب وقت بالکل نہیں ہے اس لئے خط بند کرتا ہوں۔ اگلے خط کا انتظار
کیجئے + سب کو سلام شوق

تمہارا چاہنے والا
محمد علی

مراجعت وطن

پیارے زاہد۔ السلام علیکم رحمت اللہ وبرکاتہ،

تمہارا خط اسی ڈاک میں ملا۔ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی، ارادہ تھا کہ اس ہفتہ کا مفصل خط تمہارے نام لکھوں اور تم سے درخواست کروں کہ تم اسے بھر دو گو بھی ارسال کر دو تاکہ سب اعزہ و احباب کے لئے وہی کافی ہو مگر اس ہفتہ کسی کو بھی مفصل خط لکھنے کی فرصت نہیں ملی۔ اور آج جمعرات کو شب کے ساڑھے سات بجے جبکہ معمولی ڈاک بڑے ڈاک خانہ میں ۲۲ کا زیادہ ٹمٹ لگانے پر آدھ گھنٹہ بعد درجا سکے گی یغنی سفر سا خط گھر سے لکھ رہا ہوں اور ہوائی جہاز سے روانہ کرادوں گا اور پھر کھانا کھا کر سامان باندھوں گا۔ تاکہ کل رات کو درنہ پرسوں صبح اس ملک کو آخری سلام کہہ کر رخصت ہوں۔ اس ہفتہ فرصت نہ ملنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اول توجہ کو مسز نیڈ و اس ملک میں وارد ہوئیں اور ہفتہ کو ان سے ملا اور ان کے اعزاز میں کانگریس کمیٹی نے جو دعوت دی اس میں شریک ہوا اور زبردستی بولنا پڑا، حالانکہ اس دن میرے فاقہ کو پورے بارہ روز ہو چکے تھے۔ یہ میرے ڈاکٹر کی آخری کوشش تھی، میری طبیعت یوں تو اچھی رہی اور ہر شخص کو مجھے چلدا پھرتا دیکھ کر مسرت ہوتی تھی لیکن اعصابی حالت اب تک پوری طرح درست نہیں ہوئی۔ یعنی پاؤں کے تلووں میں احساس کی کمی بدستور ہے گو سوزش اب اس طرح نہیں ہوتی جس طرح دہلی میں ہوتی تھی اور مزے کی نیند سوتا ہوں۔ دوسرے مظفر کے لئے کپڑے جلد جلد کپڑے تیار کر لئے اس میں مصروف رہا، انشاء اللہ

مفتہ کو ہم لوگ پریس جائینگے۔ دو دن وہاں رہ کر دُف بے اور مہاراجہ سے مل کر برلن جائینگے۔ فریڈرک فرٹ، فرائی برگ ہوتے ہوئے ویانا جائینگے تاکہ مظفر کے وائے کا انتظام ہو جائے اگر روم جانا ہو تو وہاں سے میں روم جا کر برنڈیز سے قسطنطنیہ کو چل دوں گا، اور شام فلسطین، مصر اور پھر عراق کے راستہ سے کراچی آؤں گا یا عراق کو چھوڑ کر مصر ہی سے ممبئی آؤں گا۔ اگر روم جانے کا حکم نہ ملا تو ویانا ہی سے سیدھا برلن خشکی قسطنطنیہ چلا جاؤں گا۔ اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ طارق کو دیکھنے کو بے قرار ہوں۔ اس کے لئے ایک ہوائی بندوبست لائے گا خیال ہے۔

تمہارا چاہنے والا
محمد علی

سفر آخری

نومبر ۱۹۳۰ء

گول میز کانفرنس کی شرکت
”مشددہ حال“ اب قومیرے مذہب میں گول میز کانفرنس
ہی کی شرکت کے لئے جائز رہ گیا ہے“

محمد علی

۲۰ ستمبر ۱۹۳۰ء

۱۷ ایک مشہور حدیث ہے کہ زیارت کے لئے شہرِ حلال (اونٹ پر کجاوہ باندھنا یعنی سفر کرنا)،
خانہ کعبہ اور بیت المقدس کے سوا کہیں اور کے لئے جائز نہیں۔ یہاں شہرِ حلال کا اشارہ
اس حدیث کی طرف ہے +

عزیم سفر

پاؤں میں پہلے ہی جس نہ تھا، اب حالت کچھ بدتر ہی ہے
اور سردیوں میں ہر وقت گنگرین اور
..... یا اُن کی قطع و برید اور اسی طرح موت کا اندیشہ
رہیگا۔ جس سے ڈاکٹر انصاری کے مرموم و مغفور منجھے بھائی صاحب
کو دوچار ہونا پڑا۔

”اب تک صاحب فراش ہوں۔ کانفرنس کے روزانہ اجلاس
میں نہ صرف ہندوؤں اور انگریزوں بلکہ سب سے زیادہ خود مسلمان
بھائیوں سے ایک ایک نقطہ پر جنگ کرنی پڑے گی۔ ان تین محاذوں
پر جنگ کرنے میں ہر وقت دل کی حرکت یکا یک بند ہو جانے کا
اندیشہ ہے۔ سب سے زائد یہ کہ اب کچھ پڑھ نہیں سکتا۔ کامل نابینائی
کا ماہر علاج چشم نے پورا یقین دے دیا ہے کہ اگر میں سب کام چھوڑ
کر نیپال جیسے ملک کو نہ چلا جاؤں، جہاں دنیا کی کوئی خبر نہ لکھیں اس
پر بھی میں سمجھتا ہوں کہ میرا مذہبی فرض ہے کہ اس کانفرنس میں ایک
ہوں اور وہاں سلطان جاجو اور رعایا نے مجھ پر دونوں کے سامنے

کلمۂ حق کہہ کر سب سے افضل جہاد کروں تا آنکہ اس کام میں مر جاؤں۔
 ” اس لئے قرض دام بیکر، بھیگ مانگ کر اور جس طرح بھی
 ہو سکے گاتین چار ہزار روپیہ فراہم کر کے اپنی اہلیہ کو بھی ساتھ لے
 چلوں گا۔ اس لئے کہ وہ زندگی کی ساری منازل و مراحل
 میں میری فریفتی سفر رہی جب منزل مقصود کے لئے احرام سفر
 باندھوں تو چاہتا ہوں کہ وہ موجود ہو۔ ورنہ لندن کا بدترین
 موسم ہے اور ہر متمول انگریز اور سیم انگلستان چھوڑ کر وہ سرے
 ملکوں کو بھاگ جاتے ہیں“

۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۱)

پیرس میں شدید صلاحت

پیرس (اسپینڈر ہوٹل)
۶ نومبر ۱۹۳۰ء

پیاری ذہرہ

خداوند کریم تجھے اور طاق کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔
آج ہندوستان سے چلنے کے ایک ماہ اور دو دن بعد میں پہلی بار مجھے یہ خط
اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیج رہا ہوں تاکہ تو اور سب عزیز و اقارب اور دوست
احباب مطمئن ہو جائیں کہ خداوند کریم کے فضل سے میں نے دوبارہ زندگی پائی۔
حقیقتاً جو دھچکا مجھے اس بار لگا وہ سب سے زیادہ سخت تھا۔ باوجودیکہ یہ جگہ شملہ
کی طرح سطح سمندر سے اونچی نہ تھی تاہم خون کا دباؤ بالکل شملہ کی طرح ۱۹۰
سے اوپر ہو گیا تھا اور لیٹا سانس کے باعث ناممکن ہو گیا تھا۔ بھومبال میں بھی
ابتداءً ستمبر میں ممبئی سے واپسی پر خون کا دباؤ یکا یک اس طرح بڑھ
گیا تھا مگر سانس کی یہ حالت نہیں ہوئی تھی۔ اس بار سب سے زیادہ تکلیف
دہ بخار، جگر کا بڑھ جانا اور اس میں درد پیدا ہو جانا، بھوک کا بالکل غائب
ہو جانا، منہ کی کا بار بار ہونا، اور صفرے کی عجیب و غریب زیادتی، جس کے
باعث پانچ دن تک غذا بالکل مضہم نہ ہو سکی اور اس طرح ایک طرف تو ضعف
اور دوسری طرف صفرے کے کشتی لڑنا یہ سب کچھ ہوا۔ شملہ میں مرض کا پہلا

سخت حملہ تھا اور بدن میں مقابلہ کی قوت تھی بھرپال میں بیٹی سے واپسی پر حملہ اس قدر سخت نہ تھا مگر اب بدن میں جان نہ تھی۔ یہاں تو کچھ نہ پوچھو کہ کیا گزری۔ خدا تیری بی بی کا بھلا کرے۔ رات دن میرے رشتہ میں سفر تھی اور مجھے اطمینان قلب حاصل تھا۔ خدا بھلا کرے میرے مصری اور ترک دوست ڈاکٹر بہجت دہی کی جنہوں نے بہتر سے بہتر ماہرین علاج قلب معدہ سے مبرا علاج کرایا اور صبح و شام خود بھی اس میں مصروف رہتے جو امداد اُن سے ملی ساری عمر میں کسی سے نہیں ملی۔ ان کے لئے دعا نکلتی ہے ان سے زیادہ اچھا اور سچا مسلمان ہیں نے آج تک نہیں دیکھا اور ان کا عشق میرے دل میں پہلی بار سدہ پورہ میں جاگزیں ہوا تھا جسے اب کوئی پچیس برس ہوئے ہوئے جب میں نے مدارس کے ایک اسلامی اخبار میں اس مضمون کی نقل پڑھی جو انہوں نے انگلستان کے مشہور رسالہ انیسویں صدی اور مابعد *Nineteenth*

مقام *Century & Pan Islamism* میں یعنی اخوت اسلامی پر لکھا تھا۔ اقبال سے بھی پہلے میں نے اپنے اسلامی خیالات کا نقشہ ان کے اس مضمون میں دیکھا تھا اس سچے مسلمان پر جو ڈاکٹر انصاری کی طرح ایم۔ ڈی کی ڈگری انگلستان سے لے چکا ہے اور جو مصری حکومت میں جنگ سے پہلے *anatomy* یعنی علم التشريح کا پروفیسر تھا۔ اس کے اسلام اور اسکی علمی اور عملی قابلیت کے باعث جو کچھ گزرا ہے وہ ایک بڑی داستان ہے اور جس طرح وہ آج پیرس میں ایک جلاوطن کی زندگی گزار رہا ہے اور وال روٹی کھا رہا ہے وہ بھی ایک داستان سے کم نہیں۔ انشاء اللہ کبھی یہ سب داستان دہرائی جائے گی۔ آج وقت نہیں جب میں ۱۹۳۱ء میں وفد خلافت کو نیکر آیا تھا تو میرے ترک دوست اسعد فواد بے اور

میری مصری دوست زبیا خانم اسعد کی بیگم صاحبہ کے ساتھ یہ سوئٹزرلینڈ میں رہتے تھے۔ پہلی بار ان تینوں دوستوں سے وہیں ملاقات ہوئی تھی جب ۱۹۲۵ء میں ہمارا جہ صاحب الور کی فیاضی اور قدر افزائی کے باعث میں یورپ کو پھر علاج کے لئے آیا تو ڈاکٹر وہی نے مجھے یہاں کے ایک ماہر معالج ذیابیطس کو بھی دکھایا تھا جب جرمنی جانے وقت پیرس ہی میں بیمار ہو گیا تھا تو انہیں نے دیکھا بھالا تھا اور فرنیچر کٹ روانہ کرایا تھا۔ واپسی میں مظفر اور میں اسی ہوٹل میں جہاں یہ رہا کرتے ہیں اسی کمرہ میں ٹھہرا تھا جہاں اب بیماری کے باعث بی اور میں پھر رہتے ہیں۔

جہاز پر تو میں آنکھوں سے اندھا تھا اور قلب کی حالت بھی خراب تھی البتہ عدل پیچھے ہم طبیعت درست ہو گئی تھی وہاں جہان سے اتنا چڑھنا اور اپنی مریدانی خیر النساء اور حسین بھائی کے لئے ہونے کھانے میں سے ذرا سا کچھ لینا بھی مضرت ثابت ہوا اور دو دن بعد اس کا اثر محسوس ہوا مگر دو چار روز بعد طبیعت پھر سدھ گئی۔ میں شوکت صاحب، زاہد اور بی کے ساتھ قاہرہ نو اس بار نہ جاسکا مگر پورٹ سعید میں بیت المقدس سے اگر حضرت مفتی اعظم امین الحسینی صاحب مجھ سے جہاز پر مل گئے اور ان کے سیکرٹری اور ہمارے مؤثر عالم اسلام منتقدہ مکہ معظمہ کے نزہان حجاج صاحب قاہرہ جاکر شوکت صاحب سے مل گئے اور انہیں کے ساتھ واپس آکر مجھ سے بھی مل گئے قاہرہ جانے کی مجھ میں طاقت نہ تھی البتہ تین دن بعد مالٹا پر اتر کر میں نے اس جگہ کو دیکھا جہاں ہمارے سردار حضرت شیخ الہند محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے رفیق مولانا حسین احمد صاحب اور عزیز گل صاحب وغیرہ مریدوں اور شاگردوں کے ساتھ قید کر دئے گئے تھے۔ اس میں تنگن ضرور محسوس ہوئی

گو میں موٹر سے بالکل نہ اترا تھا اور صرف ایک گھنٹہ اس میں گھوما تھا۔ مارسیز
میں اکرم روجی بے اور ان کے ساتھ ہی حفیظ محمد رشاد خلیفہ المسلمین مرحوم
کے صاحبزادے جو اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ میں میں رہتے ہیں ملے۔ شعیب
صاحب سے ملنے آئے تھے ہم اسی دن پیرس کو چلے گئے اور گورا ستہ لمبا
نفا اور راستہ بھلائی ٹوٹی ٹھوٹی گیا، دس بارہ لفظ کی فرانسیسی زبان میں
اپنے کمرے کے مسافروں کو سمجھانا پڑا کہ یہاں ہم گائیڈ جی کے ساتھ مل کر کس
طرح کام کرتے تھے اور اب کیوں مسلمانوں کی حق تلفی سے پریشان ہو کر ان
کے حقوق کی حفاظت کے لئے اس تحریک سے علیحدہ ہیں، مگر ہندوستان
کی آزادی کے لئے آواز بلند کرنے لندن جا رہے ہیں جس کے باعث مجھے
آرام کم ملا تاہم شام کو پونے گیا رہ بجے ہم بحریہ پیرس پہنچ گئے اور ڈاکٹر
وہبی اور شوکت اللہ شاہ کو اسٹیشن پر پایا۔ رات کو آرام سے سو یا صبح کو غسل
کیا، ناشتہ کیا اور بی کے لئے چند ضروری چیزیں خریدنے بازار گیا یہاں
WHITE WAY سے سیول کئی بڑی دکانیں تھیں چار بجے مشہور ہیں۔
ان میں سے ایک میں سب چیزیں مل گئیں مگر مجھ پر محنت سخت گزاری اور
بھوک سے بیتاب ہو گیا۔

ایشیائی کھانے کی تلاش میں ایک اٹنی دوکان میں گیا جہاں گوشت حلال
ملتا ہے، خدا نے تمہاری بی کو بے حلال کئے ہوئے گوشت سے اب تک بچایا
ہے اور انشاء اللہ ہم لندن میں بھی اس سے ہتر نہ رہیں گے اس دوکان
میں پہلی چیز جو ملی وہ ٹوکہ (دولہ) تھے، مگر مجھے پسند نہ آئے تاہم بھوک
سے مجبور ہو کر کھائے پھر گوشت اور چاول ملے، جو خوب لذیذ تھے اور سپٹ
بھر کر کھائے گئے غلطی یہ ہوئی کہ اسی پر اکتفا نہ کیا گیا۔ دہی میں ملے ہوئے

بیچ پر لگے ہوئے گوشت کے ٹکڑے بھی کھائے جو سب سے زیادہ مزیدار تھے۔ اور ذرا سی کھیر بھی۔ اس قدر کم کھیر ہو کر کھانا ہزاروں مرتبہ کھایا تھا مگر اب بیماری نے اس کے مضم کی قوت نہیں چھوڑی تھی۔ ذرا ہوا کھا کر جو ہٹل آیا تو سوہ مضم کی شکایت محسوس ہوئی۔ پینک پر آتے ہی لیٹ گیا۔ رات کو کچھ نہ کھایا اور صبح کو بھی احتراز کیا۔ البتہ غسل کر کے دیر پہر کو ہوا خوری کے لئے بی کے ساتھ موٹر میں گیا اور الموڑہ کے دوست بدری دت پانڈے کے بھتیجے اور گوبند و لمپنت صاحب سو راجی لیڈر نیپنی تال کے داماد چند روت پانڈے صاحب جریہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں ساتھ تھے واپسی پر تلی ہوئی اور پت نکلیے شنب کو بجا بھی ہو گیا۔ یہ ۱۱۹ اور ۱۱۹ اکتوبر کی سرگذشت ہے اس کے بعد چار پانچ دن حالت سخت خراب رہی بالآخر (ڈاکٹر پوری) ماہر علاج قلب نے جلد سے جلد جو دن علاج کے لئے نکال سکتے تھے ڈاکٹر دہی کی دوستی کی وجہ سے دیا۔ اس سے پہلے ایک دن ایک اور ماہر علاج قلب کے گھر جا کر قلب کی حرکت کا بجلی سے نقشہ کچھرایا اور فارورہ کا امتحان کروایا لیکن جگر کی خرابی نے بیناب کر دیا تھا۔ پت برابر بن رہے تھے اور چونکہ غذا ہو نہیں رہی تھی اس لئے غلو معدہ کے باعث ان کی اور بھی زیادتی تھی اور ان کے نکلنے میں آسانی نہ تھی۔ میوہ ہو کر معدہ کے علاج کے ماہر کو بلا بلا ماس نے کہا کہ اصل مرض دل کا ہے اسی کا علاج معدہ اور جگر کو درست کرے گا۔ چونکہ تم کل ڈاکٹر پوری سے علاج شروع کر رہے ہو اس لئے میری مداخلت بیکار ہو گئی تاہم شنب کو سکون معدہ اور جگر کے لئے ڈاکٹر کے کیمیر نے افیون کا حقنہ دو چار دن دلوایا جس سے اب نیند آئے ہے لیکن پھر بھی یہی دین سے ڈاکٹر پوری کا علاج شروع ہوا اور تین دن میں انہوں نے جگر کو درست کیا۔ قلب کی حالت کسی قدر بہتر کی اور اب ان کا علاج باقاعدہ

ہونے ہی والا تھا کہ آغا خان صاحب نے اصرار کیا کہ میرے دوست پروفیسر واکینر کو بھی دکھاؤ۔

یہ ڈاکٹر بوری سے بھی زیادہ مشہور ماہر علاج قلب ہیں مگر اب بوڑھے ہو گئے ہیں ایک شفا خانہ انکے سپرد ہے۔ وہیں روزانہ جاتے ہیں مگر گھر پر کسی کا علاج نہیں کیا کرتے یہاں تک کہ ٹیلیفون کی کتاب میں سے بھی اپنا نام نکلوا دیا ہے۔ اسی باعث ان سے رجوع نہیں کیا گیا تھا آغا خاں نے اصرار کیا اور ان کو راضی کیا مگر ان کے آنے کا چار پانچ دن انتظار دیکھنا پڑا اس لئے کہ وہ پیرس سے باہر گئے ہوئے تھے، مگر ان کے اسسٹنٹ ڈاکٹر ڈونوفیلو جو غالباً سمیرنا کے رہنے والے ہیں آئے اور اگر دل جگر اور معدہ وغیرہ کی حالت دیکھ گئے ہیں پر وہ بوڑھے تھے اپنی شباب آدروا لکھ کر دے گئے اور اب چند دن صرف یہی علاج رہا۔ بالآخر گذشتہ جمعہ کو تیار بن کر اسراکتور پروفیسر واکینر نے خود یہاں آ کر مجھے خوب غور سے دیکھا اور تجویز کیا کہ چونکہ انہیں جلد کا نفرس میں شریک ہونا ہے اس لئے دل کی اصلاح کی دوا سبائے منہ سے لینے کے چکارے سے رگوں میں بیٹھ جائیں تاکہ جلد اثر کرے چنانچہ ان نومبر کو اللہ کا نام بیکر پچا ریاں کی گئیں اور کل ۵۰ کو پانچ دیکر بند کی گئیں۔ اس عرصہ میں دوائیں بند کر دی گئیں البتہ شب کو سوتے وقت ایک یا دو ٹیڑھ بڑا چھوٹا ایک خوش ذائقہ شربت کا دیا جانے لگا تاکہ علی الصبح بلا تکلف ایک یا دو اجانبی ہو جایا کریں اور روز صبح کو نمک کا مٹرہ اور نمکلیف وہ جلاب جو شملہ سے اس وقت تک روز بلا ناغہ دیا جاتا رہا تھا نہ دیا جایا کرے واقعی یہ شربت نہایت اچھا ثابت ہوا اور منہاری بی اور بیس دونوں اسی کا استعمال کرتے ہیں۔ دلی کا فارورہ بھی آغا خان کے لئے پرسوں بھیجا گیا ہے تاکہ نفرس کا علاج تجویز کیا جائے چونکہ پیشاب آور دوا بھی بند کر دی گئی تھی،

اس لئے پیروں کا ورم اور بھی زیادہ ہو گیا مگر آج سوچا ریاں بند کر دی گئیں اور وہ پھر جاری ہو گئی ہے روز بروز حالت بہتر ہوتی گئی مگر تین دن ہوئے، سورج غلط معمول دو دن سے نکل رہا تھا۔ میں بھی بی کے ساتھ موٹر میں جھل کی ہوا کھانے چلا گیا تو معلوم ہوا کہ کس قدر کمزور ہو گیا ہوں۔ ۸ اراکتور سے جس کمرہ میں بند تھا۔ اس سے پہلی بار ۳ نومبر کو نیکلائو لفٹ (LIFT) تک جانا دو بھر تھا۔ اور پھر سوس پندرہ منٹ نیچے آرام کرنے کے بعد بھی ٹیکسی تک جانا مشکل تھا پھر گھنٹہ بھر جھل میں موٹر دھوپ میں گھائی، پھر ایک عہد آ کر بی کو دودھ کی برف کھلائی اور دو ڈھائی گھنٹہ بعد پھر ہوٹل آئے۔ ڈاکٹر دہی صاحب اتفاق سے دیکھنے آئے اور نہ پایا تو سخت ناراض ہوئے اور اس وقت معلوم ہوا کہ سوچا ریاؤں کے زمانے میں اس کا بھی سخت پرہیز تھا کھانے کا تو پرہیز تھا ہی سوائے دودھ ڈبل روٹی اور ترکاری کے سوپ (SOUP) کے سب کچھ بند تھا۔ البتہ تین چار دن تنہا ہی ساتھ کی ہوئی مونگ کی دال خوب کام آئی۔ کچھ ٹی پکوائی جاتی تھی مگر آج تک کسی نے ایسی کچھڑی نہیں کھائی۔ کبھی دال نہیں لگی تو کبھی چاول نہیں کھائے اور کھوائے گئے تو اس قدر پانی ڈالا گیا کہ کچھڑی کا ٹنسی کو گمان نہ ہو سکتا تھا۔ دلیا معلوم ہوتی تھی اس میں نمک کم کہ ورم نہ بڑھے اور چکنائی نہ اورو کہ جگر نہ بڑھے تاہم سب کھانوں سے لذیذ تر معلوم ہوتی تھی، اس لئے کہ سوائے لائے کدو کے سوپ کے کوئی چیز نہیں مل سکتی تھی۔ البتہ آلو ابے ہوئے پیس کر دئے جاتے تھے، جس میں لمبوں اور زیتون کا تیل ڈال کر سلا دینا لیا جاتا تھا جگر پر نہ مانہ بھی جمل قول گذر گیا۔

آج صبح ۹ بجے کہ پروفیسر واکیز اور مان کے اسسٹنٹ ڈاکٹر ڈونزو وینو نے پھر دیکھا اور کہا کہ الحمد للہ دل میں جو خواہیاں نظر آتی تھیں وہ سب دور ہو گئی ہیں۔

اور حسب قرارداد سابقہ اب تک کل دس بجے لندن جا سکتے ہو، سوائے پیشاب اور
دوا کے اور اجابت کے لئے شربت کے بارہ دن تک کوئی دوا استعمال نہ کرنا۔
اس کے بعد دل کی دوا جو منہ سے دی جاتی تھی وہ کھایا کرتا مگر خدا نخواستہ پھر
کوئی سخت خرابی محسوس ہو تو پچکاریاں پھر شروع کر دینا۔ کانفرنس میں روزانہ شرکت
کی غالباً ضرورت نہ پڑے نہ ہر وقت حاضری کی۔ جتنا زیادہ آرام کر سکو آرام
کرنا۔ یہیں ایسی جگہ کہ کانفرنس میں وقتاً فوقتاً رائے بھی دے سکے جب ضرورت
تقریر بھی کر سکو گے، جب اس سے فارغ ہو جاؤ تو پھر پیرس آکر ہمارا علاج
کرانا، انشاء اللہ ایک یا دو ٹیڑھ مہینہ کے علاج کے بعد قلب الیسا ہو جائے گا
کہ گویا کبھی بیمار ہی نہ تھا۔ دوا اور غذا وغیرہ کے متعلق مفصل ہدایات
وہ اس وقت ارسال کر رہے ہیں تاکہ لندن جا کر ڈاکٹر عبدالرحمن ان پر خود بھی
عمل کر سکیں اور مجھ سے بھی عمل کراتے رہیں۔ ان کا انگریزی میں فکٹو بھی ترجمہ
کر دیتے۔ یکم صاحبہ بھوپال کو راستہ میں انفارمیشنز ہو گیا۔ اسی لئے عبدالرحمن
صاحب پیرس نہ رک سکے اگر ان کی طبیعت درست ہو گئی ہوگی تو شاید وہ آج
لندن سے یہاں آ جائیں تاکہ میرے ہمراہ سفر کریں ورنہ فرانس کی حد پر یعنی کیلے
کی بندرگاہ میں زائد آ جائیں گے اور اپنے ہمراہ ہم دونوں کو لندن لے جائیں گے۔
آجکل کیلے سے ڈوور تک سمندر کا سفر تکلیف دہ ہوتا ہے جس دن شوکت
صاحب لندن گئے اس دن تو سخت طوفان تھا۔ زائد صاحب تو یہاں سے
۲۶ اکتوبر ہی کو لندن روانہ ہو گئے تھے۔ شوکت صاحب ایک ہفتہ بعد یعنی ۲ نومبر
کو گئے جہاں ایرانی، افغانی اور ترکی سفراء سے ملاقات کی۔ روٹ بے حسب
معمول خود یہاں تشریف لائے۔ اور گھنٹوں باتیں ہوتی رہیں حدنان بے اور ان
کی یکم صاحبہ خالدہ ادیب خانم یہیں تھے، مگر اب لندن تشریف لے چکے ہیں

وہاں اُن سے ملاقات ہوگئی، فتحی بے صاحب یہاں ترکہ سفیر تھے مگر وہ ایک نئی سیاسی پارٹی کی صدارت کے لئے اٹھوڑہ جا چکے ہیں ان کی جگہ میرے پرانے رفیق اور سچے مسلمان میزبان صاحب ترکہ سفیر ہو کر آئے ہیں۔ پہلے یہ سوئٹزرلینڈ میں تھے ان سے میری دوستی ۱۹۲۱ء میں ہوئی تھی جب کہ نوٹین پاشا کی سرکردگی میں ہندو ترکہ وفد صلح کے لئے آیا تھا اور شرائط صلح کو سخت تباہ کن پاکر واپس چلا گیا تھا جب مجھے جا کر اس وفد سے ملنا ہوتا تھا تو نماز کے لئے متصلی انہی کے ہاں سے ملتا تھا۔ انہی کے ذریعے سے ہم نے خضیہ طریقہ پر سلطان محمد حمید الدین کے پاس توسیق پاشا کی بہو اور سلطان کی لڑکی کی معرفت اپنے وفد کا حظ بھجوا یا تھا۔

افغانی سفیر یہاں اب تک وہی ہیں جرشاہ ولی خان کے ہمراہ یورپ آئے تھے۔ اور جنہیں منخراسے میں اپنے ساتھ موٹر میں بٹھا کر دہلی لایا تھا تاکہ وہ اسی شام کو اپنے سسر کے ساتھ اپنی ساس سے ملنے یمنی تال جا سکیں۔ گول میز کانفرنس کا کام محمد یلید جہاز پر اچھی طرح ہوتا رہا اور مہاراجہ صاحب الوہے اس میں بڑی مدد کی۔ شوکت صاحب اسی لئے یہاں سے ۲ رتاریخ کو چلے گئے۔ آغا خاں صاحب دو دن پہلے جا چکے تھے۔ مجھ سے ان سے ٹیلیفون پر خوب باتیں ہوئیں اور ان کو متفق پایا جو خبریں بعض امریکن اخبارات کے ذریعے سے یہاں سے ملیں ان سے امید ہوتی ہے کہ ہندوستان کا مطالبہ غالباً متفق ہو۔ خدا ہم چینس کرد کا مہابی ہر حالت میں سخت مشکل ہے مگر اسکے بغیر ناممکن ہے۔ خدا کرے کہ مہاسیمبائی ذہنیت سمندر پار جا کر بدل جائے اور ہندوستان والوں کو اپنی غلامی کا صحیح احساس ہو اور ایک دوسرے کو غلام بنانے کے خیال کو چھوڑ کر سب کو دوسروں کی غلامی سے نکالنے کی کوشش کریں خدا ہمیں

مسلمان دونوں کو تو فسیق دے کہ ایک دوسرے کے ساتھ انصاف اور
 رواداری کا برتاؤ کریں اور غلامی سے اتنے بیزار ہوں کہ نہ دوسروں کی غلامی
 قبول کریں نہ دوسروں کو غلام بنانے کی کوشش کریں۔ آمین ثم آمین۔
 اب رخصت ہوتا ہوں اس خط کو سب عزیز و اقارب کو رام پور میں سنا
 کہ فوراً عرفان صاحب کے پاس بھجوا دینا کہ اسی ہفتہ خلافت میں شائع ہو جائے۔
 بہتر تو یہ ہے کہ اسکی نقل دفتر خلافت کو بھجوا دی جائے اصل تم اپنے پاس
 رکھو۔

بہی خط نواب امیل خاں اور مولینا عبدالمجید صاحب دیا
 آبادی کے لئے ہے۔

سب کو سلام دعا پیار۔ طاریق کو بالخصوص۔
 تیرا دعا گو اور دعا طالب
 محمد علی

(۲)

شاہ برطانیہ سے ملاقات

۴۹۲ مرنٹن روڈ

وانڈرس ورثہ

لندن ۱۳ نومبر ۱۹۱۳ء

پیارے زہرا - خداوند کریم تجھے اور طارق کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ پیرس کے خط میں جو ہوائی ڈاک سے روانہ کیا گیا تھا، میں نے اپنی صحت کی مفصل کیفیت لکھ دی تھی۔ دو سکر دن خدا کے فضل و کرم سے دھوپ خوب نکلی تھی تو ہم بکل ٹپے اور لندن پہنچ گئے۔ شوکت اللہ شاہ کو ہمراہ لے گئے تاکہ سمندر عبور کرتے وقت کوئی مرد شریک سفر ہو۔ راستہ خوب گذرا شب کو یعنی ساڑھے چھ بجے شام کو لندن پہنچے۔ شوکت صاحب اور نابہہ جلتے ہم لوگ اپنی گاڑی میں جو مالکہ مکان نے کرایہ پر دے رکھی ہے گھر پہنچے مالک مکان کا نام Mrs Mawlanke (مس ماؤلنکر) ہے ان کے شوہر کا گذشتہ فروری ہی میں انتقال ہوا ہے پیسہ والے آدمی تھے۔ اب یہ پریشان ہو گئی ہیں۔ مکان وسط لندن سے بہت دور ہے مگر میں چونکہ بیمار ہوں اور زیادہ لوگوں کا آنا میرے لئے برا ہے اسلئے یہاں ان کے مکان میں ہم لوگ رہتے ہیں۔ ہر مہفتہ ۴ گنی یعنی کوئی ۱۰ روپیہ کھانے اور کرایہ کے دینے پڑتے ہیں اور ساڑھے پانچ پونڈ فی مہفتہ یعنی ۷ روپیہ موٹر اور شوفر کے لئے، تیس روزانہ بتن چار روپیہ کا خور و خیر دیا جاتا ہے اس طرح کوئی ۹۰ روپیہ ماہوار کا خرچ ہے۔ انگریزی گورنمنٹ ساڑھے

تین سو روپیہ ماہوار دیتی ہے اور ہندوستان کی حکومت ۵۰۰ روپیہ ماہوار دیتی ہے۔ کپڑوں کی دھلائی اور اوپر کا خرچ سب ملا کر اس ۸۵۰ روپیہ ماہوار میں نیکل آئے گا اور غالباً بی کا آمد و رفت کا کرایہ بھی۔ مگر یہی علاج کا خرچ اور دی آنا (VEINA) جانے کا خرچ شاید نہ نکل سکے۔ ۷۰۰ روپیہ لیکر بیٹی سے چلاتا اور ساڑھے تیرہ سو گورنمنٹ کے پاس سے پیرس میں ملتے اس دو ہزار میں سے کل نو سو باقی ہیں۔ حالانکہ سب سے بڑے ڈاکٹر کا علاج آغا خاں کی بدولت ہوا۔

یہاں آنے ہی معلوم ہوا کہ بادشاہ اور ملکہ نے صبح ہی کو بلایا ہے۔ بی اور میں بڑی مشکل سے گئے۔ شوکت صاحب موٹر لے گئے تھے مجبوراً کرایہ کی گاڑی میں گئے بہر حال وقت پر پہنچ گئے وہاں سے لوٹ کر گلنار اور شعیب کو نواب صاحب بھوپال کے ہاں دیکھا ان کا پتہ۔

بھوپال والوں کو سب کو انفلوئنزا ہو رہا تھا۔ گلنار بھی ہاری ہاری اس میں مبتلا ہوئی اور میری صیبت دیکھو کہ مجھے بھی ہو گیا۔ کھانسی زکام بخار میں گرفتار رہا۔ پرسوں شب کو ۳۰ ڈگری بخار فہلڑی مشکل سے کوئین کھا کہ کل دوپہر کو دارالامرا میں اپنے افتتاحی جلسے میں شریک ہوا۔ وزیر ہند بہت شرافت سے پیش آیا تھا گذشتہ ہفتہ کی صبح کو خود ہی چھینٹواڑھ کے پڑانے ڈپٹی کمشنر کاربٹ سے کہہ کر مجھ سے ہوا۔ (اور بی) بادشاہ اور ملکہ کے سامنے گئے اور ہاتھ ملایا تو میری سخت علالت کا ذکر کیا۔ بادشاہ نے عیادت کی اور اس زمانہ کے لندن کے موسم کی شکایت کی ہیں نے کہا میں چھ بار آچکا ہوں۔ چار برس طالب علم رہا۔ موسم سے خوب واقف ہوں اس کی معذرت نہ فرمائیے میں آج وزیر ہند سے ملنے جا رہا تھا، مگر کل خود اسی نے کانفرنس میں آکر مجھ سے کہا کہ میں نے سنا ہے

تم رات بھر میں مبتلا تھے۔ خدا راقم نہ آؤ۔ میں خود تمہارے گھر آؤں گا۔ میں نے کہا
 یہ یا ۹ میل دور ہے کہا اسی قدر رانڈ یا آؤں تمہارے گھر سے دور ہے میں بٹا
 کٹا تم بیمار۔ آنا مجھے چاہیے یا تمہیں۔ اچھا اب کانفرنس کا حال سنو سب لوگ متفق
 ہوئے جا رہے ہیں مگر ہندو سبھا والے علیحدہ ہیں اور اب سب ان سے بیزار ہو
 گئے ہیں ہندو کلم فیصلہ کی کمیٹی کے صدر آفا خاں اور مسلم نمائندے سر محمد رفیع جینا
 اور میں ہیں۔ اصلی کانفرنس کا کام سینیٹ جیمس سلیس ہیں، انرومبر کو انرجی شروع
 ہو گا۔ انگریزوں پر غاصا اثر پڑا ہے۔ مرحوب ہو رہے ہیں بالخصوص اس وجہ
 سے کہ والیان ملک اور ہم لوگ متفق ہیں۔ یہ خط نواب صاحب بھوپال کے ہاں سے
 لکھ رہا ہوں۔ بی اپنے گھر پر ہے۔ گلنار جالور خانہ دیکھنے گئی ہے۔ اچھا اب نصرت
 شوکت صاحب یہاں موجود ہیں، زاہد کہیں گئے ہیں۔

سب کو دُعا و سلام اور پیار۔ بالخصوص طارق کو۔

تیرا ابا
 محمد علی

زندگی کے آخری دن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہائیڈ پارک ہوٹل

لندن

پیارے ذہر

خداوند کریم تجھے اور طارق کو اپنے حفظ و امان میں رکھے ہیں ڈاکٹر عبدالرحمن سے اور نیز اور دو کے راکن کانفرنس اور گلنار وغیرہ سے قریب ہونے کے خیال سے کل سے یہاں آگیا ہوں صاحب فراش ہوں۔ ٹانگیں سخت درم کھائی ہیں۔ چلنے پھرنے سے معذہ ہوں اور لیٹ کر سونا بھی بھیب نہیں ہوتا۔ دن رات پلنگ پر لیٹ کر گزارنا ہوں مگر دو چار دن میں نشاء اللہ یہ جبری آرام محنت بخش دے گا۔ دل کی حالت پیچھے سے بہتر ہے مگر کام زیادہ پڑا۔ بالخصوص درم والی ٹانگوں سے چلنا زیادہ پڑا یا بیٹھنا۔ لیٹنا درکار تھا۔ اب لیٹ رہا ہوں کامیابی کی امیدیں بندھ رہی ہیں۔ والیاں ملک نے بہت مدد دی ہے۔ نہیں کو ہمارے ساتھ کام کرنے اور ایک شہر کہ حکومت میں شریک ہونے پر آمادہ دیکھ کر انگریزوں کی آنکھیں کھل گئیں مگر یہ سب باتیں آج بفضل انگریزی خط میں معظم کو لکھ کر ہوائی جہاز سے بھجوا رہا ہوں جو ایک ہفتہ قبل ہی پہنچ جائیگا۔

اب رخصت
تیرا پیارا باپ
محمد علی

زندگی اور موت میں کشمکش

ہائڈ پارک ہٹل
۲۶ دسمبر ۱۹۳۱ء

پیاری ڈھکڑا۔

خداوند کہ ہم سب کو جلد اور بامراد ملائے۔ خدا کو وہی منظور تھا کہ میں آج تجھے اپنے ہاتھوں سے خط لکھوں۔ ورنہ گزشتہ جمعہ کو جو بڑا خط اپنے سبکدوشی سے میں ٹائپ کرتا رہا ہوں۔ اس کے شب کو ختم کرانے ہی میری طبیعت اتنی بگڑی کہ میں خود ہی ہڑے ڈاکٹر یعنی ڈاکٹر ایروکر کے دوست ڈاکٹر رائل اور تمبینہ بی کے شوہر ڈاکٹر انکلیشوریا کو بلوایا اور دونوں نے حالت اس قدر ابتر پائی کہ فوراً دواؤں کو بلوایا اور اگر اتنی جان بھی ہوتی کہ پاس کے ہسپتال (ST GEORGES HOSPITAL) تک جو سڑک کے کونے ہے بھیجا جاسکتا ہے تو ضرور بھیج دیا جاتا۔ ۹ کی شب کو حرارت فوراً ۹۹ تھی مگر نبض ۱۳۵۔۲۰ کو بالکل بے ہوش رہا۔ حرارت ۹۹ رہی مگر نبض ۱۰۰ تک گری۔ پھر ۱۳۵ تک بڑھ گئی۔ ۲۱ کو حرارت ۹۹ تک گر گئی مگر جلاب کے باعث جس کا ہوش مجھے صرف اجابت آنے سے ہوتا تھا۔ نبض ۸۰ تک گر گئی۔ آنکھ کھلی تو ذرا بھی ہوش نہ تھا کہ میں دو دن سے موت کے منہ میں تھا، نہ اس کا ہوش تھا کہ دن ہے یا رات۔ رات کو دن سمجھ کر لاٹو سینکی لاٹو چاندرو جو درمیں رہے

معقول آدمی ہے اس شب کے وقت حاضری کھانے پر بڑی منت و سماجیت
 کی کر کے بٹایا کیونکہ ریڈے میکڈنالڈ ہندو مسلم معاملات کو
 NURSE سمجھانے سے قاصر تھا اور مجھے وہیں اسی کی تھی منہ معلوم کس طرح NURSE
 راہنی ہو گئی۔ غالباً اتنا بڑا نام سنا تو بہت زدہ اور مرعوب ہو گئی۔ لاڈلہ بی بی
 بڑا شریف بزرگ ہے سمجھ گیا اور سن چکا تھا کہ موت اور زیت کے بیچ میں ہو
 اس لئے دوسرے ہی دن صبح کو انکے آنے کا وعدہ کر دیا۔ وہ آئے اور گوشت
 صاحب نے بھی اسی وقت آنا چاہا اور میں گھبرا یا کہ بات نہیں کرنے دیجئے جس
 سے کسی قدر ناچاقی ہوئی تاہم کس منٹ ہی میں میں نے اپنا مطلب ادا کر دیا
 اور کہہ دیا کہ سارے ہندوستان کا ہندو مسلم (مسلم) ایک ہے قومی ہے
 اور تاریخی ہے۔ صوبہ وار نہیں ہے۔ صرف ایک اصول پر ہر جگہ طے ہوگا اور
 وہ اصول یہ ہے کہ جہاں ہندو اکثریت ہو وہاں پوری قوت ہندو کو دو۔ مگر
 مسلمانوں کے لئے ستمہ لگا رہنے دو لیکن جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو پوری
 قوت مسلمانوں کو دو اور ستمہ ہندو کے لئے اسی طرح لگا رہنے دو یعنی
 Power of Majority خواہ ۵۱ یا ۴۱ کی ہو یا ۴۰-۵۰ کی اور
 اور Protection for Minority خواہ ۵۱ کی ہو یا
 ۴۰ کی۔ غصہ یہ ہو رہا ہے کہ سکھوں اور انگریزوں کے یہاں سے پنجاب اور
 بنگال میں مسلمانوں کی مجاہدی کو مینارٹی کیا جا رہا ہے اور لطف یہ ہے کہ کل سکھ
 کھولتے ہی میگم شاہ نواز کی ایک تحریر یا اسی مضمون کی ٹیپھی کہ پنجاب میں ایک وکم
 مسلمان کو روئے جائیں تو کیا ہرج ہے۔ یہ جھڈ لی اور ملک پروری نہیں ہے
 پانچل بن ہے۔ یہاں آئے ہی کیوں تھے۔ اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ ۵۰
 سے برا بر ترقی ہے کل اسزنگ ہسپتال جا کر آرام کرنے کا ارادہ ہے۔ ایک

رات کی ساری نیند اس مصیبت میں گئی کہ ۶ دسمبر تک کے "خلافت" میں میری پوری تقریر کا ترجمہ نہیں شائع ہوا تھا حالانکہ ۲۱ کی شب کو دی تھی اور اسی شب کو اصلاح کے بڑی مصیبت سے ہوائی جہاز کے لئے ٹکٹ خریدنے کے (مسلم اوٹ لک) *Muslim Outlook* لاہور کو ارسال کی تھی۔ تین گھنٹہ جس مصیبت میں کاٹے تھے وہ خدا ہی جانتا ہے (اب یہ "خلافت" کی خفشت ہے) یا لاہور والوں کی ڈاک کی۔ خدا ہی کو اس کا پتہ ہے۔ تاہم خلافت والے تو دو مہینے میں لندن کی اخباروں سے بھی لے سکتے تھے مگر فکر کے اور عقل کس کو۔ دفتر میں عیب نوڈ مار چھوڑ کر آیا تھا۔ خدا رحم کرے۔ اچھا اب رخصت۔ اس کی بہت صاف نقل کسی سمجھدار شخص سے کر کے عرفان صاحب بلکہ کسی اور کو بھی بھیج دو کہ بغیر سنسر کے دیر لگائے ہوئے فوراً طبع ہو جائے اور اصل ماجد ذوالفقار بھائی اور معظم کو دکھاتے ہی اسمعیل خان صاحب کو بھیج دو۔ اور ان سے کہہ دو کہ مولانا عبدالمجید دریا آبادی کو اس ڈاک سے بھیج دیں کاش کسی ترکیب سے حیات کو بھی فوراً ہی پہنچ سکتا۔ مگر اب یکسر ٹری کی جگہ ایک چھوڑ دوں میں ہیں۔ خدا معلوم مصروف کیسے ادا کرونگا۔ بی کے لئے مجبور ہو کر ایک علیحدہ کمرہ لیتے ہیں جس میں شوکت صاحب بھی آکر سوجھتے ہیں منظر ناہد کے بنا ہوتے ہیں۔

طابق کو اور تجھے پیار

تھارا

محمد علی

خاتمہ بالخیر

زندگی کی احمدی شب

ہرگز نہیں داس کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبوت است بر جسد بیدہ عالم دوام ما

لندن ۱۹۳۱ء

عزیزی جعفر صاحب! سلام علیکم۔ میں نے دفتر کے تمام کارکنوں کے نام خطوط لکھے تھے تاکہ کسی کو شکایت باقی نہ رہے۔ آپ کا نمبر آج آیا ہے۔ اور یہ خط میں خون جگر سے لکھ رہا ہوں تم کو سلام کیا کرتا۔ ہر منقہ تمہارا خط آتا تھا اور حالات معلوم ہوتے تھے۔ اور وہ کو سلام لکھتا یا اس کو جو دفتر میں بہت سے کاموں کا ذمہ دار تھا۔ آج کے خط سے تمہاری شکایت فور ہو جائیگی مگر میں یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ جب میں خلافت کے لئے خط لکھتا ہوں تو وہ خط سب خلافت کے حامیوں کے لئے ہوتا ہے۔ اب چند خطوط میرے اور آئیں گے۔ اس کے بعد میں خود بمبئی اور ہندوستان میں ہونگا۔ اور کوہلو کاسیل پھر کام میں لگ جائیگا اور اب انشا باللہ پہلے سے زیادہ طاقت اور کامیابی کے ساتھ۔ کیونکہ خدا بہت سے نئے کام کرنے والے پیدا کر رہا ہے۔ آج محمد علی کا جنازہ اپنی من گھڑیوں کے مکان پر آرام کر کے ٹلبریری بند گاہ کو گیا اور سہیتجے جہاز ”ترکنڈہ“ اس کے لئے کہ بیت المقدس

لے دفتر مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کے ایک ممتاز کارکن

کوروانہ ہو گیا۔ ۱۶ جنوری کو یحیٰی محمد علی، زائد، اہل میں اسی جہاز پر مارسیلز سے روانہ ہو گئے اور ۲۱ کی صبح کو پورٹ سعید پہنچیں گے۔ جہاں مصر، شام، فلسطین اور عراق کے عرب بھائی اس کو مسجد قحطی میں دفن کر بیٹھے۔ میرا بھائی کہو، بیٹا کہو، رزار کہو، غلام کہو، عاشق کہو، یا معشوق، مجھ سے رخصت ہو گیا۔ اور اب میں اکیلا رہ گیا۔ بے دست و پا ہوں مگر خدا پر بھروسہ ہے اور وہ ایک محمد علی کی جگہ دین مقدس کی خدمت کے لئے ہزار محمد علی پیدا کر دے گا۔ میں تم سب سے دور ہوں پھر بھی خوب جانتا ہوں۔ کہ اس موت سے مسلمان بچائے کمزور ہونے کے کمر تہمت باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے۔ خیر جو کچھ ہو۔ سلام کا یہ تخلص سپاہی میدان جنگ میں ایک زبردست ڈنکے کی چوٹ مار کر سپاہی کی موت مر گیا اور اسلام کا نام کر گیا۔ تنہا اور کھیلتا دنیا سے اُٹھ گیا۔ آج دل میں صدمہ ہے۔ ہاتھ حالات لکھتے ہوئے کانپتا ہے۔ پورا قصہ مبینی آکر سنائو نکلا۔ اس وقت ٹکڑل پر قابو پا جاؤں گا۔ آج جبارت آرائی کو دل مست ہوں نہیں کہتا۔ پھر بھی جبر کے ضروری حالات لکھتا ہوں۔

محمد علی کا علاج صرف احتیاط، سکون اور پرہیز تھا۔ سب سے زیادہ آراٹھ سکون کی ضرورت تھی۔ مگر وہ کہاں نصیب ہوتی۔ مسلمانوں کی موت اور زلیست کا سوال تھا۔ کس طرح خاموش رہتا۔ عمر بھر کبھی احتیاط کام کے وقت کی نہ تھی اب کیا کرتا۔ اور پرہیز کون عمر بھر کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو قوت ۱۰ برس معمولی احتیاط کی زندگی بسر کرنے میں کام کرتی۔ اس کو دس مہینے میں خرچ کر دیا اور بی اماں مرحومہ کی طرح یہ طاقت خرچ کر کے میٹھی نیند سو گیا۔ آخری دورہ تقریباً ۲۰ دسمبر کو پڑا تھا۔ میں ۲۳ دسمبر کو آئر لینڈ ۴ دن کے لئے جانا چاہتا تھا۔ مگر اس کی وجہ سے ملتوی کر دیا۔ نرسوں کے ہاتھ وہ دے دیا گیا اور ہم سب

شب دروز ہائیڈ پارک ہوٹل میں موجود رہتے تھے۔ اور میں تو وہیں سوتا تھا۔
 ۴۸ گھنٹے کی کشاکش کے بعد خدا نے خطہ سے باہر کر دیا۔ ادب امید پڑی تھی کہ
 وہ کام سے باز آجائیں گے اور خدا ان کو صحت دے گا اور وہ ہندوستان مع الخیر
 واپس جائیں گے۔ طبیعت اس قدر درست ہو گئی تھی کہ ۳۱ دسمبر کو گلنار بانو کی سالگرہ
 کے موقع پر محمد علی نے بہت سے اجاب کو ہندوستانی شفیق ہوٹل کے تیار کئے
 ہوئے کھانے کی دعوت دی۔ آج تک کبھی کسی اولاد کی سالگرہ نہیں منائی تھی جب
 میں نے منع کیا تو کہا کہ "مت روکو۔ میل چل چلاؤ کا وقت ہے۔ وہ بچی خوش ہو
 جائے گی۔" میں اُسی دن آر لینیڈ چلا گیا۔ کیونکہ محمد علی کی صحت اچھی تھی۔ اور
 وہاں جانا ضروری تھا۔ تاکہ مقررہ ملاقاتیں ہو جائیں۔ اور آر لینیڈ کے حالات سے
 واقف ہو جاؤں۔ چار دن رہ کر واپس آیا۔ اور اتوار کی صبح ۶ بجے لندن واپس
 آ گیا۔ نگہ گاڑی ہی میں ۸ بجے تک رہا۔ بیماری کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اور
 کیے ملے۔ ہفتہ کے دن صبح کو ایک گھنٹہ بھر نواب عبدالقیوم سے سرحد کے معاملہ
 پر مفصل گفتگو کی۔ وہ خود سرحد کی کمیٹی کے ممبر تھے اور چاہتے تھے کہ سرحد کے معاملہ
 میں مسلمان نہایت سختی کے ساتھ کھڑے ہوں اور مطالبات میں کمی نہ کریں۔ اسکے
 بعد ۲ گھنٹہ سندھ کے بارے میں سرشاہ فواز مجبٹو سے گفتگو کی۔ تیسرے پہر کو بیگم
 عبدالعزیز صاحب لاہور سے ۲ گھنٹے مسلمان عورتوں اور اسلامی حقوق کے
 بارے میں باتیں ہوئیں۔ دو دن قبل تین گھنٹے متواتر سر جو فرے کا ربٹ کے
 سامنے شارٹ ہینڈ والے کو ہندو مسلم مسئلہ پر اپنے خیالات لکھوائے اور
 دوسرے دن ۲ گھنٹے خود اُس کے پروف صحیح کئے۔ پانچ بجے شام کو ہفتہ
 کے دن ڈاکٹر سے کہا کہ میں تھک گیا ہوں۔ ذرا آرام کر لوں۔ دو گھنٹے آرام کیا۔
 جب ۷ بجے غفلت سے ہوشیار ہوئے تو دماغ درست تھا مگر زبان بند ہو گئی تھی

ڈاکٹر ایلز کو ڈاکٹر انگلشوریانے بلایا اور انہوں نے کہا کہ دماغ میں خون کی رگیں پھٹ گئی ہیں۔ اور اب کوئی امید نہیں ہے۔ یہ واقعہ قریب ۱۱ بجے شب کا تھا سب کو پہچانتے تھے سیدھی ٹائٹل اسیدھے ہاتھ اور سارے جسم پر سیدھی طرف اثر تھا فالج کا سہ ۲ بجے سے بالکل فاصل تھے اور ۱۰ بجے دن کے نہایت سکون کی حالت میں دنیا سے کوچ کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

عبدالرحمن صدیقی صرف ملاوہ نرس کے کمرہ میں تھے۔ انہوں نے سب کو آواز دی اور لوگ بھی آگئے۔ میں انتقال کے ۱۵ منٹ بعد پہونچا اور گلنار بانو بھی بخود میڈیر قبل جن لوگوں نے سہفتہ کے روز ملاقات کی تھی ان کو اس طرح گزر جانے کا وہم فگمان بھی نہ تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ ساری قوت صرف کر دی تھی اور دماغ اس قدر اسراف کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

حق معفرت کرے عجب آزاد مروت تھا

میں جب اپنی قیام گاہ پر پہونچا تو اسی وقت صاحب خانہ نے اطلاع دی اور میں سیدھا ہٹل آیا۔ بیگم محمد علی کی خدمات اور ہمت کا تذکرہ کرنا بیکار ہے شب روز خدمت کی منظر علی ویانا سے ملنے کو آگئے تھے وہ اور نا اہد بھی حاضر رہتے تھے۔ شعیب صاحب کو جب کام سے فرصت ملتی تھی تو وہ بھی دن میں تین چار پھیرے کرتے تھے ہر ماٹنس مہاراجہ اور تو اس رات بالکل نہیں سونے۔ پانچ یا چھ مرتبہ کمرے میں دیکھنے آئے۔ اور بعض اوقات سونے کے کپڑوں میں اور ننگے پاؤں۔ ان کو اس قدر صدمہ ہے کہ جب مجھ کو دیکھتے ہیں رنج کی وجہ سے سلام کر کے منہ دوسری طرف کر لیتے ہیں۔

عزیزی۔ میں تم سے کیا کہوں۔ میں نے محمد علی کا چہرہ اس قدر خوبصورت کبھی نہیں دیکھا۔ میٹھی نیند اطمینان سے جیسے کوئی سوتا ہے۔ آخری وقت میں ذرا تھکی لکھت

زہتی سکون تھا، مسلمان تھا، مسلمان کی موت اس کفرستان میں مرا۔ اور تمام ملک والوں
 سے خراج تحسین وصول کیا۔ خبر ہوتے ہی ہر طرف سے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ یہاں کے
 ہولوں سے میت صرف مات کے ۱۲ بجے کے بعد باہر نکالی جاتی ہے۔ لندن کے فقیرینا
 سب ہندو اور مسلمان آنے والے آتے تھے اور زیارت کر کے چلے جاتے تھے گول
 میز کے سب ارکان باری باری آتے تھے سفید چادر چہرہ پر پڑی تھی جب ہٹا کر
 منہ کھول کر میں دیکھتا اور دکھاتا تھا تو بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص آرام سے
 سو رہا ہے۔ آنکھ یا چہرہ پر تکلیف کا ذرہ برابر بھی تپ نہ تھا۔ شام ہی کو ہوٹل کے منیجر نے
 مشہور کفن تیار کرنے والے کا رخانہ ملس کو بلایا جس کی منتظر ایک معقول عورت تھی۔ رازد
 جا کر سب جگہ دیکھ کر آئے۔ رات کے بارہ بجے موٹر کر کے اور اسٹریچر بھی اور بہت ہوٹیا
 اٹھانے والے احتیاط سے میت کو اٹھا کر لفٹ سے نیچے لائے اور موٹر میں رکھا۔
 میں اسی موٹر میں سوار ہوا۔ نئے مکان میں رکھا۔ جہاں رات ہی کو دوکانکشن نے کر
 نعش کو ایسا کر دیا گیا کہ دس برس تک بھی خراب نہ ہو۔ میں اور دو مسلمان عزیز طالب علم
 اسی مکان میں زمین پر سوئے۔ صبح کو عبدالرحمن صدیقی، مظفر اور میں نے غسل میت دیا۔
 آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ زبان پر کلمہ طیبہ اور قرآن مجید تھا۔ اور محبت والے ہاتھ
 آخری خدمت کرتے تھے۔ زاہد بیلیفون پر بیٹھے سب کو اطلاع دینے لگے تھے کہ نمازہ جنازہ
 شام کو ۶ بجے پیننگٹن ٹرن ہال میں ہوگی۔ جہاں ۴۰۰ یا ۵۰۰ آدمیوں کی گنجائش تھی۔
 عالیشان جگہ تھی۔ تریل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ ۵ بجے سے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ جہا راجہ
 کشمیر، نواب صاحب بھوپال، جہا راجہ بیکانیر اور تمام ارکان اور وزراء مع وزیر سب
 موجود تھے۔ جب نماز جنازہ کی موٹر آئی تو نہرہائیس شاہ ولی خاں سفیر افغانستان،
 عقیقی پاشا سفیر مصر، نوری اسفند یادری صاحب سبیر ایران، شیخ حافظ دہبہ صاحب
 سفیر حجاز اور تمام مسلمان ارکان گول میز کا نفرنس اور دیگر حاضرین نے کندھا دیا۔ باہر

انگریزوں کا جو جم تھا اور اندر بھی تمام جماعتوں کے انگریز نمائندے تھے۔ ہال میں نماز ہوئی لیکن کایکس یہاں بہت خوبصورت بناتے ہیں اور قیمتی ہوتا ہے۔ ایک چھوٹی آئینہ کی کھڑکی تھی جس میں سے چہرہ نظر آتا تھا۔ اخبار والے موجود تھے۔ سب نے فاتحہ کے بعد زیارت کی اور ایک گھنٹہ کے بعد میت پھر قیام گاہ پر گئی۔ خوبصورت پھولوں کے ہار مہاراجہ پٹیل، مہاراجہ دھولپور، مہارانی کرج مہاراجہ راجہ بادوکن کے وزراء اور لندن کے ہندوستانی طلبہ کی طرف سے رکھے تھے۔ دولہا اچھا تھا۔ قریب میں سوتا تھا سدن اور رات تلاوت قرآن مجید ہوتی تھی۔ ۵۔ جنوری کو نماز جنازہ ہو گئی۔ آج صبح میت جہاز پر گئی۔ ہندوستان لاتے تھے۔ مگر فلسطین کا تذکرہ عبدالرحمن صدیقی صاحب نے کیا تھا۔ اور بعد کو مفتی اعظم کی دعوت اور تمام بامدان وطن کی دعوت پر مسجد اقصیٰ میں دفن کا قصد کیا گیا تا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے تعلقات برادران عرب سے وابستہ ہو جائیں۔ ۲۴ کو پورٹ سعید پہنچیں گے۔ بیگم صاحبہ اور زاہد جہاز سے بعد تجہیز و تکفین بمبئی آئیں گے اور میں خشکی سے شام اور بغداد ہوتا ہوا کراچی جہاز سے پہنچوں گا۔ ہمارے عزیز دوست اور قابل فخر مجاہد رفون بے بھی موجود تھے اور میت کو کندھا دے رہے تھے، اخبارات اور تاروں میں تمام جگہوں سے اظہار ہمدردی ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ اس مجاہد اسلام کی موت بھی کام زندگی سے اچھا کرے گی۔ دعا فرمائیے۔ بمبئی کے تاروں سے ہمدردی کی خبر ملی۔ خدام کو جزائے خیر دے۔ بمبئی تو مسلمانوں کی کچھ خدمت کر گیا۔

شوکت علی

ماخوذ از سچ مکھنو

دین محمدی پریس لاہور سے طبع کراچی پریس محمد سرور نے کتاب خانہ علیہ میرن لاہور کی گئی

